

رکشنی اثر و مقبولیت

(۱۰ تاثراتی مضامین کا مجموعہ)

معینِ حین سے میں انہیں چُن چُن کے لایا ہوں
شامل ہیں جتنے پھول مری اس کتاب میں

صلاح الدین نیسر

حکم حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں

ماہ و سن اشاعت	جون ۱۹۶۲ء
تعداد صفحات	۴۵۰
تعداد اشاعت	۵۰۰
قیمت	۲۰ روپے
ڈائریکٹری ایڈیشن	۲۵ روپے
کتابت	سید النور احمد
طباعت	اعجاز پرنٹنگ پریس چھترہ بازار
ناشر	صلاح الدین میسر

کتابیں ملنے کا پتہ

- سیاست کیل کاؤنٹر۔ جواہر لال نہرو روڈ۔ حیدر آباد علی
- خٹائی بک ڈپو مچھلی کمان پتھر گئی۔ حیدر آباد علی
- مصنف۔ کہکشاں ۸۲/۷-۳۔ ۱۱ جدید ملے پٹی حیدر آباد علی
- فون۔ ۱۵۰۴۳۳

- ۱۱۹ اردو انگریزی لغت کے تدوین کار شگفتہ مرثیہ شخصیت
- ۱۲۴ قلند صفت، فقیر منش، قابل، خداد
- ۱۳۴ عالمی شہرت یافتہ، قابل، شہرہ شہس، کچھ مشق شاعر
- ۱۴۱ نامور گلوکار، مجید آبادی، نند، بیٹ، روایات، کچھ باسدار
- ۱۴۷ منفرد دانشور، دانشور، شاعر، باوقار شخصیت
- ۱۵۰ معاشرہ کا نیر، مسافر، نامور صحافی، ادیب و نقاد
- ۱۵۴ سہما صفت، ادیب، نقاد، صحافی، شخصیت
- ۱۵۴ اورینٹل اردو کالج سے جماعت شریک، علمی و ادبی سفر
- ۱۶۰ خوش نظر، خوش گفتار، بے نیاز شاعر
- ۱۶۲ کھر انسان، سچا دوست، بہترین شاعر
- ۱۶۴ باکمال شاعر، مہذب شہری، معترف انسان
- ۱۷۴ دلوں کو جوڑنے والا، اردو مہندی کے منفرد شاعر
- ۱۷۶ اردو دوست، ہمدرد، دُرُ اکبر، شائستہ انسان
- ۱۸۱ ماہر دکنیا، ممتاز محقق، قابل استاد، مشہور شاعر
- ۱۸۸ زخرف الطبع محقق انسان، معترف استاد اردو
- ۱۹۵ بے داغ شخصیت، باصلاحیت دانشور
- ۲۰۳ چشمہ آب رواں، تنویر دیدہ و دل
- ۲۱۱ نامور صحافی، ممتاز دانشور، لا جو شاعر، نفیس انسان
- ۲۱۸ باصلاحیت صحافی و مقرر، بہترین شخصیت، بااخلاق انسان

بحسب سوانح

پروفیسر عبدالرزاق فارسی

مسلم خوش نویس

پروفیسر اردو

پروفیسر صادق نقوی

پروفیسر مصطفی کمالی

پروفیسر لطیف انصاری

پروفیسر کبر علی بیگ

پروفیسر کریم علی

پروفیسر حسان

پروفیسر اختر

پروفیسر سنگھ ورما

پروفیسر رام پرستار

پروفیسر محمد علی آفر

پروفیسر انور الدین

پروفیسر احمد

پروفیسر عبدین سم

پروفیسر علی خان

پروفیسر عبدالحق

ظہیر الدین علی خان

در نقیب غیاث الدین

انتر غوری

حسن فرسخ

علی الدین نوید

نواب نور الدین خان

مسعود میتن

پروفیسر قادری بیگم

پروفیسر حبیب ضیاء

عسکر سزا شاہ

ڈاکٹر اختر سلطانی

مظفر النساء ناز

لیو مونسکیت

شاعر ادیب

مومن خان شوقی

شفیع اقبال

بشیر احمد

ڈاکٹر راہی

قاضی انجم عارفی

افتخار احمد اقبال

حجم شرافت، یکیک خلوص، روشن خیالی، نامور ادیب، شاعر، محقق

کامیاب تاجر، یکیک شرافت، پاک و صاف انسان ۳۰

نئی فکر، نئے لب و لہجے کا باشعور شاعر ۳۹

ذہین و فطین شاعر، نامور ادیب و صحافی ۴۶

ذہین و باصلاحیت، متغیر لہجے کا محفل شاعر ۵۵

پرانے شہر کی ہندو شخصیت، بہترین مضمون، محقق و شاعر ۱۲

اردو فیول کے مرکز نگاہ، خوشگوار لہجے کا بہترین شاعر ۱۱

قابل مقرر، روشن دماغ، قانون، لائق ماہر تعلیم ۶

دیدہ پرہم، دل خنداں کی ادیبہ، درخشاں شاعر ۲۸۲

دن کی باوقار، گلی ہندو شاعر، شاعرہ، شاعرہ، شاعرہ ۹

شاعرہ گھرانے کی نیک خانوں، صاحب حرز ادیبہ ۹۵

جیل آباد کی بدوقار خانوں، سلیحی، بدوقار شاعرہ ۲۰

شادی محفلوں کی بہترین شاعر، شاعرہ، شاعرہ ۴۴

رسائل کی دنیا کا بہترین شاعر، شاعر، شاعر ۹۹

ہندو انسان، شاعر، شاعر، شاعر، شاعر ۱۷

بکر دار انسان، شاعر، شاعر، شاعر، شاعر ۲۸

شاعر حسن و جمال، و منہ دار شخصیت ۳۵

روشن خیالی، شاعر، شاعر، شاعر، شاعر ۴۴

مسلم معاشرہ کی ہندو شخصیت، شاعر، شاعر ۴۹

بہترین شاعر، نامور ادیب، محدثہ انسان ۵۷

۳۶۲	خانوادہ جلیلی کا ایک اور چراغ۔ ایک اچھے شاعر	۳۶۲	مشتید جلیلی
۳۶۶	صاف گو نیک سیرت انسان۔ شاعر و ادیب	۳۶۶	نائب سنگھ نشتر
۳۷۲	گنگا جی تہذیب کی منفرد شخصیت، بہترین انسان	۳۷۲	ایم۔ بالیا
۳۷۸	گوگنڈہ کا ہیرو۔ عوامی خدمت گزار	۳۷۸	منظور ظفر
۳۸۵	انسانی رشتوں کے طرفدار، بااثر انسان، ہمدرد شخصیت	۳۸۵	علامہ صادق الدین
۳۹۱	باصطلاحیت آفسر، خوش نصیب انسان	۳۹۱	خواجہ معین الدین
۳۹۸	منکسر المزاج۔ خاموش طبع انسان	۳۹۸	خواجہ معین الدین ایسل
۴۰۳	تہذیبی رشتوں کے پاسدار، بااخلاق و بامروت شخصیت	۴۰۳	جی ایم خان (علامہ محمد علی)
۴۱۱	خوش مزاج۔ خوش اخلاق انسان	۴۱۱	محمد اعظم
۴۱۷	اچھے شاعر۔ منکسر المزاج۔ فرض شناس عہدہ دار	۴۱۷	عبید افضل
۴۲۲	بہترین موسیقار۔ نیک دوست، شریف آدمی	۴۲۲	واجہ بہاء الدین
۴۳۰	سکرٹریٹ کے سفید پوش۔ نیک سیرت انسان	۴۳۰	عبدالمعین الدین
۴۳۶	سکرٹریٹ کی ایک باغ و بہار شخصیت	۴۳۶	عباس ہاشمی
۴۴۲	ایک مخلص مجلس سبائی کارکن۔ کامیاب تاجر	۴۴۲	غابدی الدین
۴۴۶	مصنف	۴۴۶	اظہار تشکر
۴۴۷	مصنف	۴۴۷	اشنتاب
۴۴۸	۴۴۸	مصنف کی کتابیں

روشنی، خوشبو، مہک

’رُشنی‘، ’خوشبو‘، ’مہک‘ میرے تشرافی سے، مضامین کا مجموعہ ہے۔
 تاملالی ٹیری اور مجھ سے متعلق یہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ ۱۲۶ اولیٰ کتاب
 ہے اس کتب میں جبکہ ان کی بقیہ کتابیں ’شخصیتوں‘ پر میرے تشرافی مضامین
 شامل ہیں جن کی خدمات مختلف شعبہ حیات میں نمایاں رہی ہیں
 اولوں ان تمام سے میرے شخصی مراسم ہیں۔ ان میں شاعر بھی ہیں ادیب
 بھی، محقق بھی ہیں نقاد بھی، قانون دان بھی ہیں، سماج کار بھی، سماجی
 بھی ہیں اور تہذیبی فکار بھی۔ اسی کے علاوہ مہذب معاشرہ سے
 وابستہ ایسے لوگ بھی ہیں جن کی خدمات لائق تحسین ہیں جنہیں قابل
 تقلید بھی ہیں۔ ان میں بعض ایسی شخصیتیں بھی ہیں جن پر ہولی
 مضامین لکھ جاسکتے ہیں۔ لیکن میں نے اختصار کے ساتھ ان کی
 شخصیت اور خدمات کے کچھ نمایاں پہلوؤں کو منظر عام پر لانے کی
 کوشش کی ہے ان شخصیتوں پر اپنے مراسم کی بنیاد پر جس طرح میں نے

انہیں محسوس کیا، لکھا ہے۔ ان کے علاوہ شہر میں اور بھی لوگ ہیں جن پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے ان کے حالات اجازت دیں تو انشاء اللہ بعض اور شخصیتوں پر بھی غامض فرمائے گمروں لکھا۔ یہ تمام مضامین میں نے قلم برداشتہ رکھے ہیں اور یہ صبح ۵ بجے سے چھ بجے کے دوران تخلیق ہونے میں کتابت کو رہنے سے پہلے جہاں ضرورت محسوس کی گئی مضامین میں جزوی کمی و بیشی کی گئی ہے۔ ان اشراقی مضامین میں نہ صرف عصر حاضر کے حالات کی بھی لکھا گیا ہے بلکہ غزالی، ابن سناء اللہ، ابن سناء اللہ کے علمی و ادبی، سماجی و تہذیبی سرگرمیوں کا بھی احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان برسوں میں بسبب کچھ نہ سہی بہت کچھ بدل گیا ہے اس کتاب میں جن شخصیتوں پر مضامین شامل ہیں وہ اپنے اپنے میلان میں سرگرم عمل ہیں۔ میں ہمیشہ اس بات کا قائل رہا ہوں کہ جو لمحے اپنے قبضہ میں ہیں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے اس لیے کہ آج میں کچھ لکھنے کے موقف میں ہوں ہو سکتا ہے کل لکھنے کے موقف میں نہ رہوں۔

اس کتاب سے پہلے سال گذشتہ میری دو کتابیں ”خوشبوئے بہاراں“ (جون ۲۰۰۱ء) اور ”ہمیں سو گئے داستان کہتے تھے“ (نومبر ۲۰۰۱ء) شائع ہو چکی ہیں خوشبوئے بہاراں میں یہ قیدہ حیات ۲۰ نامور شخصیتوں ڈاکٹر سعید عبدالمنان، نواب شاہ عالم خان سید شعلی اختر، داتا قادری، ڈاکٹر راج پیا، دگور، ڈاکٹر زینت ساجدہ

ڈاکٹر سی نادرین ریڈی، پروفیسر جعفر نظام، ایس ایم باکار ریڈی، کنول پرشاد
 کنول، پروفیسر معنی تنیس، زاہد علی خان، خلیل الرحمن، پروفیسر فضل محمد
 آصف پاشا، ڈاکٹر کشنام سندر، ڈاکٹر وزارت رسول خان، شرمینی
 روڈ امتزی، ڈاکٹر موہن نعل نگر اور نجل حسین پیر اور، ممسوع گئے
 داستان کہنے کہتے ہیں اور ان مائیں سے تعلق رکھنے والی ممتاز
 شخصیتوں ڈاکٹر مسید محی الدین قادری زور، پروفیسر حبیب الرحمن
 پروفیسر عبدالقادر سروری، پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد، پروفیسر
 مسید محمد، رائے بانگی پرشاد، عابد علی خان، محبوب حسین جگر، ڈاکٹر
 حسینی شاید بھارت چند کھتہ، علامہ حیرت بدایونی، مخدوم جی الدین،
 شاہد صدیقی، علامہ فذری بعضی، خورشید محمد جانی، اورج یعقوبی،
 سعید شہید، سلیمان اریب، امیر احمد خسرو، خیرات ندیم اور
 شاد تمکنت پرمضامین شامل ہیں دونوں کتابیں باسرتنیزب ۱۹۶
 اور ۱۸۶ صفحات پر مشتمل ہیں۔

پہلی کتابیہ "سلسلہ تصویبوں کا (۱۹۹۲) میں سکریٹریٹ
 کے ۲۴ علی اعہدہ داروں میں لے قاد، بھارت چند کھتہ، سید ہاشم
 علی اختر، غلام احمد، بیس لے واسح، محمد ناز الدین، بی این داگھڑے
 بیس لے عزیز، مصداق احمد، دمن راو، سید نواب الحسن، خواجہ حمید احمد
 عبدالمحمود، مبشر احمد، رشید قریشی، سعد حسین سعد، غلام دستگیر قریشی
 نمیندرو نغفر، ڈاکٹر حسن الدین احمد، خالد انصاری، لے کے گوئل، ونیکٹ

رہنا چاری، نہ سہارا اور نہ بیکٹ راؤ کے علاوہ عظمت عبد القیوم
صاۃ الطاف، ڈاکٹر مبارہ سعید، فاطمہ نسreen، انجم قمر سوز،
انیس قیوم فیاض، منظر اسنا، نانہ، کوہتا کرن اور شنفیہ قادری پر
مضامین شامل ہیں۔ "پھر وہی پرچھائیاں" (۱۹۹۳ء) میں
ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، ناصر
کرنولی، راجن جانی، ڈاکٹر مصطفیٰ کمال، سہیلی سنگھ ورما، اکمل
حمید آبادی، ڈاکٹر طیب انصاری، عزیز بھارتی، پرواز، کہکشاں
(۱۹۹۶ء) میں ڈاکٹر علی احمد جلیلی، مومن خان شوق اور منوہر لال بہار
پر مضامین شامل ہیں۔ تاحال تقریباً ۱۰۰ کتابیں میری زیر نگینی
نشرت ہو چکی ہیں۔ زائد ۲۰ ادبی میگزین میں سے مرتب کیے ہیں
کچھ اور مضامین پر مشتمل کتاب اشاعت پذیر ہے جو تبصروں،
دیباچوں اور تعارفی تحریروں کی شکل میں منظر عام پر آئے گی۔ ماہنامہ
خوشنوکا سفر کے منتخب ادارے بھی شائع کرنا چاہتا ہوں
نعتیہ کلام کا ایک مختصر مجموعہ کلام ترتیب پا چکا ہے ویسے غزلوں
اور نظموں پر مشتمل کتاب بھی صورت گیری کے مرحلوں سے گزر رہی ہے
میری کتابوں "سلسلہ پھولوں کا" "پھر وہی پرچھائیاں"
اور "کہکشاں" میں جن شخصیتوں پر میرے تفصیلی مضامین شائع
ہوئے ہیں ان میں سے کچھ شخصیتوں پر نہایت مختصر تحریریں بھی
اس کتاب میں شامل کی گئی ہیں تاکہ اس طویل فہرست میں ان کے نام

میں موجود ہیں۔

’روشنی، خوشبو، ہلکے کے جدید بیرون ریاست اور بیرون ملک میں تفہیم بعض ادبی شخصیتوں پر مضامین بھی کتابی شکل اختیار کر کے دے لے ہیں۔ اصلاح آندھرا پردیش اور اصلاح حیدر آباد دکن سے تعلق رکھنے والی بعض ادبی و تہذیبی شخصیتوں پر مشتمل مضامین کی بھی ایک علاحدہ کتاب شائع ہوگی۔ جس میں بہ قید ریاست نامور شخصیتوں کے علاوہ قابل حزام مرحوم شخصیتوں پر لکھے گئے مضامین شامل ہیں گئے۔ جسے اس بات کی خوشی ہے کہ میرے شعری مجموعوں کی طرح سال گذشتہ شائع شدہ کتابیں ’’خوشبو سے بہاراں اور‘‘ ہمیں سونگئے داستان کہتے کہتے‘‘ انکی ادبی حلقوں میں کافی پڑھرائی ہوئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خاص طور پر حیدرآباد کے ادبی حلقوں میں میری یہ کتاب ’’روشنی، خوشبو، ہلکے‘‘ پسندیدہ نظروں سے دیکھی جائے گی۔

صلاح الدین نیکر

گہشتاں۔ جنت نشاں۔ لمبے پٹی

۱۱ - ۳ - ۸۲۴ / ۷

جدید لمبے پٹی۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۱

جس سردار علی خان

(مایہ ناز دانشور - بصیرت نواز شخصیت - عظیم قانون داں)

حقیقی معنوں میں دانشوری کا لفظ بعض ایسی عالی قدر اعلیٰ
 شخصیتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن کے
 ہر مہمتی - عام طور پر وہ لوگ
 بہ فہم و ادراک ہوتے ہیں
 ان تو کیا جانتا ہے لیکن حقیقی دانشور
 کر یا سکتے ہیں - یہ ایک مسئلہ
 بہت نازک و گہرا ہے اور ان کی
 حیثیت رکھتی ہے - دانشوری
 حاصل بھی ہوتی ہے لیکن وہ
 ان کا سرچشمہ ہونی ہے ذہانت و

ہمارے شہر میں ہر شعبہ حیات میں بہت سے دانشور
 ہیں گے جو اپنی خداداد صلاحیتوں کے سبب اپنی اڑان بھرتے لہتے
 ہیں بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے رہے ہیں۔ زندگی کے ہر موڑ پر
 اپنے قدموں کے نشان چھوڑتے چلے جا رہے ہیں اور وہ جس راستے
 سے بھی گزر رہے ہیں وہاں صرف آجالی ہی آجالا دکھائی دیتا ہے۔
 ہمارے شہر کے مشہور دانشوروں میں ایک ایسے فرد اور دانشور
 بھی موجود ہیں جن کا ہر لفظ اور ہر جملہ نہ صرف دانشورانہ ہی ہوتا
 ہے بلکہ اس میں معنی و مفہوم کے لحاظ سے بھی دل میں اڑنا چلا جاتا ہے
 جسٹس سردار علی خان صاحب جہاں ایک اعلیٰ درجہ کے قانون دان ہیں
 وہیں متوق و نمائندہ دانشوروں کی فہرست میں نمایاں مقام پر بھی
 ہیں۔ جسٹس سردار علی خان صاحب اکتسابی دانشوروں میں بھی شمار کئے
 جاتے ہیں اور اہلانی دانشوروں میں بھی اور ان دانشوروں میں بھی جن
 پر خدا کا خاص کرم ہوتا ہے اور جن کے ذہن و فکر کے تمام گوشے ہمیشہ
 روشن رہتے ہیں۔ سردار علی خان صاحب ایک کامیاب قانون دان
 کی حیثیت سے اسی وقت سے اپنی پہچان بنانے لگے جب انہوں نے
 شعبہ قانون میں پہلا قدم رکھا۔ ایک ذہین و باشعور طالب علم کی
 حیثیت سے وہ اپنے تمام ساتھی طلباء میں الگ پہچانے جاتے
 تھے انہوں نے منفرد طالب علمانہ شغف و شغف کے ساتھ اپنا تعلیمی
 سفر جاری رکھا انکشاف کے تعلیمی ماحول میں بڑے بڑے قانون دان

اور دانشوروں سے ربط و ضبط اور بہترین اساتذہ کی تربیت نے ان کی قانونی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ اور جب وہ قانون کی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ ہو کر حیدر آباد ہوئے تو انہیں قانون داں حلقوں میں بافقوں ہاتھ لیا گیا۔ اُن کا خیر مقدم کیا گیا۔ وکالت کے ابتدائی پیرکشتوں محنت طلب لمحوں سے گزرتے ہوئے کافی شہرت پائی۔ یہاں تک کہ آئندہ ہندویشہ حکومت کے کارگذار چیف جسٹس بھی رہے۔ مرکزی اقلیتی جسٹس سردار علی خان صاحب ہمارے

میں سے ایک ہیں جنہیں پیر درگاہ بلیج جسٹس سردار علی خان نے ہر وقت سے ہی یاد کیے جاتے ہیں و تحقیقی حلقوں میں بھی امتیازی جسٹس سردار علی خان انگریزی میں جیتی روانی سے اردو بولتے ہیں خاص طور پر اردو فقہ پر سستہ برمتاثر ہوتے ہیں کہ ایک لمحہ انہیں ہوتی۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہیں ہوتی ہے۔ قانون میں پیراثر ہوتی ہے۔ جسٹس صاحب پیر درگاہ ہے فقہ کے دوران

اُن کی آنکھیں بھی بولنے لگتی ہیں۔ چہرہ کی رنگت اس بات کا اشارہ کرتی ہے کہ وہ اپنی بات مدلل انداز میں کہتے جائیں گے۔

خدا نے انہیں بھرپور اظہارِ بیان کی طاقت عطا کی ہے۔ کثرتِ مطالعہ اُن کی فطری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں مددگار ثابت ہوا ہے۔ جسٹس سردار علی خان کا علمی سرمایہ قابلِ رشک ہے انہیں کسی بھی موضوع پر اظہارِ خیال کے لیے کسی خاص تیاری کی ضرورت نہیں پڑتی۔ تقریر کی بہترین صلاحیتوں کا اظہار اُس وقت پورے شباب پر ہوتا ہے جب کسی ایک خاص موضوع پر سربستہ خطاب کے لیے دعوت دی گئی ہو۔ سردار علی خان صاحب کے مشاہدات و تجربات میں ہم آہنگی ہے۔ جسٹس سردار علی خان اُردو زبان اُردو شعر و ادب اور اردو تہذیب سے واہانہ وابستگی رکھتے ہیں اُردو کے جلسوں میں اپنے معلومات اُردو خیالات سے حاضرینِ محفل کو مسحور کر دیتے ہیں جسٹس صاحب کی تقریر اُس وقت دو آتشہ ہو جاتی ہے جب وہ دورانِ خطاب اُردو کے بہترین شعرا سے ہیں۔ سردار علی خان صاحب کو شعر و ادب سے بھی بے حد لگاؤ ہے۔ مشاعروں کے بے حد شوقین ہیں۔ میں نے سردار علی خان صاحب کو پہلی دفعہ اُس وقت دیکھا تھا جب وہ ایک سامع کی حیثیت سے ۳ سال پہلے تماشہ سوسائٹی کے زیرِ اہتمام تماشہ کلب میں منعقد ایک شاعرہ میں بہ جلیقہ سامع موجود تھے۔ شاعرہ میں سامعین کے کہے بے فرش کا انتظام کیا گیا تھا جسٹس صاحب شہ نشیں کے بالکل قریب مقابل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں شہر کے شاعروں کے ساتھ شہ نشیں پر بیٹھا ہوا

تھا حبش صاحب نے ہر اچھے شعر پر کھلے داد دے رہے تھے اُس مشاعرہ میں میں نے بھی اپنا کلام سُنا یا تھا میری غزل کو بھی حبش صاحب نے داد و تحسین سے نوازا تھا۔ اُس پہلی ملاقات کے بعد حبش صاحب سے مختلف مشاعروں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ کبھی کبھی خبرِ دگاہ معظمہ جہاں مارکٹ کی میسر ہو لکے قریب ہی ملاقات ہوا کرتی تھی۔ حبش صاحب کا آفس خبرِ دگاہ کے ایک کمرہ میں آج بھی موجود ہے۔ میں اُن دنوں زندہ دلان حیدر آباد اور فاسک آرٹس اکیڈمی سے وابستہ اپنے دوستوں سے ملنے کے لیے کبھی کبھی وہاں جایا کرتا تھا۔ میں بھارت نیوز کو بھی اپنی ادبی انجمنوں کی نیوز کے سلسلے میں جاتا تھا۔ سردار علی خان صاحب ملک کے مشہور و مستند قانون دان کی حیثیت سے بعض سرکاری و غیر سرکاری اداروں سے وابستہ رہے اور اب بھی وابستہ ہیں جامعہ عثمانیہ کے شعبہ قانون سے بھی ان کا تعلق رہا ہے اس کے علاوہ جامہ کی مختلف کمیٹیوں میں بھی رہے ہیں۔ حبش سردار علی خان صاحب کے قانونی مضامین سیاست میں چھپنے رہے ہیں۔ کبھی کبھی وہ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب سے ملاقات کے لیے سیاست آفس آتے تھے۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ گجرال کمیٹی کے بعض قانونی نکات پر مشورہ کے لیے انہیں عابد علی خان صاحب یاد کیا کرتے تھے۔ عابد علی خان گجرال کمیٹی کے رکن تھے۔ حبش صاحب شہر کے مختلف علوم و فنون کے اداروں کے علاوہ دینی و ملی انجمنوں سے بھی وابستہ ہیں۔ جن کی بہترین مشاورت اور عمدہ تجاویز سے کئی انجمنیں بہتر طریقے سے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھی ہوئی

ہیں۔ میری اور رئیس اختر کی شاعری کے بھی وہ دلدادہ ہیں۔ ہم دونوں سے ملی کر ہمارا کلام سن کر وہ مسرت محسوس کرتے ہیں۔ میرا شہر میرے لوگ کے جلوں میں حبش سردار علی خان کبھی صدر اور کبھی ہمان تھوڑی کی حیثیت سے مدعو رہتے ہیں۔ میری کتابوں کی رسم اجراء تقاریب میں بھی وہ مدعو رہے ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں حبش سردار علی خان، رئیس اختر اور مجھ کو جدہ کے ایک عظیم الشان مشاعرہ میں مدعو کیا گیا تھا اس کی بیڑی بزم عثمانیہ جدہ جناب عارف قریشی داعی مفضل تھے جب انہوں نے فون پر مجھ سے مشورہ یہ دریافت کیا کہ مشاعرہ کی صدارت کے لیے حیدر آباد سے کس شخصیت کو مدعو کیا جاسکتا ہے؟ میں نے کہا کہ سردار علی خان صاحب موزوں رہیں گے آپ انہیں مدعو کیجئے۔ میں نے اس سلسلے میں بزم عثمانیہ جدہ کے ایک رکن منظر الدین التمش صاحب سے جو ان دنوں حیدر آباد کے ہوئے تھے اور رئیس اختر سے مشورہ کیا دو دن کے بعد میں نے حبش سردار علی خان صاحب کو عارف قریشی کے حوالے سے مدعو کیا۔ ہم تینوں حیدر آباد سے ذبیحہ ہواٹی جہاز زمینی روانہ ہوئے۔ نمبئی میں ویزا کے حصول میں دو دن کی تاخیر ہوئی ہم دو دن جمی میں رکے رہے۔ ہندوستان کے دیگر مدعو شہر کو جدہ لے جانے کی ذمہ داری پر مجھے اسوپی گئی تھی جن میں خاربارة کوئی بھی تھے۔ ہم تمام جب جدہ پہنچے تو ایئر پورٹ پر ہمارا خیر مقدم کیا گیا ہم ایئر پورٹ سے ایک ہوٹل میں پہنچے جہاں ہمارے لیے ایک دن کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا دوسرے دن ہم تمام عارف قریشی کے ہاں چلے گئے۔ سردار علی خان صاحب کے ایک رشتہ دار انہیں اپنے گھر لے گئے۔ مشعرہ سے ایک دن قبل ہم نے عمرہ کی

اسطوت حاصل کی مثالہ کے دوسرے دن میں اور تیس خرد ربار رستا
 میں کچھ حاضری دینے کے لیے مدیر چلے گئے۔ دن بھر مدیر میں رہے جب ہم
 شاپنگ کے لیے بازار پہونچے تو قریب چھ بجے ایک ناسلوم
 ہندوستان نے ہم سے کہا کہ باری مسجد ڈھادی گئی ہے اور سارا ہندوستان
 قریب وارانہہ خادات کی لپیٹ میں لگے۔ ہم مدینہ سے وعدہ واپس ہوئے جدہ
 میں ہم تینوں کا قیام مظہر الدین الشمس صاحب کے پاس تھا ہم تینوں ایک
 ساتھ ایک کمرہ میں رہے۔ ہم اس سانچے تیرے دن بھی پہونچے۔ جب ہم
 ایئر پورٹ پہونچے تو معلوم ہوا کہ بمبئی کے حالات بہت خراب ہیں ہر طرف لوٹ
 مار قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ ہم بہت پریشان ہوئے۔ بمبئی سے
 حیدرآباد کے لیے ٹکس کنفرم نہیں تھے۔ بڑی مشکلوں سے ہم نے ٹکس حاصل
 کیے۔ جب حیدرآباد پہونچے تو معلوم ہوا کہ شہر میں کرفیو لگا ہوا ہے ایئر پورٹ
 پر ہم نے کرفیو پاس حاصل کر لیا۔ میں اور رئیس ختر ایک ٹیکسی کے ذریعہ
 اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ خیرو عافیت سے حیدرآباد پہونچے پر ہم نے مسجد
 ادا کیا۔ جب شہر کے حالات نارمل ہوئے تو شہر میں پھر ادبی محفلوں
 اور مشعوذوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر سردار علی خان صاحب سے ملاقاتیں
 ہوتی رہیں۔ سردار علی خان صاحب سے راج بھون کی تقاریب میں
 بھی ملاقات ہوا کرتی تھی۔ جناب کرشن کانت گورنر آندھرا پردیش
 کے زمانہ میں راج بھون میں شعری و تہذیبی محفلیں عروج پر تھیں۔
 حبش صاحب سے ان محفلوں کے علاوہ راج بھون کی بعض خاص محفلوں

میں بھی کبھی کبھی ملاقات ہوا کرتی تھی۔
 شہر کے بلند مرتبت دانشوروں میں سردار علی خان صاحب اپنی
 مخصوص مشغلت کے ساتھ شہرت رکھتے ہیں۔ قابل فرزند جامعہ
 عثمانیہ نے اپنی حجازی ادب و جہیز کو یورپ میں لے کر لائے ہوئے
 ہیں ایک اہم اور قابل قراؤنٹس مقام اٹھایا ہے۔ میری خدمت میں
 دعا ہے کہ ان کے درجات اور ان کی عظمتوں میں اور اضافہ کرے۔

محمود بن محمد

نامور دانشور صاحب فہم و ادراک ممتاز شخصیت

خدا کی آدمی کی پہچان اُس کی ذاتی شرافت، اُس کے رکھ رکھاؤ اور اُس کے طرز زندگی سے خود بخود عیاں ہو جاتی ہے۔ معاشرہ میں اپنی ایک الگ پہچان کے ساتھ اپنی شخصیت کو پروان چڑھانے والے لوگ جہاں پندرہ درجہ ارتقا پذیر عوامل سے آشنا رہتے ہیں وہیں اخطا، فکر و خیال و اسباب پر مبنی نظریہ کہتے ہیں زندگی کے مرحلوں سے سرسری گزرتے والے لوگ اپنی وسعت نظر کا مظاہرہ پوری طرح نہیں کر سکتے حالات کی کشاکش، جہد مسلسل اور کچھ پانے اور کچھ سونپ دھانے کے لیے دھن ایک انسان کو شہرت کی بلندی تک لے جاتی ہے اور ایسا شخص جو اعتدال پر نہ طبیعت کا محور رہا ہو وہ ہر مرحلہ کو صبر و تحمل کے ساتھ سہہ جانتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے رنگ و نوری کہکشاں بن کر پھیل جاتا ہے۔ اس کی روشنی ذہن، فکر کو ہی منور

نہیں کرتی بلکہ اطراف و اکناف کے ماحول کو بھی جکا چوند کر دیتی ہے ذہانت
 فکر و آگے کے چیراغوں کو کھینچے نہیں دیتی۔ لاکھ آندھیاں آتی رہیں۔
 ہوا میں چلتی رہیں نہم وادراک کا چیراغ جلتا ہی رہے گا۔ ہمارے شہر
 کے نامور دانشور قابل اڈمنسٹریٹر ممتاز شہری محمود بن محمد ہماری محفلوں
 کے لیے ایک ایسا روشن چیراغ ہیں جن کی روشنی اس ہمیدی عبارت سے
 گہرا واسطہ رکھتی ہے۔ ان تمام عوامل کی جانب بلا واسطہ اشارہ
 کیا گیا ہے جو ایک قابل انسان کی نشوونما میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔
 محمود بن محمد ایک اصولی ذمہ دار اور معقولیت پسند انسان ہیں جن کی
 علمی زندگی کا آغاز ایک سکول بچہ کی حیثیت سے ہوا۔ اپنی اعلیٰ تعلیمی
 کے سبب اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں اور ایک دن آئی پی ایس آفیسر بن
 گئے۔ ڈپٹی کمشنر کراچی کے علاوہ قلمی پولیس کے مختلف عہدوں پر فائز
 رہے۔ سکریٹریٹ میں ڈپٹی سکریٹری ہوم ڈپارٹمنٹ بھی رہے اور جب
 فہمت نے یادری کی نووہ سفیر ہند برائے سعودی عرب بن گئے محمود بن محمد
 انگریزی زبان کے بہت اچھے شاعر اور ادیب ہیں جس زمانے میں سکریٹریٹ
 اردو اسوسی ایشن کی ادبی و تہذیبی سرگرمیاں شروع پر تھیں ان دنوں
 شریک معتمد سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن جناب شکیل احمد جو ہوم ڈپارٹمنٹ
 میں یہ جہتیں اسٹنٹ کشن آفیسر کام کرتے تھے مجھ سے ایک دن کہا
 کہ محمود بن محمد انگریزی زبان کے شاعر ہوتے ہوئے بھی اردو زبان و ادب اور
 شعروشاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ جب میں نے اپنے رفقاء کے تعاون سے

سکریٹریٹ میں ۱۹۶۹ء میں سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی
 تو مقررہ ہی سے جسے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہی اسوسی ایشن کی
 ہیئت ترقی پزیر اسوسی ایشن کی سرگزشتیوں کی طرح متقدم رہے۔ چنانچہ
 ہم نے سکریٹریٹ کے ہر محکمہ کے اعلیٰ عہدہ داروں (اگلا میں آئی پی
 ایس) کو سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے نائب صدور کے عہدوں پر
 فائز رہنے کے لیے آمادہ کیا۔ محمودین محمد علی ہماری خواہش کو ملحوظ
 رکھتے ہوئے ہم میں شامل ہو گئے اسوسی ایشن کے بعض مشاعروں میں حصہ
 لیا اور اپنی انگریزی نظمیں سنائیں۔ محمودین محمد علی میری پہچان اردو اسوسی
 ایشن کی وساطت سے ہوئی۔ جب وہ سیف ہند پورٹے سحودی عرب مقبرہ
 کیے گئے تو سارے شہر میں خاص طور پر مسلم معاشرہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔
 حیدرآباد میں اس مسرت میں کئی غیر متقدمی جلسے ہوئے۔
 میں ایک یادگار قیمتی جلسہ جناب جیلانی پیراک نے ہونٹل بنجارہ میں اعلیٰ
 پیمانے پر منعقد کیا تھا۔ شہر کے بہت سے معززین شریک محفل تھے مثلاً
 سید علی محمد سرگرم محفل کا راستہ کی گئی تھی۔ اس محفل میں جیلانی صاحب نے
 قلمی اور ریشمی خیر کو مدعو کیا تھا۔ ہم دونوں نے قیمتی نظمیں سنائیں جو پسند
 کی گئیں۔ محمودین محمد علی کے سیف ہند کے بعد ایک طے کرے تک ان سے میری
 ملاقات نہیں ہوئی۔ البتہ جیلانی پیراک صاحب مدد ریشمین گل ہند اردو تعلیمی کمیٹی
 کے جلسوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ گل ہند اردو تعلیمی کمیٹی کی بیسیوں
 نقاریب میں محمودین محمد علی نے اپنے عالمانہ خیالات سے حاضرین محفل کو

مستغفید کیا اور یہ سلسلہ رکا نہیں آج بھی جاری ہے جلیل پاشاہ کے زیر انتظام
ہونے والی تقریریں ہر تقریب میں محمود صاحب شرکت کوٹنے ہیں محمود بن
محمد صاحب کو میں نے اپنے زیر انتظام کئی ادبی جلسوں میں مدعو کیا ہے۔
محمود بن محمد صاحب کو فارسی ادبیات سے بھی گہری وابستگی ہے۔
محمود بن محمد صاحب کے شعری و ادبی مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ
انگریزی ادبیات کے ساتھ ساتھ اردو ادبیات سے بھی کافی دلچسپی رکھتے
ہیں محمود بن محمد صاحب کی تقریر سننے سے تعلق رکھتی ہے بڑی روانی کے
ساتھ اپنے شہسہ و شگفتہ انداز خطاب سے پوری محفل کو متوجہ کر دیتے
ہیں۔ دوران تقریر اردو اساتذہ کرام کے بر محل اشعار بھی پیش کرتے ہیں
جس سے اُن کی تقریر کا لطف دو بالا ہو جاتا ہے۔ محمود صاحب کے
مزاج میں مزاح کا پہلو بھی در آتا ہے کچھ اس طرح لطیف مزاح کا سہارا
لیتے ہیں کہ ماری قفل لالہ زار میں جاتی ہے۔ وہ ایسے دانشور ہیں جن کے فکر و
خیال کی خوشبو پھکنے لگتی ہے۔ اپنے موضوع سے پورا پورا انصاف کوٹنے
ہیں اظہار خیال پر مملکہ حاصل ہونے کی وجہ سے اپنی بات قفل کر کہتے ہیں اور
تمام حاضرین محفل اُن کے معلومات آفرین خیالات سے استغفادہ مرنے
ہیں۔ ادبی جلسوں میں اس انداز سے آتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے
شہر کی ایک یا کمال شخصیت رونق افروز ہو رہی ہے جن لوگوں کو اپنے
اپنے میدان میں شخصیت بننا چاہی ہے انہیں محفل کی کسی بھی صف میں بٹھا دیا
جائے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں جس کی محفل میں بھی محمود بن محمد

دکھائی دیں گے تو حاضرینِ محفل کو یہ اندازہ ہو جانا ہے کہ وہ یا تو صدرِ محفل ہیں یا ہمارے خصوصی۔ شاید ہی انہوں نے ایک عام مقرر کی حیثیت سے کسی ادبی و علمی تقریب میں حصہ لیا ہو۔ محمود صاحب کھلے دل و دماغ کے انسان ہیں ہر مسئلہ کو حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھتے ہیں اور منصفانہ رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ جنابِ محمود بن محمد اگرچہ اردو ادبیات کے طالب علم نہیں رہے لیکن وہ اردو زبان سے تعلق رکھنے والے اہم جلسوں میں مدعو رہتے ہیں محمود صاحب شہر کی مختلف ادبی، تعلیمی و فلاحی انجمنوں سے تعلق رکھتے ہیں محمود صاحب ایک اصول پسند شخص ہیں پابندیِ وقت کو اہمیت دیا کرتے ہیں۔ میں نے انہیں اپنی تقریرِ بآئینہ تمام کتابوں کی رسمِ اجراء تقریب میں یہ حیثیت ہمارے خصوصی مدعو کیلئے حیدرآباد کے شاعروں میں رئیسِ اختر اور میں اُن کے بہت قریب ہیں انہیں ہماری شاعری پسند ہے کبھی کبھی اپنی تقریر میں ہم دونوں کی شاعری کا تذکرہ کرتے ہوئے بڑے اچھے انداز میں ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ یوں تو حیدرآباد میں مختلف تنظیموں سے تعلق رکھنے والے اصحاب سے ان کی رسمِ دراہے لیکن وہ جلیلِ پستہ کی تعلیمی و تہذیبی سرگرمیوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں انہوں نے جلیلِ پستہ کے زیرِ اہتمام منعقدہ ہر بڑے جلسے کو میٹھ لیا ہے محمود بن محمد صاحب کئی برسوں سے نظامس ٹرسٹ کے ایک شعبہ کے سرسٹی ہیں ایک ٹرسٹی کی حیثیت سے ہی اپنی قابلیت و لیاقت کا انہوں نے گواہی پیش کی ہے۔ تمام ریشہ میں محمود بن محمد خصوصیت کے حامل ہیں۔ مختلف علوم و فنون سے کا حقہ

واقفیت کی وجہ سے بھی وہ اس قابل رہتے ہیں کہ انہی بات سلیف سے پیش کر سکیں۔ محمود بن محمد کیونکہ انگریزی کے ایک صاحب طرز ادیب ہیں اس لیے ان کی تحریروں میں سیاہی شعور اور آگہی کے چراغ ہر جگہ روشن ملتے ہیں۔ سابق ریاست حیدرہاد کے نظم و نسق اور حسن انتظام کے وہ ہمیشہ معترف رہے ہیں۔ محمود بن محمد صاحب مولانا آزاد ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے صدر نشین ہیں ان کی زیر سرپرستی انسٹیٹیوٹ کی جانب سے آٹھ دن مختلف موضوعات پر جلسے ہوا کرتے ہیں شہر کی بعض نامیدہ شخصیتیں ارکان انسٹیٹیوٹ میں شامل ہیں جناب کمال الدین علی خان انسٹیٹیوٹ کے اعزازی سکریٹری ہیں ہم نے مولانا آزاد انسٹیٹیوٹ میں کئی ادبی تقاریب منعقد کی ہیں کچھ عرصہ کے بعد ہم پھر اپنے جلسوں کے لیے ابوالکلام آزاد انسٹیٹیوٹ کی خدمات حاصل کر رہے ہیں محمود بن محمد کی طرح کمال الدین علی صاحب کا بھی تعاون ہمیں حاصل ہے۔ ہمارے معاشرہ میں آج بھی کچھ ایسی فعال شخصیتیں موجود ہیں جو اپنی عمر کا لمبا لے آسنہ طے کرنے کے بعد بھی علمی و ادبی فلاحی و تہذیبی سرگرمیوں کی سرپرستی کیا کرتی ہیں ان میں ایک نام محمود بن محمد کا بھی ہے اس طرح کے محترم لوگ جب تک ہمارے معاشرہ میں موجود رہیں گی یہ احساس ہوتا رہے گا کہ زندگی رواں دوا ہے اور زندگی کا ہر نبیل گذرتے ہوئے بن کا تسلسل ہے۔ محمود بن محمد جیسی شخصیتوں کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے اس طرح کی شخصیتیں ہی معاشرہ کے اہم کردار ہوتے ہیں گوہ اپنی صلاحیتوں سے معاشرہ کی بہتری کے لئے کلیدی رول ادا کرتے ہیں۔

سید رحمت علی

(ممتاز سیاست دان، نامور صحافی، مشعلہ بیان، مقرر)

جن لوگوں کی زندگی نرم و گرم ماحول سے گذرتی رہتی ہے وہ زندگی کے سفر کے دوران دم لینے اور رک رک کے چلنے سے گریز کیا کرتے ہیں۔ مسلسل چلتے رہنا زندگی کی مثبت علامت سمجھی جاتی ہے۔ چلتے چلتے تھک کے بیچہ ہلنے والے لوگ کبھی بھی اپنی منزل مقصود کو نہیں پہنچ سکتے۔ دوران سفر ٹنڈی چھاؤں کی تلاش میں رہنے والے لوگ اپنے سفر کی دُور یوں کو گھٹاتے نہیں، بڑھاتے ہیں۔ اس طرح کے پس منظر میں سانس لینے والے لوگ ہمیں معاشرہ کی ہر سطح پر مل جاتے ہیں۔ لیکن حالات کا یہ غائر جائزہ لینے والے لوگوں کے تیور ہی کچھ اور ہوتے ہیں۔ یک در گیر حکم گیر کے نظریہ پر قائم ہونے والے لوگ شاید ہی زندگی کے سفر میں ناکام رہے ہوں بلکہ ہم نے دیکھا ہے کہ وہ لوگ جو کچھ کر دکھانا چاہتے ہیں معاشرہ میں اپنی شناخت

اکو باقی رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ مرحلہ دار اپنی زندگی کی بہترین صورت گری کا آئینہ بنا لیتے ہیں۔ اُن کے ہر عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی پہچان کی برقراری کے لئے تساہلی دلا پرواہی سے کام نہیں لیتے۔ جہد مسلسل، سخت محنت اور اپنے نقطہ نظر کی برقراری و توسیع کے لئے باوقار طریقہ حیات کا اعلیٰ نمونہ بنے رہتے ہیں اس طرح کی خصوصیات کی آئینہ دار ممتاز شخصیتوں میں سید رحمت علی صاحب کا بھی شمار ہوتا ہے۔ سیاسی زندگی میں سرگرم عمل رہنے سے پہلے رحمت علی صاحب کی ہفت روزہ ترجمانی قلمیاسنار کے نام سے شائع کرتے تھے اپنے دور کے نوجوان صحافیوں میں اپنا مقام بنا چکے تھے۔ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں سیاسی سماجی و فلاحی کاموں میں حصہ لیتے رہے۔ جیسے ہی وہ کانگریس پارٹی سے وابستہ ہو گئے اپنی سیاسی زندگی میں رنگ بھرنے لگے۔ ایک کانگریسی کارکن اور پھر ایک قائد کی حیثیت سے معروف رہنے لگے۔ اپنے ابتدائی دور میں سماجی و تہذیبی کئی چھوٹی چھوٹی ادبی و تہذیبی انجمنوں سے وابستہ ہوتے گئے۔ ایک روشن خیال کانگریسی کارکن کی طرح عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنے لگے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہم برس پہلے رحمت علی صاحب مشاعرہ کے انعقاد کے سلسلے میں ملے حد رپس لیتے تھے۔ خاص طور پر آزادی ہند فوجی یکجہتی تقاریب کے سلسلے میں بڑے ہی اہتمام سے مشاعروں کا

اہتمام کرتے تھے۔ میں اور رئیس اختر مشاعروں میں مدعو کیے جاتے تھے رحمت علی صاحب شہر کے اُس دور کے مشاعروں میں ہماری مسلسل حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ رحمت علی صاحب جب روزنامہ ملاپ سے وابستہ ہو گئے تو ایک رپورٹر کی حیثیت سے بہت جلد مدیر ملاپ جناب یدھ ویر کی نظروں میں آ گئے۔ یدھ ویر جی رحمت علی صاحب کو اپنا ایک یا اعتماد ساتھ کھینچتے تھے۔ رحمت علی صاحب کئی برسوں تک ملاپ سے وابستہ رہے۔ چونکہ ترقی کی منزل بس طے کرنا ان کی نعمت میں تھا اس لیے وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں مقبولیت حاصل کرتے رہے۔ انہوں نے کانگریس پارٹی میں اپنا ایک اہم مقام بنایا یہاں تک کہ وہ ڈپٹی ایسیکرریٹری اسٹیل کے ذمہ دارانہ خدمت پر بھی فائز رہے۔ پھر وہ سین راجہ سبھانہ رہے۔ ان دنوں ریاستی کانگریس پارٹی کے اقلیتی سب کے صدر نشین ہیں۔ کانگریس پارٹی کے مختلف شعبوں میں خوش اسلوبی کے ساتھ کام کرتے رہے۔ آج بھی وہ سرگرم عمل ہیں۔ رحمت علی صاحب کو میں مشاعروں کی وساطت سے جانتا ہوں۔ ان سے میری پہلی پہچان کا واحد وسیلہ شعری محفلیں ہیں وہ مجھ سے دوستانہ خوشگوار موڈ میں گفتگو کرتے ہیں۔ نہایت نڈر، بے خوف و بے باک مقرر ہیں۔ ایک شعلہ بیان مقرر کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں سیاست کے ہر موضوع پر سیر حاصل تقریر کرنے کے موقف میں رہتے ہیں۔ شعری و ادبی محفلوں سے ان کی وابستگی پہلے

بھی تھی اور اب بھی ہے۔ انجمن ترقی اردو آئندہ ہر ایرڈیشن کے رکن عالم ہیں
 جناب عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر سے ان کے بہت اچھے
 مراسم تھے۔ جناب زاہد علی خان صاحب سے بھی اچھے مراسم ہیں
 ابگ زمانے میں روزنامہ ملاپ میں ان کے سیاسی و ادبی مضامین شائع
 ہوتے تھے۔ ملاپ کے بعد روزنامہ سیاست میں ان کے سیاسی و ادبی
 مضامین شائع ہوا کرتے ہیں جو قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں
 سیاست کے بہتہ واری کالم میں کچھ عرصہ تک ان کے ادبی، سیاسی و سماجی
 مضامین شائع ہوتے رہے۔ ادارہ سیاست کی جانب سے ان کے مضامین
 پر مشتمل مجموعہ ”سرفروشان وطن“ شائع ہو چکا ہے رحمت علی صاحب
 ایک صاحب طرز ادیب ہیں۔ اپنی گرجدار پیر اثر آواز سے اپنی تقریر
 کو دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ بنا دیتے ہیں۔ ہر موضوع پر بلا کسی قصامت
 کے کھل کر اظہار خیال کرتے ہیں۔ کانگریس پارٹی نے ان کی شعلہ بیانی اور
 ان کی پیر اثر تقریر سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ اب بھی فائدہ اٹھا
 رہا ہے۔ اب بھی وہ مسلم اقلیتی سیاست کا فائدہ کی حیثیت سے نہ صرف ملک
 کے عام مسائل پر مبرا اظہار کرتے ہیں بلکہ مسلمانوں کے مسائل پر بھی ملک
 کے سربراہوں کو توجہ دھڑکتے رہتے ہیں۔ رحمت علی صاحب اردو اکیڈمی
 آئندہ ہر ایرڈیشن کے ۱۹۹۲ء میں صدر نشین رہ چکے ہیں۔ جن کی صدر نشینی
 کے زمانے میں تھے یہ اعزاز حاصل تھا کہ میں رکن بورڈ آف گورنرس مہاراجہ
 ارکان بورڈ ہم خیال تھے رحمت علی صاحب نے اپنے دور صدر نشینی میں اردو اکیڈمی

کچھ بہت سی ایکمات کو رو بہ عمل میں لایا اور بغیر کسی شکایت کے خاص طور
 پر شاعروں، ادیبوں کے ساتھ تعاون کیا۔ ان کے دورِ صدارت میں
 شہر اور اضلاع کے تمام اہل قلم حضرات اور اردو اداروں کے سربراہ
 مطمئن رہے۔ شہر کے علمی، ادبی، شعری و تہذیبی جلسوں میں
 کبھی تو صدر کی حیثیت سے اور کبھی مہمان خصوصی کی حیثیت سے
 مدعو کیے جاتے ہیں اور اپنی پُر اثر تقریر سے جلسہ کو کامیاب بناتے ہیں
 کانگریس پارٹی سے وابستہ سیاسی قائدین میں شامل ان کے قریب
 ترین دوستوں میں سابق وزیر قانون جناب آصف پاشا ہیں۔
 ان دونوں کی دوستی ہم خیالی اور ذہنی ہم آہنگی یا بیدار اور مضبوط ہوتی
 چلی گئی۔ جناب سید رحمت علی ابوان پر جس معظّم جاہِ شمع کے مشاعروں
 میں بہ حیثیت مہمان خصوصی شرکت کرتے ہیں اور اپنی معلوماتِ آفرین
 عمدہ تقریر سے حاضرینِ مغل کو حیدر آباد کی پھلّی روایتوں، اعلیٰ قدروں
 اور اس زمانے کی گنگا جمنی تہذیب کی یاد دلاتے ہیں۔ ہمارے شہر کے
 سینیئر ترین مسلم قائدین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ رحمت علی صاحب
 جہاں ایک دانشور سیاست کی قائد ہیں وہیں ایک بہترین شہری کی حیثیت
 سے مشہور ہیں۔ شہر کے تقریباً تمام شاعروں، ادیبوں سے واقف ہیں
 سیاست کی قائدین خاص طور پر مسلم سیاسی قائدین کی خدمات اور ان کے
 کارناموں سے کا حقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ اپنی تقریریں اور خبریں
 میں انہوں نے ہمیشہ بے باکی سے کام لیا۔ بڑی جرأت و حوصلہ کے ساتھ

کسی مصلحت کو در بیان میں لائے بغیر پھر پورا اعتماد کے ساتھ ۔
 تمام سیاسی، تہذیبی و ادبی حلقوں میں رحمت علی صاحب کی عزت کی جاتی
 ہے ۔ میں نے یہ فحوس کیسے کہ حیدر آباد کے سینئر کانگریس قائدین
 میں نواب میر احمد علی خان کی قیادت کے وہ قرداں تھے۔ رحمت علی
 صاحب نے اپنی سیاسی و سماجی زندگی اپنی ذاتی وقت، لکھن اور
 مسلسل جدوجہد سے بنائی ہے اگرچہ انہوں نے اپنی سیاسی زندگی میں
 بعض قائدین سے تعاون حاصل کیا ہے ۔ انہوں نے اپنی ذاتی صلاحیتوں
 کو ہر طرف اول کی حیثیت دی ہے ۔

میں گو لکڑہ کی نامزدہ شخصیت منظور ظفر اور حیدر آباد کی فعال و
 متحرک شخصیت غلام صادق الدین کا نام بھی ان کے احباب کی فہرست میں
 نہ پایا ہے ۔ سیاسی قائدین میں ڈاکٹر ایم جباری اور شیخ ایمن
 ہاشم دیکھ سوائی ان کے ہمیشہ معاون رہے ۔ تمام سیاسی قائدین
 رحمت علی صاحب کی عزت کرتے ہیں ۔ آج بھی ان کی کافی اہمیت ہے
 رحمت علی صاحب اپنی تقریر کے دوران اردو اشعار کا بر محل استعمال کرتے
 ہیں جس کی وجہ سے ان کی تقریر کا اثر دو بالا ہو جاتا ہے سب سے سادے
 شریف النفس، روشن دماغ انسان ہیں ان کا سیاسی فہم تہذیبی رتبہ ہمیشہ اعلیٰ
 اقدار کا ترجمان رہا ہے رحمت علی صاحب حیدر آباد کی گنجائشی تہذیب کے علمبردار ہیں ان کے
 ملنے والوں میں ہر سطح کے لوگ شامل ہیں ہر شخص سے اس کے مرتبہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے
 ملتے ہیں ہمارے سب سے اعلیٰ رتبہ کے صاحبزادے جو ایک سادہ دہشت کی طرح ہے جو اپنی ٹھنڈی
 چھاؤں سے نکلے ماندے مسافروں کو راحت بخشنا دیتا ہے ۔

ڈاکٹر مجید خاں

نامور باہر نفسیات - ممتاز صاحب طرز ادیب

ممتاز باہر نفسیات ڈاکٹر مجید خان صاحب سے میری تاحال صرف دو شخصی ملاقاتیں رہی ہیں۔ ویسے ان کا نام شہر کی بعض ممتاز شخصیتوں کے ساتھ ہر اعلیٰ سوسائٹی میں خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا ایسی محفلوں میں بھی تذکرہ ہوتا رہتا ہے جہاں پیشہ ڈاکٹری سے تعلق رکھنے والے لوگ نہیں رہتے۔ پیشہ مسیحائی ایک اعلیٰ و ارفع پیشہ ہے خدمت خلق کا ایک اہم شعبہ ہے۔ اگر کوئی ڈاکٹر اپنے پیشہ سے ایمانداری کے ساتھ وابستہ رہے تو اس کی عظمتوں اور توقعات کی حد قائم کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹری کا پیشہ، جذبہ انسانیت و خدمت خلق کے لیے ایک ایسا آئینہ ہوتا ہے جس میں ڈاکٹر اور مریض کی شکلیں ایک دوسرے کے لیے سوالیہ نشان بن جاتی ہیں۔ اگرچہ ہر ڈاکٹر کی یہ کوشش رہتی ہے کہ اس کا مریض مکمل شفا پائے لیکن مریض اپنی مکمل صحت یا بالی تک تذبذب کا شکار رہتا ہے۔ مختلف امراض کے مخصوص

ڈاکٹر ہو ا کرتے ہیں۔ لیکن بعض ایسے بھی ڈاکٹر ہیں جو ہر قسم کا علاج کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر سید عبدالمنان۔ ڈاکٹر سید عبدالمنان صاحب کے ہاں جتنے مریض آتے ہیں۔ ان کی تشخیص صرف اور صرف نبض پر ہاتھ رکھ کر کی جاتی ہے۔ ہر قسم کے سسٹ کی رپورٹ کی ان کے ہاں قطعی اہمیت نہیں رہتی۔ وہ مریض کو خوش نصیب ہوتے ہیں جو ڈاکٹر مجید خان صاحب کے زیر علاج رہتے ہیں۔ ماہر نفسیات و عارضہ دماغ کی حیثیت سے ڈاکٹر مجید خان صاحب کا نام حیدرآباد کے ڈاکٹروں میں نمایاں ہے۔ خاص طور پر مسلم معاشرہ اور اردو حلقوں میں ڈاکٹر مجید خان صاحب کا نام بہت زیادہ روشن ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اکثر مریضوں کی صحت یا بی ڈاکٹر صاحب کی تسلی آمیز باتوں سے ہی ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے فن میں بیحد طول رکھتے ہیں نہایت کامیاب میچا ہیں۔ ڈاکٹر مجید خان صاحب ایک صاحب طرز ادیب بھی ہیں ان کے مضامین برسوں سے اخبار سیاست میں شائع ہو رہے ہیں جو نہایت دلچسپ و معلومات آفرین ہونے کے علاوہ پُر اثر تحریر کا اعلیٰ نمونہ ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ایک اچھے مقرر بھی ہیں نفسیات کے موضوع پر انہوں نے بہت سے عمدہ عمدہ لکچر دیئے ہیں جن کا ثبوت اخبارات میں شائع شدہ جلسوں کی روئیدادیں پیش کرتی ہیں۔ سیاست اخبار میں ان کے مضامین بڑی دلچسپی اور توجہ کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں ان کے زیادہ تر مضامین ان کے تمام نثری مشاہدات و تجربات کے آئینہ دار ہونے

ہیں۔ میرے دل و دماغ پر گزشتہ ۲۵، ۳۰ برسوں سے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کا گہرا اثر ہے۔ پہلی بار میں نے ڈاکٹر صاحب کو سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے میوزیکل پروگرام میں دیکھا تھا جس کا میں جزیل سکریٹری تھا۔ ان سے میرا تعارف صدر اسوسی ایشن جناب صادق احمد اسسٹنٹ سکریٹری محکمہ قانون نے کروایا تھا۔ وہ سکریٹریٹ کی تہذیبی تقریب میں جناب صادق احمد کی دعوت پر آئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب اردو شعر و ادب کے علاوہ محفل موسیقی کی شائستہ و منتخب محفلوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ جب کبھی میں حمید رحمان کے اہم ترین مسلم ڈاکٹروں کا ذکر کرتا ہوں تو ڈاکٹر سید عبدالمنان، ڈاکٹر حمید رحمان اور ڈاکٹر مجید خان کے نام خود بہ خود میرے لبوں پر آجاتے ہیں یہ تینوں ڈاکٹر اپنی اپنی شائستہ مزاجی اور اپنے اپنے طریقہ علاج کی وجہ سے کافی شہرت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر مجید خان صاحب سے میری دوسری ملاقات آنکے کلینک (آدرش نگر) میں ہوئی تھی جہاں میں اپنے ایک عزیز کو اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ میں نے اپنے وزیٹنگ کارڈ کے ساتھ اپنے دوسرے مجموعہ کلام ”زخموں کے گلارے“ کی ایک جلد بھیجی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے فوری جواب دیا۔ میں نے مریض کو ڈاکٹر صاحب کے حوالے کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے مرض کی تشخیص لگائی نہیں لی۔ ڈاکٹر صاحب کی شاعر نوازی کا میں ہمیشہ سنون رہا ہوں۔ میں کچھ اور دماغی اور نفسی مریضوں کو ہسپتالی خط کے ساتھ بھیجایا تھا ڈاکٹر صاحب نے پوری دلچسپی کے ساتھ مہیا کی۔

کچھ تحقیق ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی جانب لوگ کھینچے چلے جاتے ہیں۔
 وہ مہسکوہ کی محفلوں میں ڈاکٹر صاحب اکثر شرکت فرماتے ہیں۔
 حال ہی میں انہوں نے ایک بہت ہی اچھا کچر شکری شوہر، شکری بیوی کے
 زیر عنوان دیا جو زیر اہتمام ادارہ سیاست منعقد کیا گیا تھا۔ اس محفل
 کا اقتباس میں نے "خوشبو کا سفر" شمارہ مارچ ۲۰۰۲ء میں شائع کیا
 ہے۔ وقتاً فوقتاً خوشبو کا سفر میں ڈاکٹر صاحب کے مضامین شائع
 ہوتے رہتے ہیں۔ سیاست اخبار میں مختلف موضوعات پر خاص طور پر
 دماغی امراض اور نفسیات کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی تحریریں شائع
 ہوتی رہتی ہیں۔ ڈاکٹر حمید خان صاحب جہاں ایک کامیاب ڈاکٹر ہیں
 وہیں ایک صاحب طرز رہنما ادیب بھی ہیں۔ عموماً کچھ لوگ صرف اپنے
 پیشے ہی میں معروف رہتے ہیں ڈاکٹر حمید خان صاحب جیسے ڈاکٹر
 بہت کم ہوں گے جو اپنے پیشے میں شہرت رکھنے کے علاوہ اردو شعرد
 ادب میں بھی مشہور ہیں۔ تجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ ڈاکٹر
 صاحب نے میری ہر سفارش کی پیڑ پرائی کی۔ بین الاقوامی سطح پر بھی
 ڈاکٹر صاحب سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کے لئے کئی بار بیرون
 ملک کا سفر کیا۔ جہاں ان کے پیش کردہ مضامین / مقالات کو بے حد
 پسند کیا گیا۔ جناب محبوب حسین جگر صاحب ڈاکٹر حمید خان صاحب سے
 سیاست میں اشتغلت کے لیے مضامین روانہ کرنے کا خواہش کرتے
 تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریروں کا رشتہ آج بھی سیاست سے برقرار ہے۔

پروفیسر احمد اللہ خاں

(شاہین نظر، روشن دماغ، دل پر نور، معتبر انسان)

جب ہم کسی صحت مند چمن میں پہنچ جاتے ہیں تو مختلف اقسام کے پھول
 ہمارا استقبال کرتے ہیں مختلف رنگوں کے پھول مختلف تانے رنگے ہوئے
 گہرے رنگ پر تھلنے کے لیے تہہ تیہ رہتے ہیں۔ ہر پھول بادِ صبا کی
 وعنائیوں اور شبنم کی پروائیوں کا سپاس گزار رہتا ہے۔ مہرے موسم کی
 پہلی خوشبو کی طرح اسارا چھیننے لگتا ہے۔ بے خطر بیز فضا میں احاطہ چین
 کی حد۔ آنگ ہی محدود نہیں رہتی۔ بلکہ ڈھونڈ کر تک پھیل جاتی ہیں
 آجائے پہلے وہ دیوارِ زنداں میں رہیں کہ آزاد فضاؤں میں رہیں کبھی
 قید نہیں رہتے۔ اگر روشنی کو قید کرنے کی کوشش کی بھی جائے تو وہ روزِ
 زنداں سے چھین چھین کر نکلتی ہے۔ اگر کسی ارتقاء پذیر شخصیت میں خوشبو
 اور روشنی کی آمیزش ہو اور اس کے فکر و خیال میں وسعتیں ہوں تو
 ایسا شخص ایک نہ ایک دن اسرارے معاشرہ کے لیے پیکرِ خوش بھال اور

صاحبِ نظراں بننا رہے گا۔ پیر و فیروز احمد اللہ خان حمید آبادی اُن قابل ترین، باشعور و باصلاحیت دانشوروں میں سے ایک ہیں جن کا نام مہذب معاشرہ کی پہلی فہرست میں نمایاں ہے۔ پیر و فیروز صاحب کے اندازِ گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا خاندانی پس منظر بھی ان سرگزیدہ شخصیتوں کا ایک ایسا شعلہ ہے جو سارے معاشرہ کے لیے نیکی کا پیغام لے کر آتا ہے۔ پیر و فیروز احمد اللہ خان صاحب کا مذہبی و فکری سفر سارے ماحول کو عطرِ بیز بنا رہا ہے۔ ہر انسان کو اپنی زندگی میں ہر قسم کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں وقت کی بنف ہوئی ہے وہ صراطِ مستقیم کے راہ کو کھلتے ہیں۔ پیر و فیروز احمد اللہ خان صاحب کی حیثیت ایک میر کا رُواں کی بھی ہے اور قافلہ میں شریک ایک راہی کی بھی ہے دونوں صد رنوں میں راستے کی تمام رکاوٹوں کو ڈور کرتے ہوئے مستقل مزاجی کے ساتھ رواں دواں رہتے ہیں۔ پیر و فیروز صاحب جاسو عثمانیہ میں شیعہ قانون کے ایک لائق استاد ہیں۔ جن کا اعلیٰ درجہ کے ماہرین قانون میں شمار ہوتا ہے ان کی علمی بعیت سے بے شمار تشنگانِ علم و فن مستفیض ہو چکے ہیں ہمارے شہر میں جو لوگ اپنی دانشوری، اپنے علمی مرتبہ اور اپنی اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے شہرت پا چکے ہیں ان میں ایک بیڑا نام پیر و فیروز احمد اللہ خان صاحب کا بھی ہے شہر کے ممتاز شہریوں میں اپنی شرافت اپنے خلوص، اپنی قابلیت اور اپنے شائستہ طرزِ حیات کی وجہ سے مقبول ہیں نہایت اعلیٰ ظرف، شریف النفس، باکردار، قابلِ اعتبار اور

بادقار شخصیت کے حامل ہیں۔ مسکراتے ہوئے ان کا گفتگو کرنا مخاطب کو
 متاثر کر دیتا ہے۔ شائستہ مزاجی، شگفتہ طبیعت، طرح داری اور وضع
 داری ان کا خاصہ و خاصہ ہے۔ احمد انڈخان صاحب ہر بات نپتے نلے
 انداز میں کہتے ہیں۔ کوئی بھی مسئلہ کیوں نہ ہو مختلف ردیوں کے ذریعہ
 اس سلیقے سے سلجھاتے ہیں کہ کوئی مسئلہ مسئلہ ہی نہیں رہتا۔
 پروفیسر صاحب کی قابلیت نہ صرف شعبہ قانون کی حد تک ہی محدود ہے
 بلکہ مختلف علوم و فنون کے گہرے مطالعہ نے انہیں اس قابل بنا دیا ہے کہ
 وہ ہر موضوع پر جامع انداز میں اظہار خیال کر سکتے ہیں۔ بعض شخصیتیں
 ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی کسی محفل میں آمد سے پہلے ہی ان کی خوشبو پہنچ جاتی
 ہے اور جب وہ محفل میں داخل ہوتے ہیں تو سارا ماحول ہلکتے لگتا ہے پروفیسر
 احمد انڈخان صاحب کا شمار ایسی ہی معطر شخصیتوں میں ہوتا ہے میں
 نے پروفیسر صاحب کو کئی علی و ادبی جلسوں میں سنا ہے جب وہ تقریر
 کرتے ہیں تو بڑے محسوس ہوتا ہے کہ ایک دریا ہے کہ بہتا جا رہا ہے
 میں اپنی کتابوں کی رسم اجراء تقریب کے علاوہ خوشبو کا سفر کے سالانہ
 جلسوں اور اپنے بعض منظر و دستوں کی کتابوں کی رسم اجراء تقریب میں
 انہیں اظہار خیال کے لیے دعوت دیا کرتا ہوں۔ محفل کے تمام تجزیہ کاروں
 میں احمد انڈخان صاحب اپنی ایک الگ پہچان کے ساتھ جلوہ افروز رہا
 کرتے ہیں۔ کتابوں پر تبصرے ہوں کہ کسی شخصیت کے کارناموں کا جائزہ
 اجلاس، موڈاکر صاحب حاضریں مجلس کو مایوس نہیں کرنے۔ ان کی گفتگو میں

نفع نہیں ہوتا۔ کھری کھری بات صاف صاف لفظوں میں کہہ جاتے ہیں ان کا لب و لہجہ پُر اثر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اردو زبان کی طاقت اُردو تہذیب کی وقعت اور اردو شعرواد کی عظمت کا پوری طرح ادراک ہے ڈاکٹر صاحب کو مختلف علوم و فنون سے دلچسپی ہے ایک بہترین اور با شعور مقرر ہونے کی وجہ سے کوئی بھی موقع نہ کیوں نہ ہو جم کر اظہارِ خیال کرنے میں اردو ادبیات کے علاوہ انہیں شرعی و قانونی علوم پر بھی قدرت حاصل ہے ان کی تحریریں بھی دلچسپی کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں سیاست کے شعبہ اشاعت کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کے سیاست میں شائع شدہ مضامین کا ایک مجموعہ لیگل گائیڈنس کے نام سے منظرِ عام پر آچکا ہے سیاست اخبار میں ڈاکٹر صاحب کے مضامین شائع ہو گئے رہتے ہیں جو زیادہ تر شرعی، قانونی اور سیاسی مسائل پر مبنی رہتے ہیں سیاست اخبار سے ڈاکٹر صاحب کو بہت زیادہ لگاؤ ہے پھر یاد ہے کہ خاص خاص مواقع پر جناب محبوب حسین جگر صاحب سیاست کے لیے ڈاکٹر صاحب سے مضامین لکھنے کے لیے کہتے تھے۔ اردو حلقوں میں پروفیسر احمد اللہ خان صاحب کی ادبیانہ پہچان میں سیاست اخبار کا بڑا حصہ ہے۔ میں جب اپنے وطن ہمدان (ضلع بیدر) سے اعلیٰ تعلیم کے لیے حیدر آباد آیا تو اپنے چھوٹی زاد بھائی کے ہاں محلہ گھانسی میاں بازار میں مقیم رہا۔ اُن دنوں احمد اللہ خان صاحب میرے پڑوسنی تھے ان کے والد محترم محمد وحید خان کا اس محلہ کے سربراہوں میں شمار ہوتا تھا جو صدر شعبہ قانون تھا

عثمانیہ تھے اور ایک عرصہ تک کلکتہ کے پرنسپل کے عہدہ پر فائز رہے۔ پروفیسر احمد اللہ خان نے اپنے والد محترم اور دیگر اہل خاندان کے تعلیم یافتہ ماحول میں اپنے تعلیمی سفر کا آغاز کیا۔ جامعہ عثمانیہ کے قابل ترین پڑھنے والوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جانے والے ہیں۔ فرزند جامعہ عثمانیہ کی حیثیت سے ان کا نام بھی جامعہ عثمانیہ کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ پروفیسر احمد اللہ خان اعلیٰ سوسائٹی کی قابل قدر شخصیت ہیں شہر کے مختلف اداروں کی جانب سے منفقہ ہونے والی اعلیٰ سطح کی علمی و ادبی و فلاحی تقاریب میں انہیں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے۔

احمد اللہ خان صاحب کا خطاب پُر اثر ہوتا ہے شہر کے فاضل ان کے ہر جملہ سے مستفید ہوتے ہیں اس قدر روانی سے تقریر کرتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ معلومات کا خزانہ لٹا ہوا جارہا ہے شریکِ فاضل کوئی بھی شخص ان کا خطاب سن کر خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ اس کو بہت کچھ حاصل ہو جاتا ہے بہترین اور کامیاب وہی مقرر ہوتا ہے جس کے ساتھ سامعین ہم سفر رہتے ہیں ایک مقرر کے لیے یہ ایک اعزاز کی بات ہے کہ جب وہ کسی فاضل میں تقریر کرتا ہے تو وہ تنہا نہیں رہتا۔ ساری فاضل اس کی ہم زبان ہو جاتی ہے اس کی تقریر کا ایک حصہ بن جاتی ہے پروفیسر صاحب کو ملک کی مختلف علمی و ادبی و قانونی اداروں کی جانب سے مدعو کیا جاتا ہے ملک کی مختلف درس گاہوں، دانش گدے اور جامعات ان کی علمی و تعلیمی قانونی و تہذیبی صلاحیتوں سے استفادہ کرتے ہیں ڈاکٹر صاحب نے بے شمار سمینار، سمپوزیم میں حصہ لیا۔ اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک کے دانش گدوں میں بھی مدعو رہتے ہیں عثمانیہ یونیورسٹی

کی مختلف کمیٹیوں میں بھی کہیں نور کن کی حیثیت سے اور کہیں سربراہ کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکے ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے خیر کے بعض علمی و ادبی اداروں سے ان کی وابستگی ہے پروفیسر صاحب اپنی غیر معمولی علمی مصروفیات کی وجہ سے مختلف تقاریب میں شرکت کے لیے وقت نہیں دے سکتے لیکن وہ لوگ اور وہ منتظمین تقریب قابل مبارکباد ہیں جو ڈاکٹر صاحب کی خدمات سے استفادہ کرتے ہیں ڈاکٹر احمد اٹھ خان صاحب اپنی قابلیت اور میرٹ کی بنیاد پر مولانا ابوالکلام آزاد یونیورسٹی کے متوقع وائس چانسلر تھے باذوق ذرائع سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ پروفیسر احمد اٹھ خان صاحب کا نام بھی وائس چانسلری کے پیائل میں موجود تھا لیکن نتیجہ وہی ہوا جو عموماً ادنیٰ اور اعلیٰ ترین کرسیوں کے لیے ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب اس طرح کے لوگوں میں نہیں ہیں جو بہت کچھ کرنے اور سب کچھ ہونے کی سیاست سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ ایک بے نیاز شخص کی طرح سیاست کے داؤ بیچ سے بہت دور رہتے ہیں۔ مجھے اس بات پر بے حد مسرت ہے کہ پروفیسر صاحب خاص طور پر مسلم معاشرہ کی نمائندہ و برگزیدہ شخصیت ہیں۔ جہاں تک میری شاعری اور میری شعری و ادبی سرگرمیوں کا تعلق ہے انہیں جہاں کہیں موقع ملتا ہے اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ ادبی محفلوں میں بھی کھل کر میری شاعری پر اظہارِ خیال کرتے ہیں اگر میری کوئی غزل سیاست میں شائع ہو تو ہے نو وہ اپنے تاثرات کا اظہار ذریعہ فون کرتے ہیں۔ گجرات کے حالیہ فسادات کے پس منظر

میں ۲۸ مارچ ۲۰۲۲ کو میری غزل سیاست میں شائع ہوئی تھی غزل پڑھنے
 ہی اٹھو لےنے مجھے بے ساختگی کے ساتھ داد و تحسین سے نوازا۔ میری
 غزل کے ہر ایک شعر کو سراہا۔ جس کے دو شعر اور مقطع کچھ اس طرح ہے
 کل جوہ شامل تھے یہاں شہر کے شہکاروں میں
 وہ نوسب قتل ہوئے گلیوں میں بازاروں میں
 خوں بہا مانگتا چاہیں بھی نوکس سے مانگیں
 شہر کا شہر ہے قاتل کے طرفداروں میں
 نظم کو ہے حق سے بھلائی کی توقع نیسے
 وہ تو اک عمر سے شامل ہیں گنہ گاروں میں
 پروفیسر احمد اڈ خان صاحب ہمارے شہر کے دانشوروں میں اپنی
 ایک الگ پہچان کے ساتھ جانے جاتے ہیں۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ اپنی
 قابلیت، اپنی شرافت، اپنی مفکرا لہجہ اور اپنی نیکیوں اور
 خوبیوں کی وجہ سے پسند کیے جاتے رہیں گے اور ان کے شانہ لیے لہجہ
 کی خوشبو دور دور تک پھیل جائے گی۔

منوہر راج سکبسنہ

(سیئر ایڈوکیٹ، مورتا نوں داں اُردو کے بے لوث خدمت گتہ)

حیدر آباد میں آج بھی بہت سے ایسے غیر مسلم گھرانے موجود ہیں جو اپنے اسلاف کی روایت پر چلتے ہوئے اپنی اقدار کی پاسداری کر رہے ہیں جو نہ تو اپنی روایات سے منحرف ہیں اور نہ ہی موسم کا رخ دیکھ کر موسم کے ساتھ چلنے والے ہیں بلکہ اپنے راسخ الارادہ اور اپنے غیر متزلزل کردار کی وجہ سے اپنی شائستہ روش پر قائم ہیں۔ حیدر آباد کی ملی جلی تہذیب، آپسی بھائی چارگی اور عواہت پسندی کی نمایاں خصوصیات ان کے مزاج اور ان کے طرز حیات میں جذب ہو چکی ہیں۔ کئی موسم آتے رہے جاتے رہے کبھی ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہیں تو کبھی گرم ہوائیں اور کبھی معتدل ہوائیں چلتی رہیں لیکن ان لوگوں نے اپنے جینے کا انداز نہیں بدلا۔ وہی کیا اور وہی کر رہے ہیں جو ان کے اسلاف کیا کرتے تھے۔ اس طرح کی حیدر آباد کی ایک نمائندہ شخصیت منوہر راج سکبسنہ صاحب کی بھی ہے جو مسلم

معاشرہ سے بہت قریب ہیں۔ یہ آج کی بات نہیں ہے بلکہ انہوں نے جب سے ہوش سینھالا ہے تب ہی سے وہ روشن خیال ہیں۔ حیدر آباد میں جہاں کہیں بھی گنگا جمنی تہذیب کی پاسداری کی جاتی ہے وہاں منوہر راج سیکنہ صاحب کا نام بھی خہمومیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ منوہر راج سیکنہ کا نسخہ گھرانے کے ایک فرد ہیں۔ ان کے خاندان کے بہت سے نوگ، اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ حیدر آباد میں کائناتوں کی پہچان ان کے اعلیٰ کردار ان کی اعلیٰ تہذیب اور ان کی شریفانہ زندگی کے حوالے سے برقرار ہے۔

منوہر راج سیکنہ ایک مشہور قانون دان ہیں لیکن ان کی حیثیت ایک محبِ اردو کی بھی ہے اردو تحریک سے برسوں سے وابستہ ہیں۔ سٹی انجمن ترقی اردو کے صدر، ادبی ٹرسٹ کے ٹرسٹی، اور ریاستی انجمن ترقی اردو کے رکن عالم ہیں۔ شہر کی بہت سی ادبی، تہذیبی، فلاحی، انجمنوں اور اداروں سے بھی وابستہ ہیں۔ اردو زبان کے تحفظ و بقا کے لیے سرگرم عمل رہا کرتے ہیں۔ اردو ادیبوں اور شاعروں میں عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ زائد ازاں ۵۰ برسوں سے اردو کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

منوہر راج سیکنہ صاحب کو یہ اس وقت سے جانتا ہوں جب میں شعری و ادبی سرگرمیوں سے وابستہ ہو گیا تھا یہی کوئی ۳۵، ۴۰ برس پہلے کی بات ہے۔ اکثر ادبی جلسوں میں سیکنہ صاحب سے ملاقات

ہونی رہتی ہے کئی ادبی جلسوں میں مجھے سیکرٹری صاحب کے ساتھ تقریر کرنے کا موقع ملا ہے۔ منوہراج سیکرٹری صاحب اردو زبان، اردو تہذیب کی بقا کے لیے خالص لگاؤ رکھتے ہیں، بہترین مقرر ہیں ان کی تقریر سنجیدہ بھی ہوتی ہے اور پرمزاج بھی۔ محفل کے مزاج اور موضوع کے اعتبار سے تقریر کرنے میں تاہر ہیں۔ ان کی تقریر دلچسپی سے سنی جاتی ہے ڈاکٹر راج بہادر گور، کالبد اس کا شیکر اور نہپال سنگھ ورما کی طرح منوہراج سیکرٹری بھی اردو کے ہی خواہوں میں ایک اچھا مقام رکھتے ہیں سیکرٹری صاحب بے تھب اور روشن خیال انسان ہیں، نا انصافی اور ظلم و اسناد کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ ادبی محفلوں کے علاوہ سماجی فلاحی اداروں کا سرپرستی کرتے ہیں، اپنے عمدہ اور متوازن خیالات سے متاثر کرتے ہیں چونکہ کھلے دل اور کھلے دماغ کے انسان ہیں اس لیے ان کی باتیں دل پر اثر کرتی ہیں۔

منوہراج سیکرٹری صاحب اگرچہ بانیں بازو کے خیالات کے حامل ہیں لیکن ان کے خیالات میں شدت نہیں ہے اپنے لب و لہجے میں اور اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال کے قائل ہیں۔ کمیونٹ پارٹی کے جلسوں میں شرکت کرتے ہیں بڑے بڑے جلسوں کو مخاطب کرتے ہیں ان کی باتوں میں توازن ہوتا ہے اس لیے ان کی باتوں میں اختلاف کی بہت کم گنجائش رہتی ہے۔ پیرانے شہر کے ادبی جلسوں، خاص طور پر اردو گھر میں ہونے والے ادبی جلسوں میں انہیں خصوصیت کے ساتھ مدعو

کیا جاتا ہے۔ سیکرٹری صاحب کو میں نے ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے ادبی جلسوں میں بھی مدعو کیا ہے۔ اردو کی بقا و تحفظ سے متعلق جہاں کہیں کوئی محفل آراستہ ہوتی ہے وہاں سیکرٹری صاحب کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ سیکرٹری صاحب کو اخبار سیاست، عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب سے گہری وابستگی رہی ہے۔ ان کے مضامین سیاست میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر یوم جمہوریہ ہند اور یوم آزادی ہند کے موقع پر ان کے مضامین پڑھنے کو ملتے ہیں۔ دستور ہند اور قانون سے تعلق رکھنے والی تحریروں میں بھی نظر سے گذرتی ہیں۔ سیکرٹری صاحب کو اردو زبان و ادب سے بے حد وابستگی ہے۔

اردو گھر مغل پورہ کا کتب خانہ بھی ریاست میں قائم تمام کتب خانوں میں ایک عصری کتب خانہ کی حیثیت رکھتا ہے جہاں جدید و قدیم کتابوں کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ اس لائبریری کو قائم کرنے کا سہرا عابد علی خان صاحب کے سر جاتا ہے۔ اردو گھر کی سرگرمیوں کو پروان چڑھانے میں ادارہ سیاست کا کافی تعاون رہتا ہے۔ برصغیر سے شائع ہونے والی کتابیں جو تبصرہ کے لیے سیاست میں آتی ہیں اردو گھر لائبریری کے لیے دے دی جاتی ہیں۔ اردو گھر کے انتظامیہ کو نئی کتابیں خریدنی کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ سیکرٹری صاحب نئی راست نگرانی میں اردو گھر کی لائبریری کام کرتی ہے۔ اردو گھر کے لائبریری جناب یوسف الدین صاحب کی خدمات بھی ناقابل

تفراموش ہیں بلکہ میں یہاں تاک کھینے کے موقف میں ہوں کہ
یوسف الدین صاحب اردو گھر لائبریری کے لیے وقف ہو چکے ہیں۔
اردو گھر میں مختلف اداروں اور انجمنوں کی جانب سے مختلف موضوعات
پر جمعے ہوا کرتے ہیں بری بڑی شخصیتوں نے اردو گھر میں قدم رکھا ہے
سکسیدہ صاحبہ کا ایک کامیاب قانون دان ہیں اپنے حملہ شاہ علی بندہ کے سربراہ ہیں
کئی اہل غرض ان کی سفارشاتوں سے فیض یاب ہوا کرتے ہیں ضرورت
مندوں اور محققوں کو ان کی مدد کرتے ہیں۔ علمی و ادبی خدمات کے صلے
میں کئی ایوارڈز پانچکے ہیں۔ رواں دواں شخصیت کے مالک ہیں طبیعت
میں مزاج کا پہلو نمایاں ہے۔ بات میں بات پیدا کرنے میں انہیں
بلکہ حاصل ہے خوش مزاج، نفیس انسان ہیں پیشہ وکالت سے تعلق
رکھنے والے افراد سے بھی ان کے بہترین مراکم ہیں۔ وکلاء کی سرگرمیوں
اور ان کے مسائل سے دلچسپی لیا کرتے ہیں۔ ادبی جلسوں میں شرکت
کے لیے شرواتی ان کا مخصوص لیا کر رہتا ہے۔ جلسوں کی نوعیت کے لحاظ
سے پوشاک بدلتے ہیں۔ اپنے دوستوں سے خندہ پیشانی سے ملنے
ہیں۔ حیدر آباد کی گنگا جمنی تہذیب کا مین ہیں۔ خاص طور پر
مسلم اقلیتوں سے بہت زیادہ قربت رکھتے ہیں انہیں اردو زبان
اردو تہذیب سے گہرا لگاؤ ہے اردو کے فروغ و ترقی میں دلچسپی
رکھتے ہیں۔

شیدہ نور الحق قادری

ملنسار خوش مزاج، با اخلاق۔ فراخ دل شخصیت

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ با اختیار و مقتدر شخصیتوں کی زیر سرپرستی جب فراخ دلی کے ساتھ چھو لوں کی بارشیں ہونے لگتی ہے تو خاص طور پر کچھ افراد ان امرت نواز شخصیتوں کے اطراف شہد کی مکھڑوں کی طرح جمع ہو کر بہت کچھ حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ بعد اوقات ایسے لوگ دربارِ الطاف و عنایات میں آتے تو ہیں خالی ہاتھ، لیکن جب لوٹتے ہیں تو ان کا دامن بھرا ہوا رہتا ہے۔

صدر نشین اردو اکادمی آندھرا پردیش جناب سید شاہ نور الحق قادری صاحب سے میں تقریباً ۲ برسوں سے واقف ہوں۔ پہلی دفعہ میں نے انہیں شانگڑی مجبوریل سوسائٹی کے کل ہند مشاعرہ میں دیکھا تھا وہ مخصوص مدعوئین کے ساتھ تشریف لائیں کہ پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ حسن انفاق سے اُس مشاعرہ میں میرا کلام بہت پسند کیا گیا تھا جب میں نے غزل

سنا کر اپنی نشست سبھالی تو سنہ نشیں کے قریب تشریف فرما سامعین نے بھی میرے کلام کو سراہا تھا قادری صاحب کو اردو شعر و ادب سے کافی دلچسپی ہے۔ کہیں نہ کہیں، کبھی کبھی ان سے ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں انہوں نے جب سیکی میدان میں قدم رکھا تو مجھے اُن کے بارے میں مزید آفیت ہوئی۔ حکومت آزاد صوبہ کشمیر نے جب سید شاہ نور الحق قادری صاحب کو صدر نشیں اردو اکیڈمی نامزد کیا تو مجھے بہت مسرت ہوئی کہ حکومت نے ایک ادب دوست شخصیت کو اردو کی خدمت کے لیے مامور کیا ہے۔

قادری صاحب سے اردو اکیڈمی میں مختلف مواقع پر ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں ان کے علاوہ اپنے دوستوں ڈاکٹر کمر اردو اکیڈمی جناب مسعود بن سالم اور بی۔ آر۔ او اردو اکیڈمی جناب حسن فرخ سے ملنے آیا کرتا تھا۔ میں مسعود بن سالم صاحب سے اپنے حلقے کے شعروں، ادیبوں اور ادبی اجتماعوں کی سرگرمیوں اور ان کے مسائل کی یکسوئی کے لیے تعاون حاصل کیا کرتا تھا۔ وہ مجھ سے بھرپور تعاون کیا کرتے تھے میں اُن کے دورِ نظامت میں دو چار مرتبہ میں شعرا کے مسودات کی منظوری اور شعری مجموعوں پر انعامات کے لیے جمع مقرر کیا گیا تھا۔ مسعود صاحب کے دور میں فہر کے تقریباً تمام منتخب اہل قلم حضرات و خوانین اکیڈمی کی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے تھے۔

مسعود صاحب دو مرتبہ اکیڈمی کے ڈائریکٹر رہے۔ اُن کی بہن کا کردار کے اعتراف میں حکومت نے ان کی مدت ملازمت میں ایک سال کی توسیع کی۔ اُن کے دور میں اکیڈمی کی بہت سی اسکیمات حسن و خوبی انجام پائیں۔

میں قادر جیٹا کو اکیڈمی کی بہترین سرگرمیوں کی جانب پیش رفت کے لیے مشورہ دیا کرتا تھا میری اکیڈمی کی بہتر سے بہتر کارکردگی کے سلسلے میں قابل قبول مشاوری کی وجہ سے قادری صاحب کا مجھ پر اعتماد بڑھنا گیا اور انہوں نے میرے مشوروں کو اہمیت دینی شروع کی۔ بعض شعری مجموعوں اور مسودات کے سلسلے میں میری بروقت توجہ دہانی کے سبب کچھ مستحق قلم کاروں کو ان کا حق مل گیا۔ قادری صاحب نے میرے کسی بھی مشورہ کو رد نہیں کیا کیونکہ میری ہر سفارش قابل اعتنا اور جائز ہوتی تھی۔ اکیڈمی کے زیر انتہام منعقد ہونے والے مشاعروں کے سلسلے میں میری ترحیب دی ہوئی شعراء کی فہرست پر مثبت انداز سے غور کیا جاتا رہا۔ میرے دبیرینہ رفیق ممتاز شاعر جناب حسن فرخ صاحب پی آر او بھی اکیڈمی کی مختلف کمیٹیوں اور شاعروں کے مسودات و مطبوعات کے سلسلے میں جج کی حیثیت سے میری شمولیت کے حامی رہے۔ اکیڈمی کے سینئر اسٹاف میں محمد امجد الدین شریف صاحب اکاؤنٹس آفیسر اور محمد عمر صاحب سینئر سوپر وائزر نے اپنے مکمل تعاون سے مجھے متاخر کیا میں نے محسوس کیا کہ یہ دونوں حضرات اکیڈمی کی سرگرمیوں میں کافی تن دہی کے ساتھ مصروف رہتے ہوئے اکیڈمی کی بہتر نمائندگی کے لیے نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جس زمانے (۱۹۹۲ء) میں سید جمشید علی صاحب صدر نشین اردو اکیڈمی تھے میں دو سال تک اردو اکیڈمی کا ایکن بورڈ آف گورنرس رہا۔ جناب مسید شاہ نور الحق قادری صاحب نے اپنی کوششوں اور اپنے سیاسی اثر و رسوخ سے اردو اکیڈمی کے بجٹ میں کافی اضافہ کروایا۔ ان کی شخصیت و طبیعت کی وجہ سے اکیڈمی

کی بہت سی اسکیمات کو رو بہ عمل لایا گیا۔ شاعروں، ادیبوں، صحافیوں اور
اُردو کے خدمت گزاروں کو انعامات و اعزازات سے نوازا گیا۔ قادری
صاحب نے اضلاع میں اُردو گھر اور شادی خانوں کے قیام کے لیے بھی اہم
رول ادا کیا۔ حکومت آندھرا پردیش نے قادری صاحب کو تین سال کے لیے
صدر نشین اُردو اکیڈمی کی حیثیت سے نامزد کیا۔ نومبر ۱۹۶۱ء میں صدر نشین
کی مدت کے اختتام کے بعد ان کے عہدہ کی مدت میں توسیع کی گئی۔ قادری
صاحب کی دلچسپی سے اُردو اوپن اسکول کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا تھا لیکن
اُردو اوپن اسکول کی سرگرمیوں پر نظر ثانی کے بعد اسکولوں کی تعداد کھٹا
دے گئی۔ صدر زمین صاحب کا اپنے اسٹاف کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک ہے
اسٹاف میں محمدنی الدین شریف صاحب اور محمد عمر صاحب جیسے کارکردگیاں اور
سرگرمیاں بنایا گیا۔ اکیڈمی کے پی آر او جناب حسن فرخ صاحب کو بھی اسٹاف کا
تعاون حاصل ہے۔ جناب سید شاہ نور الحق قادری صاحب شہر کے
برگزیدہ مشائخ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ان کے والد محترم جناب
حفیظ الحق صاحب قابل احترام، عالم دین اور ایک سائنس
بزرگ تھے۔ قادری صاحب نے اپنی صدر نشینی کے دوران بعض بہت
ہی اہم کارنامے انجام دیئے ہیں۔ کل ہند مسلم کونسل کے محذوم ایوارڈ کی
رقم ۲۵ ہزار روپیوں کو بڑھا کر ایک لاکھ روپے کر دیئے گئے اور
یہ محذوم ایوارڈ سالانہ شہید آباد استاد حسن جناب خواجہ شوقی
کے حصہ میں آیا۔ محذوم ایوارڈ کے سلسلے میں میں قادری صاحب کو شکر

دیکھنا تھا کہ محمد دوم ایوارڈ صرف اور صرف حیدر آباد کے ہی کسی ایک شاعر
 کو دیا جانا چاہیے۔ ایوارڈ کے لیے میں نے حیدر آباد کے نین محمد شاعر
 ڈاکٹر علی احمد جلیلی، سید شہبازی اور خواجہ شوقی کے نام پیش کیے تھے
 میں نے حیدر آباد کے کسی ایک شاعر کو محمد دوم ایوارڈ دینے کا مشورہ
 اس لیے دیا تھا کہ قومی سطح پر حیدر آباد کے شاعروں کو ہمیشہ نظر انداز
 کیا جاتا رہا ہے۔ قادری صاحب یا رانا اپنی تقریروں میں میری تجویز کو
 سراہتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ صلاح الدین بکر صاحب کے مشورہ سے
 مجھے اتفاق ہے کہ اس سال محمد دوم ایوارڈ حیدر آباد کے کسی ایک شاعر کو
 دیا جانا چاہیے۔ قادری صاحب نے سال گذشتہ کا رانا سہ جات ایوارڈ
 کا تعداد ہی بڑھا کر۔ نفع ہے کہ سال گذشتہ کی طرح سال بعد بھی مختلف شعبہ جات سے
 والی نمایاں شخصیتوں کو اعزاز دیا جائے۔ حدیث مناکے دور حیدر آباد کی تقریب تمام
 علمی و ادبی اجتماعات کے جلسوں کے لیے خراج دلانہ ادارہ رہی۔ اکبڑی کا ایوان
 کاہنہ آئے۔ شہر کے اہل علم و ادب نے اس موقع پر حیدر آباد کے مشورہ سے
 ڈاکٹر علی احمد جلیلی کی کتاب کا کام مسعود بن سالم
 صاحب کے زلمے میں شروع ہوا تھا، انہوں نے اس ڈاکٹر علی احمد جلیلی کی کتاب کا کام
 کے لیے غیر معمولی دلچسپی لی تھی۔ اسی طرح ڈاکٹر علی احمد جلیلی کی کتاب کا کام
 مسعود بن سالم کے لیے شروع ہوا تھا۔ مسعود بن سالم کی خواہش یہ
 ہے کہ اس کتاب کے زلمے میں شروع ہوا تھا۔ مسعود بن سالم کی خواہش یہ

اس مجموعہ کلام کے لیے میں نے پیش لفظ لکھا ہے۔ یہ کتابیں صدر نشین صاحب کے زیر سرپرستی از یورطباط سے آراستہ ہوئیں۔ اکیڈمی اور شہر کے محبانِ اردو کو بھی یہ ایک اعزاز ہے کہ جناب سید شاہ نور الحق قادری ملک کی تمام اردو اکیڈمیوں کی والدہ کمیٹی کے صدر صدر نشین منتخب کیے گئے ہیں۔ غلامیہ یہ بات بھی قابل ستائش ہے کہ اکیڈمی کے سالِ رواں کل ہندوؤں کے چاروں چیف منسٹر کے علاوہ چاروں چار یوارڈ دیئے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ ایوارڈس قلی قطب شاہ ایوارڈ، نواب میر عثمان علی خاں ایوارڈ، حیاراجہ کشن پرشار ایوارڈ اور مصطفیٰ ایوارڈ کے نام سے موسوم کیے جائیں گے۔ یہ چاروں ایوارڈ بھی ایک ایک لاکھ روپیوں کے ہوں گے جو مختلف اصنافِ ادب کے ماہرین کو دیئے جائیں گے۔ حال ہی میں زیرِ تمام اردو اکیڈمی ۱۲ فروری ۲۰۰۲ء کی شام جو بلی ہال میں اعلیٰ پیمائش پر گیان پیٹھ ایوارڈ یافتہ تلگو اردو کے نامور شاعر پدم مہوشن ڈاکٹر سی۔ نارائن ریڈی سنارے کے اردو مجموعہ کلام "پہنا ہوا شجر" کی رسمِ اجراء و تفریب منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت صدر نشین اردو اکیڈمی جناب سید شاہ نور الحق قادری صاحب نے کی تھی مہمان خصوصی کی حیثیت سے نائب صدر نشین راجہ سہاڈ اکبر خیمہ بہت اند صاحبہ نے شرکت کی تھی۔ اس شاندار تفریب کو ڈاکٹر خیمہ بہت اللہ جمشید سردار علی خان، پروفیسر معنی نسیم، صلاح الدین امیر، قطب منسٹر اور سردار دھوسودن نے مخاطب کیا تھا۔ ڈاکٹر سی نارائن ریڈی نے

انھارے شکر کیا۔ ڈاکٹر بخشہ سیت اللہ نے رسم اہرام انجام دی۔ صدیق
 اردو اکیڈمی جناب سید شاہ نور الحق قادری نے خیر مقدمی و صدارتی
 تقریر کی اور اردو اکیڈمی کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ پی۔ آر۔ او
 اردو اکیڈمی جناب حسن فرخ اجلاس کے کنوینئر تھے۔ اردو تالگو کے
 نامور دانشوروں نے اس پیراشر تقریب میں شرکت کی تھی۔ اکیڈمی
 کی سرگرمیوں میں شامل کل ہند صنعتی نمائش کے موقع پر اردو اکیڈمی
 کا ایک بک اسٹال قائم کرنا بھی ہے اس سال بھی نہایت سلیقہ کے ساتھ
 بک اسٹال قائم کیا گیا تھا جس میں ملک بھر کے قلمکاروں کی اہم کتابوں
 کے علاوہ حیدر آباد کے نمائندہ شعروں، ادیبوں کی کتابیں بھی
 بغرض نمائش و فروخت رکھی گئی تھیں۔ صنعتی نمائش کے موقع پر ۲۳
 جنوری کی شب نمائش کلب میں یہ تعاون نمائش سوسائٹی اردو اکیڈمی
 کا مشاعرہ تھا جس کی صدارت صدر نشین اردو اکیڈمی جناب سید شاہ
 نور الحق قادری نے کی۔ پی آر او اردو اکیڈمی جناب حسن فرخ ناظم
 مشاعرہ تھے۔ اس مشاعرہ میں شہر کے مختلف مکتب خیال کے مسقف
 شاعروں کو، جو کیا گیا تھا جناب حسن فرخ نے حسب مراتب شعراء کو
 دعوت سخن دی تھی توقع ہے کہ جناب سید شاہ نور الحق قادری صاحب صدر نشین اردو اکیڈمی
 کی راست نگرانی میں سال رواں بھی کارنامہ حیات ایوارڈ کے علاوہ علمی و ادبی
 اداروں اور انجمنوں کے مسائل کی بھی بہتر انداز میں یکسوئی کی جائے گی اور اکیڈمی کے ضعیف
 شہر کے نام حق قلمکاروں کے حق میں رہیں گے اور ان فیصلوں کو قدر کی نگاہوں
 سے دیکھا جائے گا۔

ڈاکٹر علی احمد جلیلی

(کم آمیز، کم سخن اور قابل احترام استاد شاعر)

جو لوگ بے تاج بادشاہوں کی طرح علم کی دولت، فکر و خیال کی خوشبو،
دل و دماغ کی روشنی، ذہن و فکر کی شگفتگی، صبح کے انجالوں کی طرح لوگوں میں
نفسم کرتے ہیں، کم نظر آنے ہیں لیکن اس انحطاط اور رگڑنے ہوئے
انسانی و اخلاقی سیارے کے باوجود تخلیق کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بھی چلتی رہتی
ہے۔ ریگزاروں کے طویل اور لامتناہی سفر کے دوران کبھی کبھی ٹھنڈے
پانی کے چشمے مل جاتے ہیں ٹھٹھن اور حبس کے ماحول میں تازہ ہوا کے جھونکے
مشام دا، وہاں کو فرحت بخشتے ہیں۔ یہ ہوائیں نینے ہوئے حالات میں
تادہ دم ہو کر سفر جاری رکھنے کی تلقین کیا کرتی ہیں۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی کو مہمان
بہت قریب سے دیکھا ہے، شدت کے سانچہ محسوس کیا ہے لیکن میں یہ دعویٰ
نہیں کر سکتا کہ میں ان کی زندگی کے ہر پہلو سے کما حقہ واقفیت رکھتا ہوں۔
ان کے کلام کی خوبیوں کی نہوں تک پہنچ چکا ہوں۔ ان کی فکر اور ان کی

خیال کے سرچشمہ تک میری رسائی ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے ڈاکٹر علی احمد جلیلی
 کو میں نے پہلی بار محبوب نگر کے ٹاؤن ہال میں منعقدہ ایک شاعرہ میں دیکھا
 تھا غالباً وہ صدرِ شاعرہ تھے جناب عبدالرزاق صولت ایڈووکیٹ
 نے شاعرہ کا اہتمام کیا تھا۔ یہ بات ۲۲ برس پہلے کی ہے۔ ایک ایسا شاعر
 جو برسوں کلاسیکی ادب سے مانوس رہا، ایک ایسا شاعر جو شاعری کے جملہ
 رموز و نکات سے واقف ہو۔ فن عروض پر گہری نظر رکھتا ہو۔ اعلیٰ درجہ
 کے استادانہ شعر کہتا ہو، ایسے محترم شاعر کے پاس جدید رنگ کے بھی
 سب سے شمار اشتراک ملتے ہیں۔ حیدر آباد ہی کیا برصغیر کے صفِ اول کے شاعروں
 میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ علی احمد جلیلی شریف النفس، منکسر المزاج انسان
 ہیں ان کی دم گفتاری، شبِ خرمی، ان کا طہرِ طہر کربات کرنا، ان کا اپنا ایک
 انداز ہے۔ ان کا یہ ایک ایسا رویہ ہے جو ان کی ذات کا ایک حصہ بنا ہوا
 ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو میں نے آج تک کسی بھی شخص کے بارے میں حیرت زدہ قرار
 گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ان کا انداز ہمیشہ مخلصانہ رہا ہے۔
 کثرتِ مطالعہ نے ڈاکٹر صاحب کو روشن خیال بنا دیا ہے صاف گوئی ان کی طبیعت
 کا خاصہ ہے۔ معتبر شاعر، منہردادِ یار، یا خبرِ تفاد اور متوازن محقق ہی نہیں ایک
 نفیس انسان بھی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے شاعرانہ ماحول میں آنکھیں کھولیں
 ان کی شاعرانہ عظمت کی شہرت نہ صرف ہندوستان و پاکستان تک ہی محدود رہے بلکہ اردو دنیا
 تک ان کی شاعری کے چرچے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ایسے شاعر ہیں جو داناں شعور
 ادب میں ہمیشہ ہکتے رہیں گے۔ کل تازہ کی طرح۔ (طویل مضمون سے اقتباس
 یکمشتاں ۱۹۹۶ء)

خوابہ شوق

(وضع دار۔ صوفی منش۔ کہنہ مشوق شاعر)

حبیبہ آباد کے دورِ حاضر کے اساتذہ کائنات میں حضرت خوابہ شوق بھی ایک اہم اور مستند شاعر کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ زائد از ۵۰ برسوں سے اپنی منفرد پہچان کے ساتھ شعری و ادبی محفلوں میں اپنی شاعرانہ عظمت و فیضیت کا بھرپور احساس دلارہے ہیں۔ حضرت خوابہ شوق ایک خاموش طبع، مناسر المزاج، وضع دار صوفی منش شاعر ہیں جو کلاسیکی شعروادب کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں، مختلف ہیں اور فکر کے شاگردوں کی سرپرستی کرتے ہیں۔ ان کے شاگردوں کی اپنی خاصی نفاذ ہے۔ شوق صاحب کے علاوہ ہمارے شہر کے شاعروں میں حضرت اوج بیغولی، سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی اور امیر احمد خسر کے نام بھی خصوصیت کے ساتھ لئے جاتے ہیں۔ ان چار شاعروں میں حضرت اوج بیغولی، سعید شہیدی اور امیر احمد خسر ہم میں نہیں ہے۔

برسوں یہ شاعر حیدرآباد کے سب سے بڑے کل ہند مشاعروں
 اپنی ٹرسٹ اور شکرگنج میں لازماً مدعو کیے جاتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر علی احمد
 جلیلی اور غلام شوق اب بھی مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ خواجہ حبیب
 شوق کو ان کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف میں اردو اکیڈمی آف انڈیا پرزید
 نے ۲۰۱۰ء میں کل ہند مخدوم ایوارڈ سے نوازا گیا ہے ویسے بھی شوق
 صاحب کو ان کی شعری خدمات کے سلسلے میں مختلف اردو اداروں اور
 انجمنوں کی جانب سے ایوارڈز ملنے رہے ہیں لیکن مخدوم ایوارڈ ان تمام
 ایوارڈز کے مقابلے میں ایک باوقار اور اہم ایوارڈ ہے شوق صاحب
 غزلیں بھی کہتے ہیں، نعتیں اور منقبتیں بھی۔ ان کا کلام ان کے
 استاد حضرت صلی اورنگ آبادی کے اسکول کی نمائندگی کرتا ہے۔
 شوق صاحب کا حضرت صلی کے مخصوص اور جدید شاگردوں
 میں شمار ہوتا ہے نہایت قابل و دیدہ و شاعر ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام
 کا مجموعہ صلی علی کے نام سے شائع ہو کر کافی مشہور ہو چکا ہے۔ ان کے
 ہاں غزلیں کا بھی کافی ذخیرہ موجود ہے شوق صاحب کی منتخب غزلوں کا مجموعہ
 کلام ۱۹۸۲ء میں چشم نگر ال کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔
 صاحب اعلیٰ درجہ کی نعتیں اور منقبتیں کہتے ہیں ان کا مذہبی کلام
 عقیدت و احترام اور محبت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے انہیں بزرگات
 دین سے گہرا لگاؤ ہے، صوفیائے کرام کا احترام کرتے ہیں بیسیوں
 اولیائے کرام کی درگاہوں کی زیارت سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔

شاعروں کی زائد از شعری مصروفیات سے ان کا دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ شاعروں کے سوا بھی نگروہ سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ جہاں اچھے لوگ ہوتے ہیں اچھی محفلیں سجتی ہیں وہاں جانا پسند کرتے ہیں آداب محفل کے معاملے میں اپنی آپ مثال ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ وضع داری صرف ان کے حصے میں آئی ہے بڑے سیدھے سادے انسان ہیں معاملت چاہے کسی بھی قسم کے معمول اپنے اصول پر کاربند رہتے ہیں۔ شوق صاحب کا حلقہ احباب بہت وسیع ہو گا لیکن شاعروں کا حلقہ اتنا وسیع نہیں ہے شوق صاحب کے روابط بہت کم لوگوں سے ہیں۔ استاد سخن حضرت ارج بعقوبی بھی ان کے قریب ترین دوستوں میں سے ایک تھے شوق صاحب کے کچھ باضابطہ شاگرد ہیں اور کچھ صرف مشورۂ سخن کرتے ہیں شوق صاحب تختیاں کلام سناتے ہیں۔ ۳۴ برس پہلے نرغم سے کلام سناتے تھے نظامس ٹرسٹ سے مشغول کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ صرف خاص میں کئی برس ملازم رہے اس زمانے میں کئی ایسے شاعروں نے بھی ان سے اپنے کلام پر اصلاح لی جو خانوادہ آصفیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ شوق صاحب کا ایک اہم ادبی کارنامہ حضرت صفی آذرنگ آبادی کے مجموعہ کلام کی اشاعت ہے یہ مجموعہ کلام پراگنہ کے نام سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ کلام کی رسم اجراء تقریب شاندار پیمائے پر ڈیوڑھی مکرم الدولہ پتھرگٹی میں منعقد ہوئی تھی۔ اس رسم اجراء تقریب کے سلسلے میں

کل ہند مشعرہ بھی ہوا تھا مہمان شاعروں میں اردو کے دو عظیم شاعر
 فراق گورکھپوری اور نذیر بناری نے شرکت کی تھی۔ ہندی کے شاعر
 کالی داس گپتا راہی بھی اس مشاعرہ کے داعیان میں سے ایک تھے شوق
 صاحب حیدر آباد کے واحد شاعر ہیں جو ہمیشہ عطر بیز رہتے ہیں۔ محفل
 میں آتے ہی ساری محفل کو خوشبو سے فہکا دیتے ہیں۔ سفید شیزوانی
 ان کا مخصوص لباس ہے شہر کے اکثر مشاعروں میں ان سے ملاقات
 ہوتی رہتی ہے اغلاط کے کئی مشاعروں میں ساتھ رہا ہے کم گو ہونے
 ہوئے بھی غومش مزاج اور سنجیدہ رہا کرتے ہیں۔ مشاعروں میں بہ پایندگی
 وقت شرکت کرتے ہیں ادبی ٹرسٹ اور شنکر جی میموریل سوسائٹی
 کے کل ہند مشاعروں میں پابندی سے مدعو کئے جاتے ہیں حیدر آباد کے
 صف اول کے شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے داد و تحسین سے
 ہمیشہ بے نیاز رہے۔ مشاعروں میں انہیں کہیں بھی کسی وقت بھی
 پرٹھایا جائے پڑھتے ہیں۔ تقدیم و تاخیر کا کوئی خیال نہیں رکھتے
 ادبی ٹرسٹ اور شنکر جی کے مشاعروں میں ان کی نشست ہمیشہ
 صف اول میں ہوتی ہے۔ شوق صاحب کے ہم عصر سید اسانڈہ
 سکندر، علامہ نجم آفندی، حیدر پاشا، حضرت قدر علی، مولانا
 کامل شطاری، سید شیدی، ادرج یعقوبی، علی احمد جلیلی، سیف جموی
 لانا معز لسانی بھی قابل ذکر ہیں۔ حضرت شوق، نعیمہ اور منقبتی
 شاعروں میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کئے جاتے ہیں۔ شوق صاحب کا

علم عروض کے ماہرین میں شمار ہوتا ہے۔ عموماً وہ علمی ادبی و عروضی مباحثوں میں دخل نہیں دیتے لیکن کوئی انہیں بحث کے لئے مجبور کرے تو وہ اپنے قلم کو جانش دیتے ہیں۔ شوق صاحب کی زندگی و صنف داری میں کٹ رہی ہے شہر کی نامور شخصیتوں سے ان کے دوستانہ مراسم ہیں شاعروں ادیبوں کے تمام حلقے شوق صاحب کو پسند کرتے ہیں ان کی قدر کرتے ہیں شوق صاحب ۴۰ برس پہلے شام کے وقت نیا پل سے منقل ہوئی تفریح دکن میں استاد سخن حضرت حاجی یوسفوی کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے شوق صاحب نہایت باکردار و پاک و صاف انسان ہیں۔ میں نے اپنی ۲۰ سالہ شاعرانہ زندگی میں کسی سے بھی یہ نہیں سنا کہ انہوں نے کسی شاعر کی مخالفت کی ہو۔

انہیں شاعرانہ نام و نمود سے کبھی دلچسپی نہیں ہے۔ جرالد کے لئے ان کا کلام نہیں سمجھوانے۔ کبھی کبھی "خوشبو کا سفر" میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے روزنامہ سیاست میں بھی ان کا کلام پڑھنے کو ملتا ہے شوق صاحب جب کبھی مشاعروں میں آتے ہیں تو ان پر نہ صرف شعراء کی بلکہ سامعین کی نظریں بھی جم جاتی ہیں اور دل ہی دل میں ان کا خیر فہم کرتے ہیں۔ کبھی کبھی مکمل غزل سے پہلے مختلف غزلوں کے کچھ منتخب شعر سناتے ہیں۔ شوق صاحب برسوں رہنمائی دکن کے شہری کالم کے ایڈیٹر رہے۔ رہنمائی دکن کے مدیر جناب وقار الدین صاحب سے ان کے اچھے مراسم ہیں۔ شوق صاحب کھلے دل و دماغ کے انسان ہیں پاک و صاف زندگی گزارنے کے عادی ہیں۔ اپنے انداز سے رہنے

ہیں ویسے نو ہر قسم کے شاعروں سے انہیں سابقہ بڑ تلہے لیکن اپنی
 مخصوص روش پر کار بند رہتے ہیں۔ اور ان کی وہ روش اُن کی
 شرافت، نفارت اور انسان دوستی ہے شوق صاحب میری اور
 میرے بعض ساتھی شاعروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ حوصلہ افزائی
 میں مخالفت سے کام نہیں لیتے ہیں اپنے زیر اثر محفلوں میں اُن
 کی شاعرانہ عظمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کبھی صدرِ شاعرہ کی حیثیت
 سے تو کبھی وہاں خنوصی کی حیثیت سے مدعو کیا کرتا ہوں اور وہ
 بہ خوشی شرکت کرتے ہیں۔

خواجہ شوق تھا ہمارے شہر کے اساتذہ سخن میں سے ایک ہیں
 جن کی دل و جان سے قدر کی جاتی ہے۔

محمد منور علی

(وابستگی کی روشن مثال، نامور سیراد و پاپ و صحافی)

جو لوگ وابستگی کے معنی و مفہوم کو پوری دیانت داری کے ساتھ اپنی شخصیت میں سمجھتے ہوئے اپنے جسم و جان کا ایک اہم حصہ بناتے ہیں ان کا نام بھی اعلیٰ ظرفوں کی اولین فہرست میں نمایاں رہتا ہے۔ ایک خاص نقطہ نظر سے کسی شخص یا کسی ادارہ سے وابستگی بھی ایسا خوش گوار عمل ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر سرخ روئی کے ساتھ سرسبز و شاد رہا کرتا ہے۔ مستقل مزاجی ہر اس شخص کا طرہ امتیاز ہوتی ہے جس کے قدم کوئی بھی موکم کیوں نہ ہو کبھی نہیں لڑکھڑاتے۔ ادھر ادھر ہوئے والے لوگ کبھی مطمئن زندگی نہیں گزار سکتے۔ زندگی کے ابتدائی سفر میں جو خوشبو، دل و دماغ کو بہکاتی رہی ہے۔ اُس خوشبو کو تہذیب و گل تر کی طرح نس نس میں سمو لینا باکر دار لوگوں کی زندگی کا اعلیٰ وصف سمجھا جاتا رہا ہے۔ زندگی کے سفر میں ایک انسان کو نئے نئے حالات سے

انکھ ملانا پڑتا ہے۔ دورانِ سفر کئی موسم آتے بھی ہیں اور جاتے بھی ہیں
 لیکن جو لوگ صحیح وقت پر صحیح فیصلے کرتے ہیں اُن کی زندگی کا ایک ایک
 لمحہ چشمہ آبِ رواں کی طرح حیاتِ جاویداں بن جاتا ہے۔ معاشرہ میں
 اپنے انداز سے جینے والے لوگ اپنی ساری زندگی کو آئینہٴ صفات بنالیتے
 ہیں۔ متوازن زندگی، نظمِ حیات اور اعتدال پسندی انسان کو ہمیشہ
 یلندی سے ہمکنار کر دیتی ہے (ارفع و اعلیٰ مقام پر پہنچا دیتی ہے) جو
 لوگ دیانتداری، فرض شناسی اور جذبہٴ وابستگی کے ہر شائستہٴ عمل
 کو ہر صبح کی پہلی کرن سمجھتے ہیں ان کا ایک ایک میل اُجالوں کا ہم سفر
 رہتا ہے۔ اس طرح کی خصوصیات و کیفیات کی آئینہ دار شخصیت
 جنابِ محمد منور علی کی بھی ہے۔ جن کا ہر عمل مثبت اقدار کی پاسداری
 کیا کرتا ہے۔ ملک کے عظیم اخبار ”سیاست“ سے منور علی صاحب کا
 اٹوٹ رشتہ ہے۔ وہ زائد ۵۵ برسوں سے سیاست سے جڑے ہوئے
 ہیں۔ سیاست سے اُن کی وابستگی مثالی ہے۔ اُن کی وابستگی کا ایک ایک
 لمحہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ سیاست کی بہتری و برتری
 اور اُس کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے لئے دیانتداری و فرض شناسی کے
 ساتھ اپنے اٹوٹ رشتہ کو باقی رکھا ہے۔ وہ ”نئی روشنی“ کے چشمہٴ نور سے
 اقتساب کرتے ہوئے سیاست سے اپنی گہری دلچسپی اور وفاداری کا ہمہ لولہ
 ثبوت دے رہے ہیں منور علی صاحب اس وقت سیاستِ اخبار کے سب
 سے سینئر صحافی ہیں۔ بلاوقفہ ان کی خدمات، سیاست کے لیے جاری ہیں۔

ہیں ۱۹۵۹ء میں سیاست اخبار سے محفل شاعر کے کالم کی وساطت سے دن :
 ہوا۔ سیاست اخبار سے میری والہانہ وابستگی آج تک بھی برقرار ہے۔
 منور علی صاحب مجھ سے سینئر ہیں۔ وہ ایک جو نیر صہبائی سے بیکر سینئر صہبائی
 تک کی خدمات کے تمام مرحلوں میں ایک قابل ترین صہبائی کی حیثیت سے
 شہرت رکھتے ہیں۔ جناب عابد علی خان صاحب اور جناب محبوب حسین جگر
 صاحب نے ان کی قدردانیت کو محسوس کرتے ہوئے انہیں سیاست
 سے وابستہ بہت سے اہم کالم میں بھی داخل رکھا۔ منور علی صاحب نے اپنی صحافتی
 زندگی میں سیاست کے لیے شمار انٹرویوز، فیچرز، تقاریر اور موضوعاتی
 مضامین لکھے ہیں۔ مختلف اوقات میں سیاست کے ہر شعبے سے اُن کا
 گہرا تعلق رہا ہے۔ سب سے اہم یہ بات ہے کہ منور علی صاحب کی ساری ملازمت
 اعتماد کی فضاء میں گزری۔ جناب عابد علی خان صاحب اور جناب محبوب
 حسین جگر صاحب سیاست کے ہر اہم مسئلہ پر اُن سے بھی نہ صرف مشورہ کرتے
 تھے بلکہ اُن کی مشاورت سے استفادہ کرتے تھے۔ میں نے بہت قریب سے
 یہ بھی محسوس کیا ہے کہ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کا سلوک منور علی
 صاحب کے ساتھ کبھی بھی ماتحتین کی طرح نہیں رہا۔ ہمیشہ اپنے ایک بہترین
 رفیق کار کی طرح اُن کی عزت کرتے تھے ان دونوں محترم شخصیتوں کی
 زیر سرپرستی انہوں نے اپنی تمام صحافتی زندگی نیک نامی کے ساتھ گزار
 دی۔ سیاست کے بھرپور تعاون سے متوقعہ ہونے والے ادبی طرے کے
 کل ہند مشاعروں کے انتظامی امور کے سلسلے میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہا

کرتے ہیں مشاعروں کی ابتدائی تیاریوں سے لے کر اختتامِ مشعرہ تک وہ ادبی ٹرسٹ سے بھرپور تعاون کرتے رہے۔ آج بھی مشاعروں کے انعقاد کے سلسلے میں ان کی خدمات سے استفادہ کیا جاتا ہے مشاعروں کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ساونیر کے لیے اشتہارات کا حصول ہے جناب عابد علی خان صاحب کی راست نگرانی و رہنمائی میں اشتہارات کے لیے منصور علی صاحب کی خدمات اہم رہیں۔ شعبہ اشتہارات سے ہٹ کر مشاعروں کے دیگر نوجہ طلب امور کی یکسوئی کے لیے بھی وہ بھرپور تعاون کیا کرتے تھے۔ جناب عابد علی خان صاحب کے دولت خانے (عابد منزل) پیرپور نے والے تہذیبی پروگرام کے سلسلے میں وہ سرگرم عمل رہا کرتے تھے۔ عابد علی خان صاحب کے تمام افراد خاندان، منصور علی صاحب کی قدر کرتے ہیں۔ جناب عابد علی خاں صاحب سے وابستہ ہر تقریب میں منصور علی صاحب موجود رہے ہیں۔ جناب محبوب حسین بگرنے اپنی علالت کے آخری دنوں میں سیاست کے انوار ادیب سیر کے ایڈیشن کی ذمہ داری منصور علی صاحب کو سونپی تھی، جگر صاحب کی سونپی ہوئی ذمہ داری کو منصور علی صاحب، جناب زاہد علی خاں صاحب کی زیر نگرانی بہ حسن و خوبی انجام دے رہے ہیں جگر صاحب کے انتقال کے بعد زاہد علی خاں صاحب نے مختلف ایڈیشنوں کا سیاست میں اضافہ کیا۔ ہر ایڈیشن بہترین انداز میں شائع ہو رہا ہے۔ جس سے اخبار کی مقبولیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ایک ماہر صحافی اور نباضِ وقت کی طرح جناب زاہد علی خاں صاحب

سیاست کی مقبولیت کے لیے بہترین مصروف رہتے ہیں۔ آٹھ فیصد سیاست کے زیرِ اہتمام مختلف نوعیت کی ادبی، ثقافتی، فلاحی، ادبی و ملی تقاریب منعقد ہو کرتی ہیں۔ سیاست کا تمام اسٹاف پوری دیانتداری اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف رہا کرتا ہے۔ زاہد علی خاں صاحب کو باصلاحیت، ایماندار اسٹاف کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔ نہ صرف دفتر کے ہر شعبہ میں کام کرنے والے ہی دیانتدار اور فرض شناس ہیں بلکہ تمام رپورٹرس، سب ایڈیٹرس اور نامہ نگاروں کے علاوہ دیگر ملازمین بھی خوش دلی کے ساتھ اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ منور علی صاحب میں اتنے بڑے ادارے سے وابستہ ہونے کے باوجود غرور، تکبر اور انایت جیسی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک نیک صفت سادہ مزاج، اصول پسند پاک و صاف انسان ہیں۔ ان کی وضع و ایجاد مثالی ہے۔ کچھ اس انداز سے اپنی خدمات انجام دیتے رہے ہیں کہ ان سے کسی کو بھی شکایت نہیں ہے۔ نہایت سنجیدہ طبیعت ہونے کے باوجود اپنے مخصوص حلقہٴ اجاب میں گھل کر قہقہہ لگاتے ہیں آداب گفتگو کا لحاظ اور شائستگی طرزِ تکلم ان کا مخصوص وصف ہے منور علی صاحب ہر کس و ناکس کے ساتھ گھل مل جانا پسند نہیں کرتے۔ دفتر کے تمام ساتھیوں سے ان کے خوشگوار تعلقات ہیں۔ شعبہٴ ادبی و تہذیبی ایڈیشن سے تعلق رکھنے والے متعلقہ افراد کا بھی انہیں ہمیں تعاون حاصل ہے۔ زاہد علی خاں صاحب کا سلوک ان کے ساتھ دوستانہ ہے۔ زاہد صاحب، منور علی صاحب کی نہ صرف

عزت کرتے ہیں بلکہ ان پر مکمل بھروسہ کرتے ہیں۔ زاہد علی خاں صاحب کی یہ بھی ایک اعلیٰ طرفی ہے کہ وہ اپنے والد محترم جناب عابد علی خاں صاحب اور چچا جناب محبوب حسین جگر صاحب سے قریب رہنے والوں کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ زاہد علی خاں صاحب کا مربیانہ، مشفقانہ، سلوک، ان کی باوقار شخصیت کا غار رہا کرتا ہے۔ تمام اسٹاف سے دوستانہ ماحول و خوشگوار فضا، میں کام لیتے ہیں۔ منور علی صاحب کی شہر کے تقریباً تمام دانشوروں، شاعروں، ادیبوں سے مراسم ہیں۔ وہ بہت کم لوگوں سے بے تکلف ہوتے ہیں۔ سیاست کے انوار و پیر کے ایڈیٹروں کے مرتب کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری کو نہایت عملدگی سے نبھاتا رہے ہیں۔ منور علی صاحب کی سیاست میں شائع شدہ ادبی، سیاسی و تہذیبی تحریروں کو اکٹھا کیا جائے تو کئی کتابیں شائع ہو سکتی ہیں منور علی صاحب مستند ادیب کی حیثیت سے منظر عام پر آنے کے مستحق ہیں لیکن اس سلسلے میں ان کی اقتدار طبع ہمیشہ حائل رہی۔ اگر منور صاحب کی منتخب تحریریں شائع ہوں تو اردو کے ادبی سرسیرے میں ایک خوشگوار اضافہ ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ صحیح کبھی تو آئے گی لیکن کب آئے گی نہیں معلوم۔ کسی ادارہ سے اتنی لمبی رفاقت کے ساتھ وابستہ رہنا خوش نصیب لوگوں کے لیے ایک بڑا اعزاز ہے۔ میں ہمیشہ اس بات کا قائل رہا ہوں کہ ہر انسان کو اپنی زندگی کے ابتدائی دنوں کو یاد رکھنا چاہیے۔ بہترین مستقبل کا دار و مدار اپنی بنیادوں کا سرمایوں منت رہتا ہے زندگی کے

سفر میں ایک ایک پل ساتھ رہتا ہے۔ منور علی صاحب کی کیا ست
 سے والہانہ دیانتدارانہ وابستگی قابلِ تحسین ہے۔ اس طرح کے
 کشادہ دل و دماغ رکھنے والے لوگوں کے صبح و شام خدا سے قدو
 کے دربار میں سُرُخ رو رہنے کے لیے شکر بجا لایا کرتے ہیں۔

چندر سری واستو

(بے باک ذہین صحافی۔ نامور دانشور)

ہمارے شہر حیدرآباد فرخندہ بنیادیں ہر دور میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی شخصیتوں نے اپنی اپنی صلاحیتوں سے اپنے اپنے میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ کوئی ایک دور بھی تنہی دامن نہیں رہا۔ اگر ہم دورِ حاضر کے ذہین صاحبانِ فکر و خیال یا کمالِ شخصیتوں اور نمایاں خصوصیات کے حامل اربابِ فہم و ادراک کے بارے میں غور کریں تو بہت سے لوگوں میں سے ایک اہم نام ذہین و خیال کے افق پر ابھر کر آئے گا جس کو ہم چندر سری واستو کے نام سے جانتے ہیں۔ چندر سری واستو صاحب ایک ذہین صحافی کی حیثیت سے اپنے شعبہ میں اپنی غیر معمولی ذہانت و صلاحیت کا ثبوت دیتے آ رہے ہیں نہایت قابل و باخبر سینئر صحافی ہیں۔ جناب چندر سری واستو نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز ”رہنمائے کن“ اور ”بھارت نبوز“ سے کیا۔ وہ

رہنمائی کن کی طرح بھارت یوز سے بھی برسوں وابستہ رہے۔ اردو
 تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ انجمن تحفظ اردو کے نام
 سے ایک فعال اور کارکردہ انجمن کا قیام عمل میں لایا جس کے وہ بانی
 جنرل سکریٹری ہیں۔ جناب ایم باگاریڈی سابق کرباسی اوزیر صدر
 اور ڈاکٹر مصطفیٰ کمال جو انٹرنٹ سکریٹری ہیں۔ ایک ریسائے میں
 انجمن تحفظ اردو کی سرگرمیاں بام غروج پر تھیں۔ اردو کے مسائل
 پر حکومت وقت کے ساتھ آئٹھ آئٹھ میں ہنگامہ لاکر بات کرنے والی
 شخصیتوں میں چند سری و استو پیش پیش رہنے تھے۔ اردو زبان
 اور تعلیم اور اس سے متعلق مختلف امور کے سلسلے میں ہمیشہ متحرک
 رہے۔ خاص طور پر پی وی نرسیمہا راؤ کے زمانے میں انجمن تحفظ اردو
 نے اپنی بہترین کارکردگی کا ثبوت دیا۔ چند سری و استو صاحب
 اردو کے تصفیہ طلب مسائل کی یکسوئی کے سلسلے میں ہمیشہ اردو والوں
 کے ساتھ صف اول میں رہے۔ ڈاکٹر کمار اردو ایکڈمی کی حیثیت سے بھی
 کی سرگرمیاں نینز تر ہو گئی تھیں۔ چند سری و استو صاحب فائن آرٹس
 اکیڈمی اور زندہ دلان حیدر آباد کی سرگرمیوں سے بھی دلچسپی لیتے رہے
 علی ہند فیس اتحاد المسلمین کے جلسہ رحمت للعالمین اور نعتیہ مشاعروں کے انعقاد
 کے سلسلے میں بھی ایم رولہ ادا کرتے رہے۔ اب بھی وہ مجلس اتحاد المسلمین
 سے وابستہ ہیں۔ چند سری و استو کا شمار میرے قریبی کرم فرماؤں اور
 دوستوں میں ہوتا ہے۔ ان کے میرے مراسم تقریباً ۳۰ برس سے ہیں۔

اس بات کا اندازہ ہے کہ وہ ہمیشہ میری قدر افزائی کرتے رہتے ہیں
مجھے یہ بھی یاد ہے کہ جب وہ ڈاکٹر کراچی تھے تو انہوں نے حیدر آباد
کے شاعروں، ادیبوں سے اکبڑی کی سرگرمیوں اور اس کی بہتر
کارکردگی کے بارے میں رائے مانگی تھی۔ میں نے ایک طویل خط
مختلف تجاویز کی شکل میں روانہ کیا تھا اس خط میں وضاحت طلب باتیں
بھی تھیں مجھے خوشی ہوئی کہ انہوں نے میری تجاویز پر مثبت انداز میں
غور کیا اور مجھ سے ایک ملاقات میں کہا کہ آپ حیدر آباد کے پہلے شاعر
ہیں کہ آپ نے واضح طور پر بلا کسی تحفظ ذہنی، اپنی تجاویز پیش کیں
چندر صاحب میری شعری وادبی مصروفیات سے ہمیشہ باخبر رہے۔ انہیں
یہ بھی یاد ہے کہ میں پرانے شہر کی مشہور بزم خسرو سخن نے بزم جمیوں کا
سمند تھا جس کے باقی جیموں محل تھے جن کی پتھر گئی پر کپڑے کی ایک ٹری
دکان تھی۔ اُس زمانے میں اس بزم کے زیر اہتمام ہونے والے
مشاعروں کی کافی دھوم تھی۔ میری خواہش پر ایک مشاعرہ کی صدارت
مخدوم محی الدین نے بھی کی تھی۔ شہر کے مختلف مکتب خیال کے شعراء
اُن مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے سالانہ
کل ہند فقیر مشاعرے کے سلسلے میں مجھے چندر سہری و استوا صاحب کا تعاون
حاصل رہا کرتا تھا۔ میں نے مجلس کے زیر اہتمام منعقدہ کئی مشاعروں
کی منعقدگی کے فرائض انجام دیے ہیں پہلے یہ مشاعرے مجلس کے آفس
کی عمارت میں ہوتے تھے جس میں صرف حیدر آباد کے شعراء کلام

نسلے تھے اور مشاعرے جناب عابد علی خان صاحب کی زیر نگرانی ہوتے تھے۔
 عابد علی خان صاحب نے ہی مجلس کے سالانہ جلسہ رحمۃ اللعالمین کے موقع پر
 کل ہند فیضیہ مشاعرہ کا آغاز کیا۔ کئی برس تک عابد علی خان صاحب مجلس کے
 مشاعروں کے نگران رہے۔ ۳، ۴ سال پہلے دو تین مشاعروں کے سلسلے
 میں چند صاحب سے شعراء کی فہرست کو قطعیت دینے کے وقت مجھے
 بٹری ملدی۔ جب نواب شاہ عالم خان صاحب مجلس استقبالیہ کے صدر
 تھے تو اُس مشاعرہ اور استغاثات کے سلسلے میں دو وقتا فوقتاً اجلاس
 ہوا کرتے تھے۔ میں جب مشاعرہ کا معتمد نامزد کیا گیا تو کمیٹی نے اختیار
 دیا تھا کہ میں اپنے طور پر شعراء کی فہرست مرتب کروں۔ چنانچہ میری دی
 ہوئی فہرست کو منظوری حاصل ہو جاتی۔ چاند سری دوست بھی اجلاس
 میں رہتے۔ وہ مسرت محسوس کرتے تھے کہ ناظم مشاعرہ کی حیثیت سے میری
 خدمات حاصل کی جا رہی ہیں۔

۱۱ سالہ جشن حیدر آباد تقاریب جدہ میں بھی اُن کا ساتھ رہا۔ وہ
 جناب سلطان صلاح الدین اویسی صاحب کے ہمراہ شرکت کے لیے آئے تھے
 اُس عالی شان تقریب میں جناب عابد علی خان صاحب، جناب محبوب حسین
 جگر صاحب، شمس علی اختر صاحب، جناب صلاح الدین اویسی صاحب
 نے بھی شرکت کی تھی۔ شہر کے مختلف شعراء حمایت اللہ، مصطفیٰ علی بیگ
 طالب خوند میری، صبغتہ اللہ بمبھاٹ، بوگس حیدر آبادی، علی الدین بوبید
 اور میں نے بھی شرکت کی تھی۔

جناب چندر سری واستو کا تعلق شہر کے مشریف النفس کا منصف
گھرانے سے رہا ہے۔ مشرف یہ اسلام پونے کے بعد اہنود نے اپنا نام
حبیب علی رکھ لیا ہے۔ چندر سری واستو صاحب کو عمرہ کی سعادت بھی حاصل
ہوئی اور انہیں زیارت رسالت مآب کا بھی مشرف حاصل ہوا۔ جب
وہ رہائے دکن میں ایک سینئر صحافی کی حیثیت سے خدمت انجام دے
رہے تھے تو ان دنوں انہیں شہر کے مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے
والی سیاسی، ادبی، سماجی، تہذیبی، علمی و ملی شخصیتوں سے ملاقات
کا موقع ملتا رہا۔ شہر کے تقریباً تمام مشاہیر سے ان کی رسم دراہ ہے مدیران
رہائے دکن لطیف الدین قادری صاحب اور وقار الدین قادری صاحب
کے دست راست کی حیثیت سے رہائے دکن سے وابستہ رہے۔ جناب
وقار الدین کی زیر سرپرستی قائم اند و حرب سوسائٹی کی سرگرمیوں میں
کلیدی رول ادا کیا۔ چندر صاحب نے عراق اور ایران کا بھی دورہ کیا ہے
چندر صاحب چیف منسٹر آندھرا پردیش ڈاکٹر ایم چناریڈی کے منظور نظر
رہے۔ جناب ایم باگا ریڈی سابق رکن پیاریمینٹ سے ان کے دوستانہ
مراکم ہیں۔ چناریڈی صاحب کی چیف منسٹر کے زمانے ہی میں چندر صاحب
ڈائریکٹر اردو اکیڈمی مقرر ہوئے۔ بھارت بیوز کے ایڈیٹر جناب اعجاز
قریشی ان کے قریبی دوست ہیں۔ بھارت بیوز کے کمرہ میں ہی جناب
سیلمان اریب کی ادارت میں ہونے والے ادبی رسالے ”صبا“ کا
دفتر تھا جہاں شہر کے نمائندہ شاعر و ادیب اریب صاحب سے ملاقات

کے لیے آتے تھے۔ جناب چندر سری واستو ایک نڈر و بے باک صحافی ہیں
 بلا خوف و خطر اپنے صحافتی خدمات انجام دیتے رہے۔ اب بھی ان کی خدمات
 کا تسلسل باقی ہے۔ جناب عابد علی خان صاحب اور جناب محبوب حسین جگر صاحب
 سے بھی اردو نگاروں پر رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ مدیر سیاست جناب زاہد
 علی خان صاحب سے ان کے اچھے مراکم ہیں۔ چندر صاحب کبھی کبھی سیاست
 آفس آتے ہیں۔ اگر نہیں موجود رہوں تو مجھ سے ضرور مل لیتے ہیں۔ ہر طاقا
 میں زبان وادب سے میری دلچسپی کو سراہا کرتے ہیں۔ چندر صاحب بہت ہی
 صاف گو، اصول پسند اور دیانت دار انسان ہیں۔ انہوں نے اپنے اشرو
 رسوخ سے کئی ضرورت مندوں کی مدد کی ہے۔ میرے ہم خیال شاعر دوستوں
 میں ناصر کرنولی اور رئیس ختر کو بہت پسند کرتے ہیں۔ مشاعروں اور ادبی
 جلسوں میں بہت کم شرکت کرتے ہیں۔ لیکن انہیں حیدر آباد کے
 شاعروں، ادیبوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہے۔ شہر کے تقریباً تمام اہم
 شاعروں سے ان کے خوشگوار مراسم ہیں۔ پیرانے شہر کے شاعروں میں اوج
 بیچولی صاحب اور سعید شہیدی صاحب ان کے پسندیدہ شاعر تھے۔ فائن
 آرٹس اکیڈمی کے سربراہ حمایت اللہ، شگوفہ کے مدیر ڈاکٹر مصطفیٰ کمال اور
 بھارت نیوز کے ایڈیٹر جناب اعجاز فرشتی کی اہمیت کو وہ محسوس کرتے
 ہیں۔ ان کے رفقاء کے کلام میں حسن فرخ صاحب ان سے بہت قریب ہیں
 چندر صاحب جس زمانے میں اردو اکیڈمی کے ڈائریکٹر تھے اُسی زمانے میں
 انہوں نے اردو اکیڈمی کے پی۔ آر۔ او کی حیثیت سے جناب حسن فرخ صاحب

کا تقرر کیا۔ ان کے زمانے میں جناب اختر حسن اور جناب رشید قریشی بھی اُردو
 اکیڈمی سے وابستہ تھے۔ ان دنوں چند رسی و اسنو صاحب اپنی خرابی
 صحت کی وجہ سے محفلوں میں بہت کم شریک ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے بے
 فکر و خیال اور ان کی ذہانت و فطانت کی روشنی کا ہمیں احساس ہوتا رہتا ہے
 ہر دور میں کچھ لوگ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے بہت سوں
 کے لیے سرمۂ نظر بنے رہتے ہیں۔ آج بھی چند رسی و اسنو جیسے لوگ
 ہمارے معاشرہ میں موجود ہیں۔ میں دل کی گہرائیوں کے ساتھ چند صاحب
 کی اس لیے قدر کرتا ہوں کہ وہ نہایت کھرے، سچے، بے باک، بے خوف،
 خوددار اور بہترین انسان ہیں۔ جو لوگ اپنے نصب العین اور اپنے
 مسلک پر قائم رہتے ہیں وہ ہر دور میں اپنی مقبولیت و اہمیت کے
 ساتھ یاد کیے جاتے رہیں گے۔ چند صاحب کی قابلیت و صلاحیت
 مروت و دیہی کی خوشبو دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے اور یہ خوشبو
 میرے فکر و خیال کو بھی ہمارا ہی ہے۔

اُردو شعروادب اور اُردو تہذیبی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتے تھے میرے سینئر اور جو نینئر ساتھیوں میں محمد عمر، محمد سعید، محمود نواز، غفار، مظہر، علی، حماد اور رحیم الدین غوری، محمد افضل عبد الرحیم، محمد علی عابدی، شانتی کمار، خواجہ حسین الدین، خواجہ بہاء الدین، علیم الدین، افضل حسین، بی آئین واگھرے، نرہار راؤ، پیر جاکند، علی نواز خان، کشن داس، اور ارجن راؤ وغیرہ شامل تھے یہ تمام میرے ہم خیال تھے جو پلاننگ، پمپائیت، رائٹ ڈیپارٹمنٹ، سکریٹریٹ کے مختلف سکشنوں میں معین کیے گئے۔

میری تعیناتی صغیر، انتظامی میں عمل میں آئی۔ منتظم سٹرلہ جو گاراؤ تھے بوڈی سی پی نرہار راؤ۔ یہ دونوں نہایت نفیس، شریف النفس انسان تھے جو دیگر افسروں کی ملازمتوں سے بالکل مختلف تھے۔ اُن کے زمانے میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ حیدر آبادی ملازم سرکار جاکیر دارانہ نظام کے سپرد رہے ہیں، تو اب زار سے ہیں جو آرام طلب ہیں اُن کے کام سے ناواقف ہیں، کام سے عدم دلچسپی رکھتے ہیں (لیکن یہ ساری باتیں غلط تھیں) ہمارے محکمہ کے پہلے سکریٹری مسٹر پی نرسمہ تھے جو انتہائی معزز اور سخت گیر انسان تھے۔ انہوں نے ایک دن نلکا گانہ سے تعلق رکھنے والے ملازمین دیں ڈی سی سے لے کر منتظم تک کو اپنے اجلاس پر بلوایا۔ جیسے ہی ہم لوگ سکریٹری صاحب کے روم میں پہنچے۔ انہوں نے ایک سرسری نظر ہم پر ڈالی اور اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ پھر انہوں نے ڈانٹنے کے انداز میں ہم سے کہا کہ تم لوگوں کو میرے ہاں آتے ہی اپنا تعارف کرانا چاہیے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے جو ایک صف میں روم کی دیوار سے لگے کھڑے تھے اپنا تعارف کر دیا۔ دراصل وہ اپنے اس رویہ سے بھی

ہمیں مرعوب کرنا چاہتے تھے سکریٹری صاحب کے اس اہانت آمیز رویہ سے میں بہت متاثر ہوا اور مجھے یہ احساس ہونے لگا کہ "زمین اپنی قدم دوسروں کے" حقیقت یہ ہے کہ تنگناہ ملازمین نے ملازمت کی ہر سطح پر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ سکریٹریٹ میں میں اپنے مخصوص حیدر آبادی لباس (میردانی) پہن کر یہ احساس دلاتا رہا کہ میں خیر برابری ہوں اور مسلمان ہوں۔ میں سکریٹریٹ میں اپنی ۳۲ سالہ ملازمت کے دوران صرف اور صرف — پنچایت راج ڈپارٹمنٹ میں ہی مامور رہا۔ میری ملازمت کا زیادہ حصہ اکادمی اور آرڈسٹ سکشن میں گزرا۔ مجھے بعض تنگناہ کے ملازم ساتھیوں کے ساتھ ۱۹۵۷ء میں بحیثیت بوڈی سی ترفی ملی۔ پھر میں سکشن آفیسر ہوا اور اسی عہدہ پر ریٹائر ہوا۔ ان تمہیدی محاوروں کے ذریعہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اس زمانے میں سکریٹریٹ میں کہہ کر محالہ ہوتا تھا۔ سکریٹریٹ میں محبانِ اردو کی کافی تعداد تھی۔ لیکن کوئی ادبی انجمن موجود نہیں تھی۔ اُن دنوں سکریٹریٹ میں آئندہ ایگزیکٹو کلچرل ایسوسی ایشن سرگرم عمل تھی جس کے سالانہ جلسے ایک سہ ماہی تک جاری رہتے۔ کلچرل ایسوسی ایشن سے تنگناہ کے ملازمین بھی وابستہ تھے چونکہ یہ آئندہ ایگزیکٹو ملازمین اور تنگناہ ملازمین کی مشترکہ فہذیبی انجمن تھی۔ ہم اپنی کوششوں سے ان سات روزہ پروگرام کے دوران اردو پروگرام کے لئے ایک دن حاصل کر لیا کرتے اس میں بھی ہمیں صرف نصف گھنٹہ کا وقت دیا جاتا تھا کبھی کبھی ہم نے

ایک گھنٹہ کا پروگرام بھی پیش کیا۔ ایک پروگرام میں ہم نے مشاعرہ کا بھی اہتمام کیا تھا جس کا میں کمونیئر تھا اس مشاعرہ میں شہر کی نمائندہ شاعروں نے شرکت کی تھی۔ اردو پروگرام میں کبھی محفل موسیقی ہونی تو کبھی قوالی۔ لطیفہ گوئی، ڈرامہ بھی آرہتا کیا جاتا تھا۔ اردو کلچرل پروگرام کے سربراہ خواجہ بہاؤ الدین، عباس ہاشمی، محمد حسین افضل حسین، حماد علی، شکیل احمد وغیرہ ہوتے تھے۔ اس ماحول میں میں نے تہہ نہ کر لیا کہ کسی طرح سکرٹریٹ میں اردو اسوسی ایشن قائم کی جائے۔ چنانچہ میں نے اپنے دوستوں خواجہ بہاؤ الدین، عباس ہاشمی، علیم الدین، افضل حسین، بی این ونگھری، شکیل احمد، کشا کرن پر بھگت راؤ، نرسہار پڈی کے مشورہ اور تعاون سے سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے نام سے ایک ادبی و تہذیبی ادبی انجمن کا قیام عمل میں لائے۔ جس کے پہلے صدر بھارت چند کھنہ آئی اے ایس، غلام احمد (مشہور کرکبٹر) اسٹنٹ سکرٹری رشید قریشی اسٹنٹ سکرٹری اور جباراؤ ڈپٹی سکرٹریٹ نائب صدر و نامزد کئے گئے۔ مجھے بانی جنرل سکرٹری نامزد کیا گیا۔ سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے زیر اہتمام بے شمار پروگرام ہوتے رہے۔ میں نے سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن سے سکرٹریٹ کے تقریباً تمام مجاہد اردو بشمول عہدہ داران سکرٹریٹ کو وابستہ کیا اس دوسرے نمبر پر نوٹ کے بعد میں ایم اے نعیم ڈپٹی سکرٹری مینارٹنز ڈپارٹمنٹ کڈاٹر اردو اکیڈمی کا سکرٹریٹ کی ابتدائی ملازمت اور

ان کے ادیبانہ ذوق و شوق کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔

شاہ امام اعلیٰ نعیم سکریٹریٹ میں مجھ سے جو نیر تھے جن کا تقریر ۱۹ نومبر ۱۹۶۹ء کو ریونیو ڈپارٹمنٹ میں ہوا انتخاب وہ ڈپٹی سکریٹری میاں فیروز پور نے کے علاوہ ڈائریکٹر اردو اکیڈمی کے عہدہ پرفائزر ہیں۔ نعیم صاحب جاسوہ عثمانیہ سے بی۔ کام اور بی۔ ایل کی ڈگری حاصل کی۔ پس نے نعیم صاحب کو پہلی دفعہ ریونیو ڈپارٹمنٹ میں دیکھا تھا جہاں وہ کارکن ادارہ تھے۔ نعیم صاحب نہایت خاموش، کم آواز اور ایک شریف النفس انسان کی طرح اپنی سرکاری ذمہ داریوں کو سلیقے سے نبھا رہے ہیں نہایت باصلاحیت، اصول پسند، دیانت دار، فرض شناس عہدہ دار ہیں یہ خوبیاں ان میں ان کی ابتدائی ملازمت کے زمانے سے ہی ہیں۔ میں نے سکریٹریٹ میں ان کی ملازمت کے ابتدائی زمانے میں یہ محسوس کیا تھا کہ وہ اپنے کام سے بے حد دلچسپی رکھتے ہیں۔ سکریٹریٹ میں ریونیو ڈپارٹمنٹ بڑی اہمیت کا محکمہ ہوتا ہے۔ نعیم صاحب کی ساری ملازمت یہی ڈپٹی سکریٹری کے عہدہ تک بے داغ اور شفاف آئینہ کی طرح گزری ہے۔ پاک و صاف ان کا سرویس ریکارڈ ہے نہایت ملنسار، بااخلاق، بامروت شخصیت کے حامل ہیں۔ نعیم صاحب ایک دنیدار، پابند صوم و صلوة نیک انسان ہیں۔ نعیم صاحب جب ڈائریکٹر اردو اکیڈمی مقرر ہوئے تو مجھے اس لئے بھی زیادہ مسرت ہوئی کہ میرے سکریٹریٹ کے ایک ساتھی اکیڈمی کے ایک اہم عہدہ پرفائزر ہیں۔ ایک فرض شناس

ایماندار اور پُر وقار شخصیت کو حکومت نے ڈاکٹر اکبڑی کی حیثیت سے مامور کر کے ایک اچھا اقدام کیا ہے صدر نشین اردو اکبڑی بھی جناب سید شاہ نور الحق قادری صاحب کو نعیم صاحب کا بھرپور تعاون حاصل ہے دونوں میں خوشگوار مراسم ہیں دونوں کی یہ دلی خواہش ہے کہ اردو اکبڑی بہتر سے بہتر انداز میں سرگرم عمل رہے۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ پی آر او اردو اکبڑی ممتاز شاعر جناب حسن فرخ کے علاوہ حنیف اکاؤنٹنسی فیر محمد جمی الدین شریف، سینئر سوپر وائزر جناب محمد عمر کا بھی تعاون حاصل ہے یہ تینوں ارکان ان کے با اعتماد رفیق

ان کی فرض شناسی، احساس ذمہ داری اور بہترین نہ کرتے ہیں لیکن ہے کہ دیگر اسٹاف سے بھی وہ مطمئن ہیں نے محسوس کیا ہے تینوں شخصیتیں خراج تحسین۔ نعیم صاحب انتہائی سادگی پسند، پُر خلوص، آئینہ عامل مکتوب کے علاوہ بگنہ کردار مقرب انسان ہیں۔

خاص طور پر ہر اس شخص کے لئے اپنا دامن و تنک نامی کے ساتھ اپنی زندگی کا سفر طے کرتے تھے پھولوں اور پہلہاتے ہوئے موسم گل کی طرح دیب بھی ہیں ان کی دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں افسانوں کے نام سے اور مزاجیہ مضامین کا مجموعہ ”گھر کا نہ گھاٹ کا“ کتابیں ادبی حلقوں میں کافی مقبول ہوئیں۔

جیلانی پیراک

(ہمہ رنگی پیکر - رواں دواں شخصیت)

زندگی کے کچھ ایک خاص رنگ میں ڈھلنے کے لیے یہ ضرور ہے کہ ہمہ رنگی بھولوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ایک ایسے گلدستہ کی تشکیل کی جائے جو مختلف خوشبوؤں کی آمیزش کا مظہر ہو۔ ہمہ اقسام کے بھولوں کو جب ایک جگہ جمع کیا جاتا ہے تو ہر بھول اپنی علاحدہ خوشبو، اپنی علاحدہ پہچان کے ساتھ اپنے وجود کو برقرار رکھتا ہے اور یہ حیثیت مجموعی ایک شکل نمودار ہوتی ہے جو اپنا الگ وجود رکھنے ہوئے بھی ایک مکمل وجود کا حصہ بن جاتی ہے۔ ہمارے معاشرہ میں کچھ ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جو بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں ہوتے ہیں اور ایسے ہی بہت سے لوگ مل جاتے ہیں جو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ ہو جاتے ہیں لیکن ایسے لوگ جو زندگی کے ایک ایک پل میں ڈھل جاتے ہیں ان کی پہچان ان کے مخصوص رہنما ہیں، ان کی مختلف خصوصیات اور ان کی مختلف النور

سرگرمیوں کی وجہ سے باقی رہتی ہیں۔ ایسی ایک شخصیت ہم سب کی نظر میں
 ہے جن کو ہم سب جیلانی پیرا کہتے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جیلانی پیرا کہ
 کی رنگارنگ طبیعت اور بوقلمونیت ان کی شخصیت کا اہم پہلوؤں کا احاطہ
 کرتی ہے۔ جیلانی صاحب ہمیں ہر محفل میں دکھائی دیں گے، ایسے مقامات
 پر بھی نظر آئیں گے جہاں دھوپ اور چھاؤں کے علاوہ ملاحظہ ممکن ہیں
 اور جہاں دھوپ اور چھاؤں سے مانوس اور غیر مانوس افراد بھی سانس
 لیا کرتے ہیں۔ دونوں مقامات پر جیلانی پیرا کہ صاحب نمایاں رہیں گے
 جیلانی صاحب ہمارے معاشرہ کا ایک ایسا متحرک کردار ہیں جو جیلانی
 ہی نہیں ہے سیما صفت بھی ہے جیلانی صاحب کی شہرت ان کی ہمہ تن
 ادبی، فنانی، تہذیبی سرگرمیوں کی ہی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ہر ماحول میں اپنے
 آپ کو جذب کرنے کی ان کی اپنی صلاحیت کی وجہ سے بھی ہے انہیں کہ
 یہاں وہاں ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے وہ پلنگ بھجکتے ہی آپ کی
 آنکھوں کے سامنے جلوہ گر رہیں گے۔ بلکہ جیسے ہی آپ ان کے بالے میں
 سر پھنسیں گے وہ اُسی وقت سے آپ کے ہم رکاب رہیں گے۔ آپ کے ہم سفر
 رہیں گے۔ جیلانی صاحب کی مقبولیت کا ایک اہم راز بھی ہے کہ وہ سب
 کے لیے ہیں کسی ایک کے لیے نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ پیرا کہ صاحب
 کی شخصیت ہمارے معاشرہ میں اہمیت کی حامل ہے۔ جیلانی پیرا کہ
 صاحب کو میں زائد از ہم سب سے جانتا ہوں بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ میں
 انہیں ۱۹۶۶ء سے جانتا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ آج ۲۴ سال پہلے جیلانی صاحب

نے رٹنر ہوٹل کے احاطہ میں موجود سموٹنگ پول کے کنارے پر مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا جس میں اُس دور کے ایک اُبھرتے ہوئے جوان سالِ شاعر کی حیثیت سے میں بھی مدعو تھا۔ اُس دور میں تیراکس کی حیثیت سے جیلانی صاحب کی بڑی شہرت تھی۔ یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں گے کہ جیلانی پیراک صاحب شاعر بھی ہیں۔ ان کی بعض غزلیں سیاست میں شائع ہو چکی ہیں جو ب حسین جگر صاحب کی خواہش پر ۱۹۵۹ء میں میں نے سیاست میں محفلِ شعر کے کام کے مرتب کی حیثیت سے ذمہ داری قبول کر لی تھی پیراک صاحب اپنا کلام ”سیاست“ کے لیے روانہ کرتے تھے۔ پیراک صاحب، جگر صاحب اور عابد علی خاں صاحب کے اچھے دوستوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ یوں بھی ہوا ہے کہ پیراک صاحب مجھے فون پر اپنی غزلیں کھواتے تھے اور وہ غزلیں جگر صاحب کی منظوری کے بعد اشاعت پذیر ہوتی تھیں۔ جیلانی پیراک نے بہت کم شاعری کی ہے۔ میں نے انہیں سموٹنگ پول کے مشاعرہ کے علاوہ ایک دو بار ایڈریس کونسل کے اجلاس میں سُنائے۔ جیلانی صاحب مجھے اور رئیس اختر کو بہت پسند کرتے ہیں۔ ہم بھی اُن کا احترام کرتے ہیں۔ جیلانی صاحب نہایت فطرتاً انسان ہیں لہذا انہوں کی حوصلہ افزائی میں کبھی تنگ نظری اور بغل سے کام نہیں لیتے۔ جیلانی صاحب نے کئی انجینئرز قائم کی ہیں قراءت سوسائٹی کے بانی جنرل سکریٹری بھی ہیں چنانچہ انہوں نے قراءت سوسائٹی کے حوالے سے بیرونی مالک کا دورہ بھی کیا۔ ایڈریس کونسل کے بھی بانی جنرل سکریٹری ہیں جس کے زیر اہتمام کئی

جلے اور مشاعرے منعقد کر چکے ہیں۔ ایڈٹرس کونسل کے ہر اجلاس میں مشاعرہ لازمی طور پر ہوتا ہے۔ میں مشاعرہ کا معنہ درہا کرتا ہوں ایڈٹرس کونسل سے ہمارے شہر کی کئی نمائندہ شخصیتیں وابستہ ہیں۔ فیض انٹرنیشنل اسکی ایشن کے اجلاس میں کبھی کبھی سمیتے رہتے ہیں۔ ہر فن مولائی اصطلاح کا اطلاق جیلانی صاحب کی شخصیت پر پوری طرح ہوتا ہے۔ چاہے وہ علمی و ادبی جلسے ہوں کہ فلمی و تہذیبی تقریبات، ان میں جیلانی صاحب موجود رہتے ہیں شہر کی بعض انجمنوں اور اداروں سے بھی کسی نہ کسی حیثیت سے وابستہ ہیں۔ وہ زمانہ بھی مجھے یاد ہے کہ جیلانی صاحب، عابد علی خان صاحب سے ملاقات کے لیے ہنزہ جمعہ کی صبح دس بجے سیاست "آفس آتے تھے میں اپنے سمول کے مطابق صبح سکریٹریٹ جانے سے قبل ایک گفتہ سیاست میں رہتا۔ عابد علی خان صاحب اور دیگر صاحب کے ساتھ چلے خوشی ہوتی۔ جیلانی صاحب جیسے ہی سیاست آتے دیگر صاحب سے پان کا بیٹو مانا لگتے اور اپنی مرضی سے پان نکال لیتے۔ جیلانی صاحب کا قلمی نام جیلانی پیراک ہے اور تخلص پیراک۔ اصلی نام سید محمد جیلانی۔ ان کی تاریخ و سن پیدائش ۵ مئی ۱۹۳۶ء ہے مقام پیدائش حیدرآباد ہے۔ امریکہ و یورپ، مشرق بعید کا دورہ کر چکے ہیں۔ ان کے رہائشی مکان کا نام ایوان پیراک ہے جو محمد خلیفہ بی بی واقع ہے ان کے مشاغل میں ادبی و تہذیبی، صحافتی و فلمی سر و فیات شامل ہیں۔ جیلانی صاحب کے حلقہ احباب میں بے شمار لوگ شامل ہیں۔ جیلانی صاحب نے نیراکی کے میدان میں بیڑا نام کا ایلب

حیدرآباد میں ہونے والی بیشتر علمی و ادبی و فلاحی و تہذیبی محفلوں میں شرکت کیا کرتے ہیں۔ جیلانی صاحب کے دوستوں، مشناساؤں اور ملاقاتیوں میں ہر عمر کے لوگ ملیں گے۔ ہر ایک شخص سے اس کے مرتبے اور اس کی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ملتے ہیں۔ جیلانی صاحب کسی زمانے میں حیدرآباد کے ایک قدیم اور مشہور اخبار میزان سے بھی وابستہ رہے ہیں جس کے ایڈیٹر حبیب اللہ اویج تھے۔ جیلانی صاحب مزاج کی ہمہ رنگی، کیفیت کی وجہ سے تمام حلقوں میں مقبول ہیں۔ جیلانی صاحب ہمیشہ دوسروں کو بھلائی اور اس کی بہتری کے لیے ہی سوچتے رہتے ہیں۔ صاف دل، صاف گواناں ہیں۔ اسپورٹس ان کا خاص میدان رہا ہے اسپورٹس کے موضوعات پر ان کے مضامین شہر کے اخباروں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مختلف مسائل پر بھی ان کی تحریریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ بعض فعال، علمی، تعلیمی و تہذیبی اداروں سے وابستگی رکھتے ہیں مثلاً شاہ ایجوکیشنل سوسائٹی کے بھی ایک رکن ہیں۔ اپنی عمر کا ایک لمبا سفر طے کرنے کے باوجود آج بھی وہ فعال و کارکردہ کسی باشعور شخص کی طرح معاشرہ کا ایک اہم جزو بنے ہوئے ہیں۔ جیلانی پیراک صاحب کو مختلف النوع تہذیبی و فلاحی خدمات پر ایوارڈز کے علاوہ سال گذشتہ اردو اکیڈمی نے کارنامہ حیات ایوارڈ سے نوازا ہے جیلانی پیراک صاحب کے ہاں مختلف موضوعات پر کئی مضامین موجود ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ ان کے مختلف مضامین کا مجموعہ منظر عام پر آج جیلانی صاحب میری ادبی سرگرمیوں سے خوش ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک خالص انداز ہے اور

ان کا خاص انداز، ان کی شخصیت کا نمایاں پہلو ہے ایسے لوگ جو اپنی مخصوص
 پہچان کے ساتھ معاشرہ میں سانس لیتے ہیں وہ سب کی نظروں میں رہتے
 ہیں۔ جیلانی میرک صاحب کے ذہن و فکر کی اڑان بہت اونچی ہے اونچی سطح
 پر رہ کر سوچتے ہیں اپنی سوچ اور فکر سے یہ احساس دلانا چاہتے ہیں کہ اپنی
 شخصیت کے تعین کے لیے خود اعتمادی، حوصلہ اور جہد مسلسل کی سخت
 ضرورت ہوتی ہے۔ جیلانی صاحب کا احساس جو ان ہے ان کے عند الحکم
 ہمایائی ہیں ان کی شاہین نظر معاشرہ کے ہر شعبہ میں حرارت پیدا کرتی ہے
 کہتے ہیں کہ اگر معاشرہ میں باوقار انداز میں جہتیا ہے تو اپنی پہچان کو باقی
 رکھیں۔ انفرادیت متاثر نہ ہو۔ زندگی کا ہر پل اپنے وجود کا احساس دلاتے
 رہے۔ آخری سانس تک اپنی آن بان باقی رہے۔ جب کبھی جیلانی صاحب
 سے میری ملاقات ہوتی ہے تو ان کے عزائم کی روشنی میرے دل و دماغ کو
 روشن کر دیتی ہے۔ نئے خوشی ہے، پور غم ہے کہ جیلانی صاحب جیسا ہم گیر
 ہمہ رنگی شخصیت کا نئے قرب حاصل ہے۔

حمایت اللہ

فائن آرٹس اکیڈمی اور زندہ دلان حیدرآباد کے رہنما مقبول شاعر

شہر محبت و رواداری، حیدرآباد فرخندہ بنیاد نے ہر دور میں باکمال شخصیتوں کو جنم دیا ہے اس شہر میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی بعض ایسی نامور شخصیتیں بھی گذری ہیں جن کا نام نہ صرف انسانی رشتوں کے حوالے سے ہی روشن ہے بلکہ علوم و فنون، تہذیب و تمدن اور شرافت و محبت کے حوالے سے بھی جگمگاتا رہے گا۔ اس شہر دنوازی قضاویں میں سانس لینے والے لوگ اس دور میں بھی اپنے فن اور اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا احساں دلا رہے ہیں۔ شعری، ادبی و تہذیبی شعور سے بہرہ ور لوگوں کی آج بھی ہمارے شہر میں کمی نہیں ہے۔ دکنی زبان اور اردو تہذیب کے نمائندہ شاعر حمایت اللہ بھی ایک ایسی باصلاحیت شخصیت کے حامل ہیں جو زائد ۵۰ برس سے شعری و تہذیبی

محظوظوں میں سرگرم غل ہیں۔ حمایت اللہ فائن آرٹس اکیڈمی اور زندہ دلاں حیدر آباد کے بانیوں میں سے ہیں بلکہ فائن آرٹس اکیڈمی اور زندہ دلاں حیدر آباد کی نمائندہ شخصیتوں میں سب سے زیادہ متحرک و فعال ہیں حیدر آباد میں تہذیبی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے سلسلے میں یہ واحد اکیڈمی ہے جس کی شہرت نہ صرف ملک گیر ہے بلکہ بیرون ملک میں بھی جہاں جہاں تہذیبی سرگرمیوں اور فنون لطیفہ سے وابستگی رکھنے والے لوگ موجود ہیں وہاں بھی اسے باصلاحیت فن کاروں کے لئے فائن آرٹس اکیڈمی کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ بے شمار فن کاروں نے ان ۵۰ برسوں میں فائن آرٹس اکیڈمی سے استفادہ کیا ہے آج بھی اکیڈمی کے فیضان سے کئی نوجوان فن کار بلا تفریق مذہب ملت مستفید ہو رہے ہیں چاہے وہ حکومتی سطح کے تہذیبی پروگرام ہوں کہ کسی غیر سرکاری اداروں اور اجتماعوں کی محفلیں ہوں۔ فائن آرٹس اکیڈمی کے فن کاروں نے اپنی اہمیت کو منوالیا ہے۔ ۱۹۶۶ء میں جب حیدر آباد میں زندہ دلاں حیدر آباد کی ہنگامی کمیٹی نے حمایت اللہ صاحب بھی میرکارواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ گزشتہ ۳۵ برسوں میں زندہ دلاں حیدر آباد نے اپنے ادبی ثقافتی سرگرمیوں اور مزاحیہ مشاعروں کے ذریعہ کافی شہرت حاصل کی ہے۔ قیام زندہ دلاں حیدر آباد کے بعد سے سالانہ تقاریب میں ہندوستان کا شاید ہی کوئی ایسا طنز و مزاح نگار (شاعر و ادیب) ہوگا جس نے شرکت نہ کی ہو۔

پاکستان کے مزاحیہ شاعروں نے بھی شرکت کی ہے سینیر شاعروں کے ساتھ ساتھ جو نیر شاعروں کو بھی زندہ دلان حیدر آباد نے اپنے دامن میں جگہ دی ہے۔ حیدر آباد کے علاوہ ملک کے بعض شہروں اور بعض بیرونی ملکوں میں بھی زندہ دلان حیدر آباد کے فن کاروں نے اپنے بہتر فن کا مظاہرہ کیا ہے زندہ دلان حیدر آباد کا جہاں کہیں بھی نام لیا جائے گا وہاں خاص طور پر مجتبیٰ حسین، حمایت اللہ، ڈاکٹر مصطفیٰ کمال کے علاوہ ان کے دیگر رفقاء کار مصطفیٰ علی بیگ، طالب خوند میری اور دیگر ارکان کا نام بھی لیا جائے گا۔ زندہ دلان حیدر آباد کا ترجمان ماہنامہ شگوفہ طنزیہ و مزاحیہ ادب میں غیر معمولی خدمت انجام دے رہا ہے خدمات کا یہ سلسلہ ۱۹۶۸ء سے جاری ہے لاتعداد شاعروں، ادیبوں نے شگوفہ سے ذریعہ طنزیہ و مزاحیہ ادب میں اپنا مقام بنا لیا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال نے ایک کاکھنڈیر کی حیثیت سے شگوفہ کے معیار کو برقرار رکھا ہے۔ بیس بیچ سال تک شگوفہ کی مجلس ادارت سے وابستہ رہا ہوں۔ شگوفہ کا سارا کام مصطفیٰ کمال خود انجام دیتے ہیں البتہ کبھی کبھی نامور مزاح نگار مسیح انجم مرحوم بھی تعاون کیا کرتے تھے کچھ عرصہ تک لاہور کے توفیق صاحب کمال صاحب کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ حمایت اللہ صاحب اپنے بہترین پروگرامس کی پیش کش کی بدولت اپنے رفقاء کار کے ساتھ ساتھ کافی شہرت پا چکے ہیں وہ اپنی سرپرستی میں بے شمار پروگرام کروا چکے ہیں حمایت اللہ کچھ برسوں سے دور درشن کے لئے مختلف سرپرستوں میں کام کر رہے ہیں پیشہ

کے اعتبار سے اے کلاس کنٹر اکثر ہیں حمایت صاحب اپنے دینی کلام کے ذریعہ تقریباً ہر مشاعرہ میں کامیاب رہتے ہیں وہ آداب مشاعرہ سے خوب واقف ہیں مشاعروں میں دیر تک کلام سنانے سے گریز کرتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ دوسرے شاعروں کا وقت لیں۔ دیر تک مانگ پر نہ رہنے کی کبھی انہوں نے خواہش نہیں کی البتہ عوام کے بے حد اصرار پر حقوڑا سا وقت سامعین کی نذر کرتے ہیں اپنا کلام کبھی تحت الفظ میں سمجھی رزم میں سناتے ہیں لیکن زیادہ تر تحت میں ہی سناتے ہیں۔ حمایت صاحب ایک نیک دل شریف و ہمدرد انسان ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی ساری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ مقصد ہے دوسروں کی مدد کرنا۔ دوسروں کی مدد کرتے ہوئے انہیں بے حد خوشی ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے اس پاس ان کے احباب اور ضرورت مند مہمرا جمع رہتے ہیں ان کے احباب کا دائرہ کافی وسیع ہے ہر شعبہ حیات کے لوگوں سے ان کی ر کم و راہ ہے حمایت اللہ کئی خوبوں کے حامل ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ان کا کوئی ایک دوست بھی اپنے کسی دوست سے خفا نہ رہے۔ حسن جید آباد، تھانہ جدہ کے سلسلے میں حیدر آباد سے جناب عبدالعلی خان، محبوب حسین جگر، صلاح الدین اولیٰ، نر سید دوست محمد، ڈاکٹر نیکم کے علاوہ شاعروں میں حمایت اللہ، صلاح الدین بیر، مصطفیٰ علی بیگ، طالب خوند میری، علی الدین نوید، صبغت اللہ بھارت اور بوگس جید آبادی نے شرکت کی تھی۔ حمایت اللہ صاحب کی قیادت میں

اہم تمام شاعر شاعر کے لیے خانہ بیت اللہ اور رسول پاک کے قدموں
 میں سر جھکا کر دینے والے گئے تھے خانہ کعبہ کے احاطہ میں داخل ہونے
 سے پہلے تمام شاعروں نے اپنی اپنی ربر کی چیلیں اتار دیں۔ انہوں نے
 تمام شاعروں کی چیلیں خود ایک تختیلی میں ڈالیں اور ایک مقام پر
 رکھ دیا وہاں پہنچے انہوں نے بہت دور تک چیلوں کی تختیلی کسی اور
 شاعر کو لینے نہیں دی۔ ایسا ہی عمل انہوں نے زیارت رسول سرور عالم کے
 موقع پر کیا تھا۔ مکہ و مدینہ کے سفر میں حمایت اللہ صاحب نے ہمارے
 سالار قافلہ کی طرح ہمیں ہر قسم کی سہولتیں فراہم کیں۔ ہم زائد از ایک ہفتہ
 جدہ میں رہے۔ اس جشن کے اہم منتظمین میں ڈاکٹر شمس باہر، سعید بن
 محسن باعترال، ابو عبسلی خان، عارف قریشی اور دیگر حیدر آبادی تھے میں
 نے حمایت اللہ کے ساتھ کئی کل ہند شاعرے پڑھے ہیں حمایت صاحب کے
 ساتھ سفر کرنے میں بڑی سہولت دیتی ہے۔ زندہ دلاں جدہ رآباد کی ہر
 میٹنگ میں میں نے حمایت صاحب کو مسجد گ سے گفتگو کرتے ہوئے پایا ہے
 ان کی بات میں وزن و مہلہ میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ کوئی بھی ملٹر
 کیوں نہ ہو اگر اس کی تاہید حمایت اللہ صاحب کرتے ہیں تو دوسروں کو
 مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی البتہ سیاست، عابد علی خان صاحب
 اور دیگر صاحب سے ان کا دیرینہ رابطہ خاص رہا ہے اب بھی وہ سیاست
 سے الٹ رشتہ رکھتے ہیں اعلیٰ کردار کے حامل انسان ہیں۔ وہ ایک
 دیگر محکم گیر کے قائل ہیں شہر کے دوسرے اخباروں کے سربراہوں سے ان کے

اچھے مراسم ہیں لیکن جو ذہنی ہم آہنگی انہیں سیاست سے ہے وہ کسی اور
 اختیار سے نہیں ہے جب بھی حمایت اللہ صاحب سیاست کرتے
 عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب انہیں دیکھ کر خوش ہوتے تھے ان سے
 مشفقانہ سلوک روا رکھتے تھے سیاست سے متعلق کوئی تہذیبی پروگرام
 ہو تو مشورہ کرتے تھے اور ان سے ضروری تعاون حاصل کرتے تھے حمایت اللہ
 صاحب کے قریب ترین دوستوں میں مصطفیٰ علی بیگ بھی ہیں۔ جن کا
 دوستی قابل رشک ہے دھل راؤ سے بھی کافی گہرے مراسم رہے ہیں۔
 فائن آرٹس اکیڈمی کے توسط سے بے شمار فن کاروں کو شہرت دلوائی۔ مدیر
 شگوفہ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال ان کے بہترین دوستوں میں سے ہیں زندہ دلان
 حیدر آباد کی ادبی تقاریب میں حمایت اللہ کے ساتھ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال بھی
 کلبیدی رول ادا کرتے ہیں۔

بوگس حیدر آبادی اور مسیح انجمن حرم بھی زندہ دلان حیدر آباد کے
 اہم ارکان ہیں سے تھے۔ عابد علی خان صاحب کے دولت خانہ پر جب کبھی
 کوئی محفل شعر یا محفل قوالی ہوتی تو حمایت صاحب کو لازماً مدعو کیا جاتا۔
 حمایت اللہ صاحب کی خریک حیات ڈاکٹر رشید موسوی نہایت سنجیدہ
 طبیعت کی معزز خاتون ہیں۔ وینکٹ راماریڈی وینس کان کن ہیں صدر
 مشیر اردو جہیں حمایت اللہ کا نا حال کوئی ایک مجموعہ کلام شائع نہیں
 ہوا۔ حمایت اللہ شاعروں کے سلسلے میں سعودی عرب کے علاوہ امریکہ کا بھی
 دورہ کیا ہے امریکہ نہ دعوہ جاکے ہیں لندن بھی گئے ہیں وہ ایک محنت مند

احمد علی فن کار ہیں اور ان کا سفر جاری ہے

اکثر یوں ہوا ہے کہ اگر کوئی نمائندہ ادبی و سیاسی شخصیت
 حیدر آباد آجاتی اور اگر ان کے مراسم جناب عابد علی خان سے ہیں تو عموماً
 ڈنر کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ عشاء کے بعد محفل موسیقی ہوتی، محفل شعر
 بھی ہوتی۔ ایسے موقع پر عابد علی خان صاحب کو حمایت الہد صاحب کا
 بھرپور تعاون حاصل رہتا۔

راشد از

(صاف باطن - روشن دماغ شاعر)

کائنات میں پھیلے ہوئے اندھیروں کو دور کرنے کے لئے جس طرح کسی کرشماتی اثر کو ضروری سمجھا جاتا ہے اس طرح فکر و فن کے دھند کو بے اثر کرنے کے لئے روشن دماغ، دل پر نور رکھنے والے فن کاروں کا وجود ضروری ہے ایسا تخلیق کار جو کائنات کے ذرہ ذرہ کو اپنے فکر و خیال کے دائرہ میں محصور کرنے کا فن جانتا ہے اور جو اپنی اعلیٰ فکر کی روشنی میں اپنے مشاہدات و تجربات کو تخلیقی توانائی عطا کرتا ہے۔ وہ اپنے فکر و فن کے ذریعہ نہ صرف اپنی ذات و صفات کو اجالوں کا ہم درجہ بنا دیتا ہے بلکہ انسانی رشتوں کی تہذیب کو بھی چار چاند لگا دیتا ہے فکر فصیح ہو تو تخلیق بھی پُر اثر ہوتی ہے مشاہدات میں بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت کی بالادستی کو تسلیم کرنا بھی ایک کارہائے نمایاں سمجھا جاتا ہے جن شاعروں، ادیبوں کے دل کی بات

دیانت داری کے ساتھ صفحہ قرطاس کی آبرو بڑھاتی ہے اُن جیسے فنکاروں
 میں میں یوں تو بہت سے مل جائیں گے جو راشد آذر جیسے باشعور
 شاعروں، ادیبوں کی صف میں رہتے ہوئے بھی کبھی سب کے ساتھ تو
 کبھی سب سے الگ دکھائی دیں گے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ایک
 تہنہ انسان، مہموم میں رہ کر بھی تہنہ رہتا ہے لیکن اس کی تہنائی میں ہجوم
 بھی کار فرما رہتا ہے۔ اس طرح کی منقضا کیفیات سے فلمکاروں کو
 اکثر گزرنا پڑتا ہے۔ جن حالات میں شاعر کو اپنے باشعور ہونے کا
 احساس دلانا پڑتا ہے ایسے شاعروں میں بہت سے شاعر ہمارے
 شہر میں ملیں گے لیکن راشد آذر کا شاعرانہ رتبہ خود ان کے لئے کم گزرتا
 بنا رہتا ہے۔ جو شخص تمام زندگی سچ بولتا رہا ہو۔ مصلحت کو شے سے
 دور رہا ہو، سازشی ذہنوں کی سرزنش کرتا رہا ہو ظلم کے خلاف آواز
 اٹھاتا رہا ہو اور کسی کے لئے بھی ضرر رساں نہ ہو ایسا شخص راشد آذر
 ہے جس کی پہچان ہمارے شہر کے شاعروں میں ایک صاف گوئیے با
 پاک باطن اور روشن دماغ شاعر کی حیثیت سے باقی ہے۔ خوشی کی
 بات ہے کہ ایسا نفیس شاعر ہمارے درمیان آج بھی اپنی شاعری کے
 ذریعہ منت سنئے پھول کھلا رہا ہے۔ راشد آذر ایک ایسے وسیع راز
 شاعر ہیں جن سے مراکم رکھنا، مراکم بڑھانا ہر کس وناکس کے لئے اتنا
 آسان نہیں ہے۔ راشد آذر خود بھی ایسے ہی شاعروں، ادیبوں کو اپنا
 دوست بناتے ہیں جو دکنی کی قدر و قیمت جانتے ہیں۔ رشتوں کی

سچان رکھنے ہیں اور ایک مہذب شہری کی حیثیت سے سیار کی کوٹی پر چڑھ کر اترتے ہوں۔

راشد آذر اپنے بہترین اوقات کو بہترین ماحول میں گزارنا پسند کرتے ہیں۔ اچھے خاندان، اچھے ماحول کے آدمی ہیں۔ پاک و صاف کردار کے انسان ہیں انسانی رشتوں کے نذر دان ہیں دوسروں کی عزت کرنا جانتے ہیں۔ دوسروں کا حلقہ کچھ اتنا وسیع نہیں ہے لیکن جتنے بھی اچھے احباب ہیں ان ہی پر اکتفا کرتے ہیں راشد آذر کا کہنا ہے کہ دوست کم ہوں لیکن ایسے ہوں جو بے ریا ہوں اور جن کی شخصیت شفاف لکینہ کی طرح ہو۔ معاشرہ کے لئے قابل قبول ہوں۔ وہ بہت کم خود بہترین انسان ہوں۔ باشعور ہوں اچھے بُرے کی تمیز کرتے ہوں۔ راشد آذر کے دوسروں میں کون انہم ہیں کون غیر انہم، مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے وہ میرے دوست ہیں اور میں ان کا دوست ہوں میرے لئے یہی کافی ہے۔ ہماری دوستی شعروادب کے حوالے سے برقرار ہے۔ شعروادب ہی ہماری دوستی کی بنیاد ہے۔ راشد آذر کے ساتھ میں نے بیسیوں مشاعروں سے پڑھے ہیں لیکن انہوں نے ایسے ہی مشاعروں میں شرکت کرنا پسند کیا۔ جہاں کا ادبی ماحول ان کے مزاج کا آئینہ دار تھا۔ سیار کی مشاعروں (معیاری محفلوں سے وابستگی راشد آذر کا وتیرہ ہے۔ راشد آذر کا کلام میں نے پہلی دفعہ ماہنامہ صبا میں پڑھا تھا جو سلمان اربیب کی زیر ادارت

شائع ہوتا تھا۔ راشد آذکی بیشتر نظمیں اور غزلیں عبا میں شائع ہوتی تھیں آج کل، سب رس، شب خون اور دیگر ادبی رسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ اخبار سیاست کی معرفت بھی ہم ان کے کلام سے مستفید ہو رہے ہیں اس وقت پروفیسر منشی تبسم ان کے بہترین دوستوں میں شمار کئے جاتے ہیں راشد آذر نغم بھی انہیں غزلیں، قطعات اور رباعیات ہی کہتے ہیں ان کے تاحال حبِ ذل شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں نقوشِ آفر - صدائے تیشہ - آہِ بیلہ خاکِ انا - زخموں کی زبان - منزلِ شوق - جمع و خرجِ وفا - اندوختہ ان میں سے بعض کتابوں پر ملک کی بعض اردو اکیڈمیوں سے انعام مل چکا ہے جیدہ آباد کے مرحوم شعراء میں سلیمان اربیب، خیرات ندیم - وحید اختر - شاذ نکلت، ابن احمد تاب، غریب زبانی ان کے دوستوں میں شامل تھے ان کے سینئر شاعروں میں مخدوم محی الدین، شاہد صدیقی، سعید شہیدی، غوثید احمد جانی، اور امیر احمد حمزہ ان کے پسندیدہ شاعر ہیں۔ بہ قید حیات شاعروں میں ڈاکٹر علی احمد، الکافنی، قیس، رئیس اختر سے ان کے گہرے مراسم اور دوستانہ روابط ہیں۔ میں بھی ان کی نظروں میں رہتا ہوں۔ راشد آذر شروع سے ہی مشاعروں میں کم کم شریک ہونے کے قائل ہیں ویسے وہ ادارہ ادبیہ اردو، انجمن ترقی اردو کے علاوہ شہر کے بعض مخصوص مشاعروں میں کلام سنتے ہیں۔ راشد آذر کو "نئے ادب" میرا شہر بہرے لوگ

بعض مشاعروں میں بر حیثیت یہاں خصوصی شرکت کی زحمت دی۔
راشد آذر سے شخصی ملاقات نہیں ہونے کے برابر ہے البتہ فون پر
گفتگو ہوتی رہتی ہے راشد آذر اور میں نے انجن نرئی پسند مصنفین
کی ادبی سرگرمیوں کو بکند یوں پر پہونچایا تھا۔ ہم دو بڑی تقریباً
۶ برسوں تک انجن سے وابستہ رہے راشد آذر ملنے آئے اور میں
شریک ہونے لگے۔ ہمارے زمانے میں انجن کے جلسے ہر ماہ نہایت پابندی
کے ساتھ ہوتے تھے۔ ابتداء میں کچھ جلسے اردو ماہ میں ہونے پھر
ہم نے مستقل طور پر اپنے جلسوں کے لئے ہنری مارٹن انیشیوٹ کو
منتخب کیا۔ انجن سے ہماری وابستگی کے زمانے میں عبید آباد کی
ادبی انجمنوں میں انجن نرئی پسند مصنفین ہی ایک ایسی انجن رہی
جس کے جلسے ہر ماہ بہ پابندی مقررہ وقت پر ہوا کرتے تھے۔ ایک
جلسہ تو ہم نے صرف ایک سماج کی موجودگی میں شروع کیا تھا۔ ابتداء
میں وقت کی پابندی مشکل ضرور رہی لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا
کہ تمام ارکان مقررہ وقت سے پہلے ہی موجود رہنے لگے۔ انجن کے
جلسوں کے لئے ہم انجن کے سرپرست ڈاکٹر راج بہادر گوڈ سے رہنمائی
ماہل کرتے تھے ان کے مشوروں اور ان کی رہنمائی کو اہمیت دیتے تھے
راشد آذر ادبی ٹریسٹ اور شکر جی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں
میں کلام سنا رہے ہیں۔ اضلاع کے مشاعروں میں شرکت سے گریز
کرتے ہیں۔ شہر کے بعض خصوص مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ دلی کے

ایک مشاعرہ میں جو آل انڈیا ریڈیو دہلی کی جانب سے اسٹیوڈیو میں منعقد ہوا تھا حیدرآباد سے راشد آذر اور راقم الحروف نے شرکت کی تھی۔ اس وقت زبیر رتنوی ڈائریکٹر آل انڈیا ریڈیو تھے اس مشاعرے میں ایسے ہی شاعروں کو مدعو کیا گیا تھا جن کی پہچان (ادبی رسائل اور ان کی تصانیف کی وجہ سے) راشد آذر نے بیرون ملک، برطانیہ اور امریکہ میں بھی مشاعرے پڑھے ہیں۔ شہر کے نامور شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ میر کی غزل گوئی ایک نثری عنوان نثر میں ان کی ایک بہت ہی عمدہ کتاب شائع ہوئی ہے راشد آذر کو تمام اصنافِ سخن میں شعر کہنے کا ملکہ حاصل ہے آزاد، مولانا ظہیر، بڑی روانی کے ساتھ کہتے ہیں رباعیات کا ایک مجموعہ بھی شائع ہوا ہے۔ راشد آذر ماہر علمِ عروض ہیں فارسی زبان پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ انہیں انگریزی ادب سے بھی گہرا لگاؤ ہے۔ ادبی مباحثوں میں بھی کبھی کبھی حصہ لیتے ہیں۔ آندھرا پردیش اُردو اکیڈمی کی مختلف کمیٹیوں سے بھی وابستہ رہے۔ زمرہ شاعری میں نثر کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ ان کی کتابوں پر سنانام اول ملتا رہا ہے۔ ادبی نظموں میں نہایت شائستگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آدابِ عقل کا خیال رکھتے ہیں بیرون شاعروں میں مجروح سلطان پوری، علی سردار جعفری، کیفی اعظمی، اختر الایمان اور جاں نثار اختر سے ان کے شخصی مراسم رہے۔ شہر بار زبیر رتنوی سے بھی اچھا خاصہ یارانہ ہے۔ راشد آذر کے والد پروفیسر

حسین علی خان ^{صاحب} انگریزی کے ایک لائق ترین استاد تھے جو نظماً اکالغ
 سے وابستہ تھے ان کی والدہ محترمہ معصومہ بیگم ریختی وزیر خفیں جو
 کانگریسی خفیں۔ راشد آذر نرقی پسند رجحانات کے حامل روشن خیال
 اور روشن ضمیر شاعر ہیں۔ حیدر آباد کے ترقی پسند ماحول سے بہت
 قریب رہے ہیں۔ ان کی شاعری میں ترقی پسند خیالات تو ہیں ہی
 لیکن کلاسیکی شعریت کا اثر بھی بہت زیادہ ہے۔ میر تقی میر
 کے کلام کے عاشق ہیں۔ میر کے بیسویں اشعار انہیں یاد ہیں۔ غالب
 کے پرستاروں میں ہیں ساتھ ہی انہیں مومن کی کج کلاہی بھی پسند ہے
 فیض کی طرح انہیں مجروح کا علی سردار جعفری اور مخدوم کے بانچہ
 نے بھی متاثر کیلئے۔ وہ فراق، جگر اور جوش کی شاعرانہ عظمت
 کے قائل ہیں۔ حسرت موہانی اور علامہ اقبال کی شاعری بھی ان کے دل
 دماغ کو روشنی عطا کرتی ہے۔ سیاست، عابد علی خان اور محبوب حسین جگر
 سے ان کی وابستگی رہی۔ سیاست اخبار گاہ بھی ان کی ذہنی ہم آہنگی
 برقرار ہے۔ ہمارے شہر کے لئے ایسے شاعروں کا وجود بھی سرچشمہ
 فیضان سمجھا جاتا ہے جن کی شاعری انسانیت کا پیغام دیتی ہے۔ ظلم و
 استبداد کے خلاف آواز بلند کرنے والی راشد آذر کی شاعری دل
 دماغ کو متاثر کرتی ہے۔ ان کی رومانی نظیں، لطیف جذبات
 کو تسکین عطا کرتی ہیں۔ بعض نظیں دلوں کو چھو لینے والی ہیں۔
 راشد آذر نے مساعی نظیں بھی کہی ہیں لیکن ان کی رومانی نظموں کی

ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید

صاحب طرز ادیب و نقاد۔ معتمد شاعر۔ ممتاز ماہر تعلیم

علمی و ادبی معاملات میں بھی ارباب فکر و دانش کروا رہی ہیں۔
 کا تعین نہیں کرتے۔ کئی برس تک اعلیٰ مرتبہ تخلیق کاروں، صاحبانِ علم
 آہی کی صلاحیتوں کو پرکھا جاتا ہے ان کی تخلیقات کے مختلف گوشوں کا
 جائزہ لیا جاتا ہے۔ ان کے ذہن و فکر کی وسعتوں پر گہری نظر رکھی جاتی ہے ان
 کی صلاحیتوں کی ہمہ رنگی کیفیت پر برسوں غور کیا جاتا ہے۔ یہ کسی اہل قلم
 کو دانشور اور شعرداد کی اعلیٰ صف میں شامل نہیں کیا جاتا۔ اس کے ساتھ
 قلم اور اس کی فکر کی گہرائی کا یہ غور بخیر یہ کیا جاتا ہے تب کہیں جا کے باکمال
 قلم کاروں کے فن اور شخصیت کو تسلیم کیا جاتا ہے مخیر یہ نگاروں کی نظروں میں
 اس طرح کی خصوصیات کے حامل صاحب طرز نامور اور ممتاز شاعر و نقاد بہترین
 ماہر تعلیم اور دانشور ہندو شہری ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید جی شخصیت بھی
 رہا کرتی ہیں۔ ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید زبان اور شعر و ادب کے ایک غامض

خدمت گزار رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ درس و تدریس کے
مدرسہ پیشینہ سے وابستہ رہ کر گزارا۔ مادرِ جامعہ عثمانیہ کے لائق فرزندوں میں ان
کا شمار ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید صدر شعبہ اردو سری ویکٹشور یونیورسٹی
نروپی کی حیثیت سے بے شمار نندگانِ علم کی پیاس بجھا کر وظیفہ حسن خدمت پر
سبکدوش ہوئے۔ پروفیسر جاوید آج بھی یونیورسٹی کے لٹرائے کی مصروفیات کی طرح
علم و ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ تحقیق و تنقید
کے موضوعات پر ان کی کتابیں تمام اربابِ علم و دانش سے خارج حاصل کرتی رہتی
ہیں ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید نہ صرف اعلیٰ درجہ کے ادیب ہیں بلکہ لاجواب
صحافی بھی ہیں۔ رہنمائے دکن میں ان کے شائع شدہ ادارے آج بھی قدس کی
نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں جامعہ عثمانیہ میں جس وقت وہ ایم اے کے طالب علم
تھے تئیں ہی انہوں نے رہنمائے دکن سے اپنے آپ کو وابستہ کیا۔ انہیں اپنے
شعری و ادبی و صحافتی مصروفیات کے سلسلے میں کئی مقامات پر کام کرنا پڑا۔ اپنی
ابتداء زندگی کے زمانے میں کافی گدو کاوش اور مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑا
مسلک کشمکشِ حیات سے گزرتے ہوئے انہوں نے سری ویکٹشور یونیورسٹی
نروپی کے شعبہ اردو کے بے شک کی سانسوں میں جہاں وہ بکھر رہے
ریڈر اور پھر پروفیسر رہے۔ سلیمان اطہر جاوید کو ملک کی تمام یونیورسٹیوں کے
سربراہ قند کی ہکا بھو سے دیکھنے ہیں۔ ان کے علمی کارناموں اور ان کی قابلیت
سے استفادہ کئے مختلف سبکاروں، سمپوزیم اور جامعات کی مختلف کمیٹیوں
میں شامل کیا گیا۔ ان کے زیر نگرانی بہت سے طالب علموں نے پی ایچ ڈی کی

ڈگری حاصل کی۔ جاوید صاحب قابل ترین استاد کی حیثیت سے علمی و ادبی حلقوں اور جماعت کی محفلوں میں پسند کئے جاتے ہیں۔ اس ناشراتی مضمون میں اتنی غوثی نہیں ہے کہ میں ان کے فن اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر کچھ زیادہ معلومات فراہم کر سکوں۔ سچ تو یہ ہے کہ جاوید صاحب کی زندگی کا ہر لمحہ فکر و دانش کے آئینوں کو چمکانے میں معروف رہا کرتا ہے۔ ڈاکٹر سیمان الطہر جاوید سے یقیناً میری ابتدائی شاعرانہ زندگی کے دوران ملاقاتیں رہی ہوں گی لیکن مجھے کوئی ایسا واقعہ یاد نہیں ہے جہاں سے میں ان کی ملاقات کے سلسلے کو بنیاد بنا سکوں۔ البتہ مجھے اتنا ضرور یاد ہے کہ ۱۹۶۰ء میں جب وہ رہنمائے دکن کے لئے ادارے لکھنے تھے اس وقت میں ان کے نام اور کام سے واقف ہوا۔ میں وہ ادارے شوق سے پڑھتا تھا پھر جب انہوں نے رشید احمد صدیقی کی شخصیت اور فن پر اپنی ڈیڑھ لکھ مقالہ کھا تو ان کی ادبی شہرت میں اضافہ ہونے لگا۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی میرے بہت ہی پسندیدہ ادیب ہیں۔ میں نے اپنا طالب علمی کے زمانے میں اردو ناول پٹی او ایل اور ایم او ایل کے نصاب کے مطالعہ کے دوران رشید احمد صدیقی کی تحریروں کا یہ غور مطالعہ کیا تھا۔ ان سے نیاز حاصل کرنے کا بھی اعزاز حاصل ہے جبکہ وہ انجمن ترقی اردو کے ایک سالانہ جلسے میں حیدرآباد تشریف لائے تھے انجمن ترقی اردو کی جانب سے اردو سال میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کا تھانیاں شان خرم قدم کیا گیا تھا۔

پروفیسر جاوید کی قابلیت کا شہرہ علمی و ادبی حلقوں میں ان کی طالب علمی

کے زلمے سے ہی ہوا۔ ان کی ادبی تحریریں ملک کے میاں ادبی رسائل میں شائع ہونے لگیں جن سے بے شمار محبانِ اردو اور لائقِ قلم کاروں اور دانشوروں کو ان کی علمی و ادبی حیثیت کے بارے میں غور کرنے کا موقع مل اور آج الحمد للہ ملک اور بیرون ملک کے تمام علمی و ادبی علقوں میں ڈاکٹر جاوید کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر جاوید سے میری ملاقات بہت کم رہی۔ اس کا اصل وجہ یہ ہے کہ وہ حیدرآباد میں بہت کم رہتے تھے سری نیکٹشور ایونیورسٹی نزدیکی نے انہیں اس بات کا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ حیدرآباد کی ادبی محفلوں میں موجود رہا کریں۔ جب بھی وہ حیدرآباد آتے تھے نہ کہیں ادبی جلسوں میں ملاقات ہو جاتی تھی۔ اردو اکیڈمی آندھرا پردیش کے مختلف کمیٹیوں میں کپڑے کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکے ہیں۔ میری اپنی ادبی زندگی کے زمانے میں میرے دو شعری مجموعوں پر تبصرہ کر چکے ہیں۔ ان کا ایک تبصرہ جو انہوں نے میرے شعری مجموعہ "ہمام" پر ترازہ — پر ۳۰ سال پہلے رہنمائے دکن کے "کھانا بھری کتاب" قافلہ چلنا ہے گا "میں شامل ہے۔ یہ بکے گئے بھی مونیوں پر گفتگو کیجئے آپ کو ملے گا کہیں گے ادب کے تمام شعبوں پر ان کی گہری نظر ہے۔ ان کے اکثر مزے امین اس بات کے غماز ہیں۔ وہ تبصرے علمی کے ایک شامکار ہیں ادب کا شاہد ہی کوئی ایسا موصوفہ ہو گا جس پر جاوید صاحب نے قلم نہ اٹھایا ہو۔ ان کے تبصروں اور ان کی تنقیدوں کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ممتاز نقاد پروفیسر احتشام حسین کے

اسکول کی نمائندگی کرنے ہیں۔ کتابوں پر جاوید صاحب کے تبصرے نوازین کا دامن
 تھلے بیٹھے رہتے ہیں۔ اگر کسی کو نخر پیر یا شاعری میں کوئی افنی سقم ہو تو
 اس سبقت سے نشاندہی کرنے پر کہ صاحب تعریف ان کا احسان اُمید
 رہتا ہے۔ جاوید صاحب، وخبہ حسن خدمت پر سبکدوش ہونے کے بعد
 جب حیدر آباد آئے تو کچھ مہینوں کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد لونیو سٹی
 سے وابستہ ہو گئے۔ ان دنوں وہ روزنامہ سیاست کے نئے ادبی ڈائری
 میں اپنا کوئی ایک مضمون ہفتہ وار سی کالم کے لئے لکھتے ہیں۔ ادبی جلسوں
 کی رویتاد کی پیش کشوں کے علاوہ ادب کے مختلف موضوعات پر ان کے
 مضامین و ابستگان شعر و ادب کے دل و دماغ کو اُجالوں کی سرزمین سے
 شناس کرانے ہیں جاوید صاحب نہایت سادگی پسند انسان ہیں اپنے مخصوص
 دوستوں میں اپنی منفرد پہچان کے ساتھ اپنے وجود کا بھرپور احساس دلاتے
 ہیں۔ پاک و صاف ذہن و فکر کے ادیب ہیں علمی و ادبی مباحث میں
 اپنا نقطہ نظر نہایت عمدگی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ اپنی بات اس
 مہارت انداز سے کہتے ہیں کہ مخاطب ان کے لب و لہجہ کی سٹاس سے متاثر
 ہوتا ہے سر زبان مرخ انسان ہیں کسی کے لین دین میں نہیں رہتے۔
 سیدھے سادے بے حد شریف انسان ہیں۔ ان کے مزاج میں شائستگی
 ہی نہیں شگفتگی بھی ہے۔ ان کی زیر لب مسکراہٹ اچھی لگتی ہے۔ عطر بیز
 انداز گفتگو ساری ادبی فنکار کو ہی نہیں دوستوں کی محفلوں کو بھی ہلکانا
 رہتا ہے۔ آداب محفل اور آداب نشست و برخاست کا خاص خیال

لکھتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جب وہ کسی ادبی مفل میں پہنچتے ہیں
 تو خاص طور پر ان کے ادبی دوست، اپنی اپنی نشستوں کا جائزہ لیتے ہیں
 اور ڈاکٹر جاوید کے ہم خواہو جاتے ہیں۔ کسی فلم کار کی شخصیت کے تعین
 کے لئے صرف اس کی علمی قابلیت ہی مؤثر ذریعہ بنی نہیں رہتی بلکہ اس کے
 رکھ رکھاؤ کا بھی بڑا دخل رہتا ہے۔ جب مستند قلم کاروں کی علمی و ادبی خدمات
 پر تنقید کی گئی تھی تو صرف ان کے فن پر ہی گفتگو نہیں ہوتی بلکہ
 ان کی شخصیت پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ شخصیت اور فن کے بارے میں
 بلکہ بے شمار دانشوروں کے بارے میں ہمارے دانشوروں نے قلم اٹھایا
 ہے۔ سیمان اظہر جاوید صاحب ایک اعلیٰ درجہ کے صاحبِ طرز ادیب و
 نقاد ہیں وہیں ایک نامور شاعر بھی ہیں لیکن وہ اپنی شاعرانہ صلاحیت
 کے اظہار میں نثری ادب کے مقابلے میں کم دلچسپی لیتے ہیں بہت کم مشاعروں
 میں کلام سناتے ہیں۔ حیدر آباد میں ادارہ ادبیات اردو کے زیرِ اہتمام
 ہوتے والے یومِ قلمی قطب شاہ کے مشاعرہ میں کلام سنایا کرتے ہیں راج بھون
 میں (۶۲۰۰۰) ح مشاعرہ میں انہوں نے کلام سنا کر داد و تحسین حاصل کی
 تھی شہرہ آفاق محفلوں سے وہ دور رہتے ہیں جس نے انہیں علاقہ آندھرا کے
 مشاعروں میں خاص طور پر کمرپیہ اور کرنول کے مشاعروں میں کلام سناتے ہوئے
 دیکھا ہے جس نے یہ محسوس کیا ہے کہ علاقہ آندھرا کے شاعروں، ادیبوں اور
 وہاں کے محبانِ اردو انہیں ٹوٹ کر جانتے ہیں۔ میں نے کمرپیہ کے دو تین
 مشاعروں میں ان کے بہترین کلام کی کھل کر پذیرائی ہوئے ہوئے دیکھا ہے یہ

یہ سبھی جیسے کٹر پہ کرنول، اسنٹ پور اور آندھرا کے بعض علاقوں میں اردو
 بحری و ادبی ماحول کو پروان چڑھانے میں جاوید صاحب نے نمایاں خدمات
 انجام دی ہیں۔

عصر حاضر کے تمام اہم قلم کاروں، اساتذہ اور اردو کی محفلوں سے
 گہرے دوستی رکھنے والوں سے ان کے مراسم ہیں۔ ڈاکٹر جاوید سے ملاقات
 کر کے میں بے حد خوشی محسوس کرتا ہوں۔ یہ احساس رہتا ہے کہ میں اردو
 کے ایک قابل ترین دانشور سے مل کر اپنی مسرتوں میں اضافہ کر رہا ہوں
 خدا میرے دوستوں کو سلامت رکھے۔ ۛ

ماہنامہ حسن سعید

(پُرکشش دور کا بہترین دوست۔ باکمال دانشور)

زندگی کے خوشگوار اور ناخوشگوار سواڑ پر کچھ ایسے لوگ بھی گزرتے
 اصرار مل جاتے ہیں جن کی ہر سانس ایک مشرکہ جانفزا ہوتی ہے اس
 طرح کے لوگ اپنے بچنے نہیں بلکہ دوسروں کی خوشیوں کے لئے کچھ ایسے
 نمایاں کام کر جاتے ہیں کہ وہ لمحے یادگار بن کر رہ جاتے ہیں۔ جذباتی انسانی
 اور دو تہائی بے لوثہ رشتوں کو غموں کو مٹانے والے لوگ اپنے خاص خاص
 دوستوں کے لئے کچھ ایسے کار خیریں بھی سرورف ہو جاتے ہیں کہ جن کا وجود
 تہذیبی رشتوں کے لئے ہی نہیں بلکہ انسانی رشتوں کو بھی ایک خوشگوار ماحول سے ہمکنار
 کر دیتا ہے۔ ویسے ہی اس طرح کے لوگ ہر ایک کے مفرد کا حصہ ہیں
 بن سکتے۔ بہت سوں کے لیے سو فائدہ دل و نظر بن جاتے ہیں۔ اس طرح
 کے محبت پسند، شرافت نواز، مخلص، نریز، دگوا ہیں نامور دانشور
 صاحبِ قریطاس و قسطنطنیہ حسن سعید بھی شامل ہیں۔ جو میری زندگی کے ایک

لطیف سٹریپر میرے محسن اور میرے زبردست معاون بنے رہے۔ آج
 جی ہم دونوں کا رشتہ خلوص و محبت اتنی ہی تازگی کے ساتھ باقی ہے
 جو ہماری ملاقات کے ابتدائی دنوں میں تھا۔ ہاشم حسن سعید سے میری پہلی
 ملاقات کہاں، کس وقت ہوئی تھی کچھ یاد نہیں آ رہا ہے لیکن میری
 زندگی میں چاہے وہ تعلیمی سلسلہ ہو کہ شاعری کا یا تہذیبی رشتوں کا مسئلہ
 ہو۔ ۶۰-۱۹۵۹ کے دوران ہی سے شروع ہوتا ہے۔ ہاشم حسن سعید
 جامعہ عثمانیہ کے ایک قابل ترین طالب علم ہے ہیں انہوں نے جامعہ عثمانیہ
 میں ایم اے اردو کے طالب علم کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی ہے
 ہاشم نہایت ذہین اور صاحبِ فہم و ادراک طالب علم ہے ہیں انہوں
 نے ۱۹۶۳ء میں ایچ ایم آر ڈی میں درجہ اول میں کامیابی حاصل کی مجلہ عثمانیہ
 جامعہ عثمانیہ کے مدیر رہ چکے ہیں۔ قیام جامعہ عثمانیہ سے لے کر ۱۹۶۰ء
 تک کے حالات کا احاطہ کیلئے نامور عثمانین کی تخلیقات پر مشتمل یہ
 جامعہ عثمانیہ نمبر ایک قیمتی دستاویز ہے جس کی بعد میں بہت سوں
 نے خوشہ چینی کی باجیت ہی سیاری مجلہ شائع کیا۔ ان دنوں میں اور بنل اردو
 کلج کا طالب علم تھا۔ اُس زمانے میں شعر و ادب کی محفلیں تقریباً ہر
 کان میں زور و شور سے جاری رہا کرتی تھیں۔ ہر کلج میں کچھ ایسے
 ذہین طالب علم بھی تھے جو اپنی تحریری و تقریری صلاحیتوں اور شہر و ادیب
 کی حیثیت سے منظرِ عام پر آ رہے تھے۔ مجھے یہ تو نہیں معلوم کہ ان دنوں
 ہاشم حسن سعید کن کن دونوں کے ساتھ معمولی اور غیر معمولی تعاون کیا کرتے

تھے لیکن اتنا ضرور معلوم تھا کہ وہ جامعہ عثمانیہ میں ایم اے (اردو) کی زیر تعلیم طالبات کی ہر ممکنہ مدد کرنے تھے چاہے وہ کتابوں کی شکل میں ہو کہ کہ نوٹس کی شکل میں۔ ہاشم اپنے دور طالب علمی (ایم اے اردو) میں پابلسٹ کی حیثیت سے بہت زیادہ مشہور تھے۔ ہاشم نے بہت سی لڑکیوں کی ہمتیلیوں کی ٹیکروں کو پڑھا ہے وہ ان کے بہترین مستقبل کی نشان دہی کرتے ہوئے یہ بتانے رہے کہ اعلیٰ تعلیمی حیثیت کے علاوہ ان کی نئی زندگی کی بہترین شروعات کب سے ہونے والی ہے۔ لڑکیاں ان سے بڑے اعتماد کے ساتھ ملتی تھیں اور ان سے بلا تکلف مدد حاصل کرتی تھیں یقیناً کچھ لڑکیاں ہاشم کی شخصیت میں دلچسپی لیتی رہی ہوں۔ لیکن جذباتی ماحول کے باوجود ہاشم نیک نام ہے اسی زمانے کی ایک طالبہ جو پوسٹ گریجویشن کر رہی تھی اس سے ہاشم کچھ زیادہ ہی متاثر تھے اس کی ہر مسئلہ میں مدد کرنا چاہتے تھے حسن اتفاق سے اسی لڑکی سے میرا شعائرہ رشتہ تھا۔ وہ لڑکی میری شاعری سے بہت زیادہ متاثر تھی رفتہ رفتہ رشتہ کی عمر طویل ہوتی گئی آج بھی وہ رشتہ ٹھل تازہ کی طرح ہلک رہا ہے وہ دور میری زندگی کا نہایت شگفتہ، کھرا سحر اور دل و جان کو مسخر کرنے والا دور تھا وہی ایک سلسلہ رسم و رہ تھا جو ہاشم اور مجھ کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں معاون رہا۔ ان دنوں مختلف عنوانات کے تحت ہاشم کے مکان پر میں اکثر جایا کرتا تھا۔ ہمارا اعلیٰ و ادلی مشغلہ مسلسل جاری رہا۔

ہاشم نے جب شعر کہنا شروع کیا میری شاعری کا آغاز ہو چکا تھا۔ اُس زمانے میں میں نے ہاشم کو ۲۵، ۳۰ منظوم خطوط کئے تھے وہ خطوط ہاشم کے ہاں محفوظ تھے لیکن انہوں نے ایک سال قبل ایک لیرچ اسکالر عبدالوہاب غوری افغانی کے حوالے کیے۔ جو صلاح الدین تیر جیات اور کارنامے کے زیر عنوان پی ایچ ڈی کر رہے ہیں اُن خطوط میں اشاروں کناپوں میں وہ تمام باتیں جگہ پائیں جو حساس مزاج انسان کے لئے مافی کے خوشگوار لمحوں کی سیر کرائی ہیں۔ ہاشم حسن سعید سے طویل ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ مختلف سلسلوں اور مختلف پہانوں سے ہاشم نے جب کالج آف ٹکنو بجس میں پکیر کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی پھر پرنسپل پتے نو اپنی علمی و ادبی صلاحیتوں کا بہترین مظاہرہ کیا۔ کالج کی ترقی میں شب و روز مصروف رہے۔ اُس زمانے میں کالج مختلف مسائل میں گھرا ہوا تھا۔ حسرت کی حیثیت سے علمی و ادبی حلقوں میں ہاشم کا نام لیا جاتا رہا۔ ہاشم کالج کے لئے ناگزیر ہو گئے۔ کالج آف ٹکنو بجس بعض تنظیمی طریقہ کار کی وجہ سے تقریباً ۴ برس تک مشکلات کا شکار رہا۔ کالج تقریباً ۴ برس بند رہا۔ ویسے ہاشم سکریٹریٹ میں کھڑا دنوں کالج کی مختلف کارروائیوں کے سلسلے میں آیا کرتے تھے مجھ سے بھی ملاقات کے لئے ہاشم آتے۔ کالج کی کارروائی انہیں بار بار سکریٹریٹ کھینچ لانی تھی کالج علما ختم ہو گیا تھا لیکن ہم نے اپنی کوششوں سے اس کالج کو نئی زندگی دی اس طرح ہاشم کالج آف ٹکنو بجس کے معمار ہیں۔ میں سکریٹریٹ میں بہت سے شاعروں

اور ادیبوں، علی ادبی شخصیتوں کے علاوہ ادبی کارروائیوں کے سلسلے میں ہر ممکنہ مدد کرتا تھا۔ جس کی تفصیل میں نے ایک مضمون کی شکل میں اپنی کتاب "سلسلہ پھیولوں کا" (خودنوشت ۶۱۹۹۲) میں بتلایا ہے کالج آف لنگویجس کی فائیل کو شریک ریکارڈ کیا گیا تھا۔ میں نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لیتے ہوئے محکمہ تعلیمات کے متعلقہ ڈپٹی سیکریٹری مسٹر کرشنا مورتی (جو میرے قریبی دوست تھے) کے مشورے و تعاون سے کالج کو دوبارہ وجود میں لانے کی کارروائی شروع کی۔ ہاشم نے ڈپٹی سیکریٹری کے مشورہ سے ایک درخواست محکمہ تعلیم کے نام دی جو فائیل ہمیں پہلے داخل دفتر کی گئی تھی اس فائیل کو مسٹر کرشنا مورتی نے ریکارڈ روم سے نکلوایا۔ اپنے بہترین نوٹ کے ساتھ محکمہ فینائنس، محکمہ قانون اور جی اے ڈی کو بھیج دیا۔ یہ کالج مسلسل کوششوں کے بعد بحال ہو گیا۔ اس زمانے میں فینائنس ڈپارٹمنٹ کے متعلق اسسٹنٹ سیکشن آفیسر میرے ایک دوست مسٹر مخینق تھا انہوں نے بھی اس کیس میں بڑی مدد کی۔ میرے اس تعاون کے بعد ہاشم کی میری دوستی مزید مستحکم ہو گئی۔ جب میں پہلے شہر سے اپنے نئے مکان ملے پلے میں آ گیا تو سب سے پہلے میری ملاقات نامور شاعر مومن خان شوق سے ہوئی۔ پھر ہاشم حسن سعید سے جن کا مکان میرے گھر کے قریب ہی ہے۔ کبھی کبھی ہاشم سے ملاقات ہوتی تھی ان کے کالج (واقعہ جتنے ٹھکر کالونی) بھی جاتا رہا ہوں ملاقات کے لئے یا کسی ادبی کام کے سلسلے میں۔ ہاشم حسن سعید کالج کے پرنسپل تھے وہ شہری و ادبی محفلوں سے دور ہا کرتے تھے

صحابہ شاعروں نے شرکت کی تھی۔ ہاشم حسن سعید کے باصلاحیت
 کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ شریعتی روڈ امسٹری صدر نشین انڈین
 ویلفیر سوسائٹی نے انھیں اپنا رفیق کار بنالیا ہے سوسائٹی
 ٹرسٹی نامزد کئے گئے ہیں۔ حال ہی میں شریعتی روڈ امسٹری کی سماج
 فلاحی و تہذیبی خدمات کے اعتراف میں رشاندار پیمانے پر جوہلی ہال میں
 گیا جس کے ہاشم کنوینر تھے۔ ہاشم شہر کی بعض علمی و ادبی انجمنوں
 ادبیات اردو، میرا شہر میرے لوگ وغیرہ سے بھی وابستہ ہیں
 میرا شہر میرے لوگ کے رکن عاملہ ہیں اور ماہنامہ خود غلبہ کا سفر
 مشاورت میں شامل ہیں۔ شہر کی نامور شخصیتوں سے مراسم
 بے لوث پیڑ خلوں دوست ہیں۔ میں ہاشم کو اس لئے بھلائے
 کہ وہ میری ابتدائی شاعری اور میرے جذباتی لمحوں کے امین رہے
 بنیادی رشتہ اور رشتہ عمل تازہ کی وساطت سے ہاشم ہیں ہیں
 یادوں کی خوشبو محسوس کرتا رہوں گا۔ ہر شخص کی زندگی میں کچھ
 بھی ملنے ہیں جو تاحیات سایہ کی طرح مختلف حوالوں کے ذریعہ
 رہتے ہیں ان میں سے میرے ایک بہترین دوست ہاشم حسن سعید

یعقوب میراں مجتہدی

(اُردو۔ انگریزی لغت کے تدوین کار، شگفتہ مزاج شخصیت)

بعض لوگ اپنی شگفتہ مزاجی، شستہ طبیعت اور باوقار لب و ہلچل سے کچھ اس طرح متاثر کرتے ہیں کہ جب کبھی اُن سے ملاقات ہو جاتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ سداً گفتگو جاری رہے۔ دورانِ گفتگو اس بات کا بھی احساس ہوتا ہے کہ شاید اطراف و اکناف کا سارا ماحول موم گُل کی بشارت دے رہا ہو اور ہم کُل فضاؤں اور تازہ ہواؤں کے درمیان سانس لے رہے ہیں اس طرح کے لوگوں کے مسکراتے ہوئے چہروں پر صبح کی پہلی کرن زرخشاں رہتی ہے ان کا طرزِ تکلم نہ صرف پُرکشش ہوتا ہے بلکہ اس میں مٹھاس بھی ہوتی ہے جن لوگوں کی زندگی کا مقصد دوسروں کی مسرتوں میں اضافہ کرنا ہوتا ہے وہ نامِ حیات مہکتے رہتے ہیں۔ اس طرح کی نعمتوں سے فیض پانے والی شخصیتوں میں اُردو لغت کے نامور ترین و نثرین کار جناب یعقوب میراں مجتہدی جی ہیں۔

دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے خاص مقصدِ حیات سے گہری
 وابستگی رکھتے ہوئے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ اپنے مقصد کی تکمیل تک نہیں دیتی اور
 وارفنگی کے عالم میں گزار دیتے ہیں۔ میرا صاحب کی اس لغت کے
 بارے میں اردو دنیا کے اہم مشاہیر اردو اور ماہر فن نے اپنی بہترین تائید
 کا اظہار کیا ہے۔ اردو، انگریزی کے کئی اخباروں میں اس لغت کی افادیت
 کے بارے میں بہت کچھ شائع ہو چکا ہے۔ حیدر آباد کے میرے ایک بڑے
 اعزاز کی بات ہے کہ یعقوب میرا صاحب نے لغت کی تاریخ میں اپنے بہترین
 کارنامے سے اپنی ایک تاریخ بنالی ہے۔ میرا صاحب نے اس نعت کا سارا کام
 تنہا کیا ہے۔ حیدر آباد کی اس باہر ذی علم، باوقار شخصیت سے اردو دنیا کے
 سارے ادبی حلقے واقف ہیں۔ ملک کے کئی دانشوروں نے ان کے گھر پہنچ
 کر ان کے کام کا معائنہ کیا اور کھل کر اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا ہے۔ میرا
 صاحب محکمہ نظامتِ ترجمہ میں اپنی بہترین صلاحیتوں اور عمدہ کارکردگی کے
 سبب نیک نام ہے۔ میرا صاحب کو اردو شعروادب سے بہت دلچسپی ہے
 شہر کے ہر معیاری علمی و ادبی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں لیکن ادھر کچھ مہینوں
 سے اپنی ناسازی مزاج کی وجہ سے محفلوں میں بہت کم شرکت کر رہے ہیں۔ مجھے یہ
 کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ وہ میرا اکثر کتابوں کی ریکم اجرائی قریب میں شریک
 رہے ہیں۔ میرا صاحب سے میرے دوستانہ مراسم زیادہ ۲۰ برس سے ہیں
 علمی و ادبی محفلوں کے علاوہ میں محکمہ نیچریت راج اور محکمہ نظامتِ ترجمہ کے بعض
 مشترک کام کے سلسلے میں میرا صاحب سے ملتا رہا ہوں۔ خاص طور پر سالانہ محفل

کے سلسلے میں ہر محکمہ کو انگریزی سے اردو میں ترجمہ کے لیے محکمہ نظامت ترجمہ سے
 ربط رکھنا ضروری رہتا ہے۔ میراں صاحب نے میری خواہش پر سکریٹریٹ کے
 کچھ محکموں سے تعلق رکھنے والے بعض اردو داں اصحاب کی کافی مدد کی۔ کئی مرتبہ
 پنجابیت راج ڈپارٹمنٹ کے بجٹ کے سلسلے میں مجھے محکمہ نظامت ترجمہ سے ربط
 رکھنے کی ذمہ داری سونپی جاتی رہی اور میں بہت کم وقت میں اپنے محکمہ کے
 تقریباً ۵ صفحات پر مشتمل انگریزی تحریر کا اردو میں ترجمہ کرواتا تھا اور اس
 ترجمہ کے سلسلے میں میراں صاحب کلیدی رول ادا کرتے تھے۔ یعقوب میراں
 صاحب کی سکریٹریٹ کے تقریباً تمام اعلیٰ عہدہ داروں سے رجم و راہ بھی خاص
 طور پر محکمہ فینانس کے عہدہ داروں سے ان کا زیادہ ربط تھا۔ بروقت اور
 اپنے بھرپور تعاون کی وجہ سے پورے سکریٹریٹ میں میراں صاحب کا نام
 روشن ہو گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یعقوب میراں صاحب میرے محکمہ
 پنجابیت راج کے کام کو ہمیشہ ترجیح دیا کرتے تھے۔ میراں صاحب احساس
 ذمہ داری کو خدمت کے ساتھ محسوس کرنے والے آفسر کی حیثیت سے ہمیشہ
 اعلیٰ عہدہ داروں کی نظر میں رہے۔ ان کی اعلیٰ کارکردگی کو ملحوظ رکھتے
 ہوئے محکمہ نظامت ترجمہ میں ڈپٹی ڈائریکٹر کا ایک زائد پوسٹ کا اضافہ
 کیا گیا جنہیں اس عہدہ پر ترقی دی گئی۔ انہوں نے دوران ملازمت اپنے بعض
 ماتحتین اور اپنے ہم منصب ساتھیوں کی بہت مدد کی اور اپنے خوشگوار
 تعلقات برقرار رکھے۔ میراں صاحب، جید رہادی تہذیب کی نمائندگی نہ صرف
 اپنے رکھ رکھاؤ کے ذریعہ ہی کرتے ہیں بلکہ اپنی خوش بسی سے بھی وہ مرکزِ نظر

بنے رہتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی کالی بیروانی اُن پر خوب سمجھتی ہے۔ ان کے حلقہ احباب میں نہ صرف مشہور ادیب ہی شامل ہیں بلکہ شہر کے بڑے بڑے علمی و ادبی اداروں اور انجمنوں کے سربراہ بھی ہیں۔ شہر کی معزز شخصیتوں سے بھی اُن کے مراسم ہیں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ میرا صاحب شہر کے تمام ادبی حلقوں میں فطرتاً ہی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں لغت کی تکمیل ان کے میسر ہو سکتی ہوگی۔ خواب تھا۔ انہوں نے اپنی ساری ادبی و تہذیبی زندگی صرف اور صرف لغت کی تدوین میں صرف کی۔ اپنی ملازمت کے دوران جو خبر بات حاصل ہوئے اُن سے فائدہ اٹھایا۔ یعقوب میرا مجتہدی کوٹی ۳۹ سال دفتر نظامت ترقی حکومت آندھرا پردیش میں اردو مترجم رہے۔ اور ڈپٹی ڈائریکٹر ترجمہ (اردو) کی حیثیت سے جولائی ۱۹۸۹ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ میرا صاحب نے تقریباً سو لاکھ الفاظ کے موافق اور ان کے استعمال کر کے تین لاکھ کارڈ بنائے ہیں۔ یہ لغت دس ہزار ٹائپ شدہ فل اسکیپ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس لغت کی ضخامت ۲۸۰۰ صفحات سے زائد ہو سکتی ہے۔ جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ لغت میں الفاظ کا تلفظ رو من رسم الحظا میں دیا گیا ہے۔ یعقوب میرا صاحب نہ تو شاعر ہیں نہ ہی ادیب البتہ ادبی ذوق ان کی نس نس میں رچ بس گیا ہے تب ہی تو وہ شہر کے عوامی جلسوں میں موجود رہتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ اگر انہیں کسی ادبی جلسے میں یا کسی مشاعرہ میں شرکت کرنی ہو تو وہ بہ پابندی وقت شرکت کرتے ہیں آداب محفل کی پاسداری کرتے ہوئے محفل کے آغانے اختتام تک موجود رہتے ہیں

میراں صاحب نہایت خوش اخلاق، خوش مزاج، پیرِ دقارِ شجاعت کے حامل ہیں۔ ادبی جلسوں کے علاوہ اُن سے اردو کے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہتی ہے نہایت روشن خیال، کشادہ دل و دماغ رکھنے والے انسان ہیں۔ وہ کھلے ذہن اور پاک و صاف خیالات رکھتے ہیں میری شعری و ادبی سرگرمیوں سے خوش ہونے والے دوستوں میں شامل ہیں۔

جناب یعقوب میراں کا نام لغت کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔

پروفیسر محمد عبدالرزاق فاروقی

(فلاحی رصفت، فقیر منش، قابل استاد)

تبحر علمی کے ساتھ ساتھ، سادگی پسند بے نیازانہ طرزِ حیات اور منکسرانہ مزاج کی حامل شخصیتیں جن کا تعلق کسی بھی شعبہٴ درس و تدریس سے کیوں نہ ہو جب وہ اپنی ذمہ داریوں کو دیانت داری کے ساتھ نبھانے کا ہنر جانتی ہیں اور جن کے طلباء اپنے اساتذہ کی عالمانہ صلاحیتوں سے مکمل مستفید ہوتے ہیں تو ان کی شخصیت پسندیدگی کے ساتھ برقرار رہتی ہے اور جب ایک استاد، ایک طالب علم کی حیثیت سے مشکل ترین حالات سے گزرتے ہوئے اعلیٰ منصب پر پہنچتا ہے تو وہ یقیناً قابلِ قدردان و منزلت اور لائقِ تعظیم و تکریم ہوتا ہے۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس طرح کے بعض اساتذہ کا میں طالب علم رہا ہوں۔ اپنی ابتدائی تعلیم کے زمانے سے اہم اور اہل (پوسٹ گریجویٹ) کی تعلیم کے دوران اس طرح کے احوال و زیادت

اور جہد مسلسل سے اپنی زندگی کو اعلیٰ منزلوں تک پہنچانے والے
اساتذہ سے مستفید ہوتا رہا ہوں جن کی زندگی کے مختلف پہلوؤں
سے تہذیبی و شائستگی افکار کی خوشبو مشامِ جاں کو محطر کرتی
رہی ہے۔ ہر طالب علم اپنی طالب علمانہ زندگی میں کئی اساتذہ سے
فیض حاصل کرتا رہتا ہے لیکن ان میں کچھ ہی ایسے اساتذہ ہونے
ہیں جن کو طالب علم تاحیات یاد رکھتے ہیں۔ میرے ایسے اساتذہ
میں پروفیسر محمد عبد الرزاق فاروقی بھی ہیں جو مختلف تعلیمی اداروں
مختلف انیسٹیوٹس اور کالجس میں معلم کی حیثیت سے بہترین خدمات
انجام دینے کے بعد آخر میں گلبرگ یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے پروفیسر
اور صدر شعبہ کی حیثیت سے ۱۹۸۳ء میں مامور ہوئے اور اسی
یونیورسٹی سے اسی خدمت پر جولائی ۱۹۹۱ء تک

سبکدوش ہوئے۔ جہاں وہ ۸ برس تک اکیڈمک کونسل کے
رکن بھی رہے۔ پروفیسر فاروقی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ آئی اے ایس
کے امتحانات کے منتظم بھی رہے۔ یونین بینک سروس کمیشن کی خدمت
بھی انہوں نے کئی برس تک انجام دی۔ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن (UGC)
نے بھی تحقیقی پراجیکٹ کے ایپسرسٹ کے طور پر ان کی خدمات حاصل کیں
انہیں کئی علمی و ادبی اعزازات سے نوازا گیا۔ گورنر آندھرا پردیش
کمود بین جوشی نے مولانا ابوالکلام آزاد کے صد سالہ جشن کے موقع پر
انہیں 'آزاد شناس' کے ایوارڈ، 'توصیفی سند' اور 'شال' سے نوازا۔

یہ تقریب جو ملی ہال باغ عامہ میں منعقد ہوئی تھی۔ کھنکھو کی میزبانی میر
 کیڈم نے ان کی مجموعی علمی و ادبی خدمات پر امتیاز میسر کا یوارڈ
 دیا۔ پروفیسر فاروقی نے کھنکھو کے ادبی، سماجی اور سیاسی پس منظر
 میں اودھ پنج کی ادبی خدمات پر اپنا ایک ضخیم مقالہ پیش کیا تھا
 جس پر آپ شو سری و نیکیٹورا نیویرسٹی نے پی ایچ ڈی کی ڈگری
 عطا کی۔ کئی ریسرچ اسکالرس کے گائیڈ رہے۔ پروفیسر صاحب کے زیرِ سرپرستی
 ۲۰ طلباء نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور دو طلباء نے ایم فل کیا
 پی ایچ ڈی کے مقالہ جات میں ڈاکٹر حمید الدین شرفی کا مقالہ "سیاست
 اور اس کی خدمات" سب سے اہم ہے۔ پروفیسر صاحب حیدر آباد کی
 مشہور مدرس گاہ دارالعلوم اور اس کے بوجھ چادر کھاٹ کلچ کے
 ذہین طالب علم رہے ہیں جس کے پرنسپل ڈاکٹر سید محمد سین قادری
 زور تھے جہاں ڈاکٹر فاروقی صاحب کامرس کے طالب علم اور کامرس یونین
 کے نائب صدر تھے۔ جامعہ عثمانیہ میں جس وقت عبدالقادر سروری صدر
 شیعہ اردو تھے اُس وقت کے اساتذہ میں پروفیسر سید محمد، ڈاکٹر
 حفیظ قتیب اور حمید شطاری شامل تھے۔ پروفیسر سید محمد صاحب
 کے اصرار پر فاروقی صاحب نے بی اے میں اردو مضمون اختیار کیے
 طور پر لیا تھا۔ پروفیسر صاحب کا میں شاگرد رہا ہوں جو میرے اولین
 ساتذہ کی فہرست میں شامل ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ میں اپنے وطن تعلفہ
 ہمناباد ضلع بیدر کے ٹڈل اسکول میں جماعت ہفتم کا طالب علم تھا تو

اس وقت اسکول کے صدر مدرس نبی الحسن (فاضل دیوبند) مشفق نگر
 میرے شفیع استادوں میں شامل رہے۔ تمام اساتذہ میں نبی الحسن
 صاحب مجھے بے حد پسند تھے۔ حیدرآباد میں منشی فاضل کے اساتذہ
 میں مولانا کلیمی کو میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ جو غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل تھے
 علی گڑھ میٹرک کے پرائیمرٹ طالب علم کی حیثیت سے جب میں امتحان
 کی تیاری میں مصروف رہتا تھا تو مجھے پروفیسر فاروقی جیسے ذہین و فطین استاد
 کی سرپرستی حاصل رہی۔ عابدس پر پیاس ٹائمر سے مستقل عمارت میں
 مدھیہ پردیش کے امتحانات انٹر میڈیٹ کے لیے انٹرمیڈیٹ قائم تھا
 جس کے بہترین استاد محمد علی سے میں بہت متاثر رہا۔ اس طرح اورینٹل
 اردو کالج کے قابل اساتذہ پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد، پروفیسر سید محمد
 ڈاکٹر حسینی شاہد، ڈاکٹر زینت ساجد، پروفیسر مغنی تبسم اور پروفیسر
 حبیب ضیاء مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے جن کی تعلیمی و تہذیبی تربیت نے
 مجھے بہت زیادہ فائدہ پہونچایا۔

اچھے استاد کبھی بھلائے نہیں جاسکتے اور ایسے وقت زیادہ یاد
 آتے ہیں جب طالب علم اپنی علمی زندگی میں ارتقائی منازل طے کرتے رہتے
 ہیں۔ ہر ترقی کے زمانے پر اپنے شفیع اساتذہ کی یاد آ جاتی ہے ایسے
 لمحات میں طالب علم کے دل سے اپنے استاد کے حق میں دل سے دعائیں
 نکلتی ہیں اور وہ اپنے اساتذہ کی احسان مندی کا قرض پوری طرح
 نہیں اٹا سکتا۔ پروفیسر عبدالرزاق فاروقی کا طریقہ درس و تدریس

پیر انٹر ہوتا تھا۔ طلباء ان سے بے حد مطمئن رہا کرتے تھے پروفیسر صاحب سے ایک طویل عرصہ تک ملاقات نہیں ہوئی۔ برسوں بعد عثمانیہ کالج کراچی کے مشاعرہ میں ملاقات ہوئی۔ پروفیسر صاحب اس کالج کے اساتذہ میں سے ایک تھے۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ کالج کے اس مشاعرہ میں کس نے مجھے مدعو کیا تھا۔ حیدر آباد کے نمائندہ شاعروں نے شرکت کی تھی۔ انہوں نے انٹر میڈیٹ کے طالب علم کی حیثیت سے ڈاکٹر زور، پروفیسر عاقل علی خان، عبدالقیوم خان بانی اور خواجہ حمید الدین شاہد کی ہمت افزائی سے ڈرامہ نگاری شروع کی۔ انہوں نے ڈرامہ نگاری سے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ ان کا پہلا ڈرامہ ”سیوا“ ہے۔ آل انڈیا ریڈیو کے لیے کئی فیچرس اور ڈرامے لکھے۔ اب وہ صرف تحقیقی مقالوں کی دنیا میں مصروف رہ رہے ہیں۔ ان کی ۶۰ ویں سالگرہ کے موقع پر نذر رزاق فاروقی شائع ہوئی جس میں بعض ادیبوں اور شاعروں کی تحریریں اور تینٹی نقیض شامل ہیں۔ میں نے بھی اپنے اردو کے خاموش خدمت گزار استاد کو منظوم نذرانہ پیش کیا تھا جو اس میں شامل ہے انہوں نے پبلک اڈمنسٹریشن میں بھی پوسٹ گریجویشن کی تعلیم کی ہے۔ امتیاز کے ساتھ ایم ایڈ کی تکمیل کی۔ اردو کے ماہر تعلیم رائے بل بھر پیر شاہ بھٹناگر کے عزیز ترین شاگردوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ابوالکلام آزاد کے تعلیمی تصورات رامائن

منظوم (مصنف حکیم و میرائے وہی) شائع کی اور ڈاکٹر رادھاکش کے فلسفہ تعلیم پر انہوں نے اسی دور میں لکھا تھا جس پر کلج آف ایجوکیشن عثمانیہ یونیورسٹی نے درجہ اول میں ایم ایڈ کی ڈگری عطا کی۔ پروفیسر فاروقی نے ٹیچر ٹریننگ کالج سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا اس کے بعد وہ گورنمنٹ کالج کاکناڈا میں ملازم ہوئے پھر عثمانیہ کالج کرنول سے وابستہ رہے جہاں انہوں نے ۲۰ سال خدمت انجام دی۔ کرناٹک اردو اکیڈمی نے ان کی کتاب ابوالکلام آزاد کے تعلیمی تصورات پر سات ہزار روپے کا انعام دیا۔ کلکتہ، بیٹنہ، لکھنؤ، علی گڑھ، ناگپور، مدراس اور یونیورسٹی بھی میں کئی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں اپنے تحقیقی مقالے پیش کیے ایک طویل مدت تک فاروقی صاحب سے میری کہیں ملاقات نہیں ہوئی۔ البتہ مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ فاروقی صاحب کا صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے گلبرگ یونیورسٹی میں تقرر ہوا ہے۔ میں فاروقی صاحب اور ان کے ساتھ کام کرنے والے دیگر اساتذہ کے بارے میں واقف تھا۔ حیدرآباد کی بعض علمی و ادبی محفلوں میں پروفیسر صاحب سے ملاقات ہو کرتی تھی۔ ایک دن کی بات ہے کہ مجھے پروفیسر صاحب کا میری شاعرانہ مضامین کے سلسلے میں خط ملا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ میں گلبرگ یونیورسٹی کے ایک طالب علم کو آپ کی شاعرانہ خدمات پر ایم فل کرنے کے لیے اجازت دینا چاہتا ہوں اللہ کے خط کا اقتباس کچھ اس طرح ہے ”اس خط کے لکھنے کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ

آپ کی شعری خدمات اور دیگر تہذیبی خدمات کا یہ صورت مقابلہ ہوں
 نہ احاطہ کیا جائے مجھے یہ نہیں معلوم کہ آپ پر کسی طالب علم نے یا آپ کے
 کسی دوست نے کام کیا ہے۔ آپ اس بارے میں مجھے لکھیں میں
 نے اس ماہ ریسرچ کے لیے چند طلباء اور طالبات کو داخلہ دیلے
 میری یہ تجویز ہے کہ کوئی بونہار طالب علم آپ کی شعری خدمات کا
 تفصیل سے جائزہ لے۔ مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ اس
 سال میں آپ کے بھرپور تعاون کی ضرورت ہوگی۔ بنیر میرا یہ بھی خیال
 ہے کہ اس کام کے نگران میرے رفیق کارڈاکٹر راہی فریشی ہوں۔ وہ
 خود شاعر ہیں اور آپ سے خوب واقف ہیں مجھے اس ماہ کی آخری
 تاریخ تک موضوعات کے بارے میں فیصلہ کرنا ہے اس لیے جواب
 کا انتظار مجھ سے زیادہ متعلقہ اسکالروں کو ہوگا۔ (گلبرگ ۶۱۹۸۹)

میری شاعری پر عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم فل کی ڈگری کے لیے
 کسی طالب علم کو اجازت دی جاسکتی تھی لیکن بعض کرم فرماؤں نے
 حسب عادت و حسب روایت سرودھری کا منظر ہر کیا۔ پروفیسر
 عبدالرزاق فاروقی صاحب کی زیر نگرانی گلبرگ یونیورسٹی کے ایک طالب علم
 خواجہ معین الدین نے ۱۹۹۰ء میں میری شاعری پر مقالہ لکھا اور وہ
 درجہ اول میں کامیاب ہو گئے۔ پروفیسر رزاق فاروقی کے مشفقانہ
 عمل نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ میں ان کا احسان مند ہوں۔ ایم فل
 کے مقالہ کے ایک ایسے ڈاکٹر عقیل ہاشمی بھی تھے ڈاکٹر عقیل ہاشمی

اُس وقت صدر شعبہ اُردو جاموہ عثمانیہ تھے۔ پیر و فیر اکبر علی بیگ
 کی زیر نگرانی جاموہ عثمانیہ کے ایک طالب علم عبدالوہاب غوری افغانی
 نے صلاح الدین نسیر حیات اور کارنامے کے جینے کو ان بی ایچ ڈی کے
 لیے انٹرویو دیا تھا۔ عبدالوہاب غوری نے سخت مشکلات و
 مخالفت کے باوجود جاموہ عثمانیہ سے اپنے انٹرویو میں کامیاب حاصل
 کی۔ ممتحن میں صدر شعبہ اُردو ڈاکٹر عقیل بخشی۔ عیادت مین ڈاکٹر بیگ
 احساس ڈاکٹر محمد عثمان کے علاوہ شریعتی لکشمی بائی، ڈین
 آف فیکلٹی شامل تھیں۔ لاکھ رکاوٹوں کے باوجود عبدالوہاب غوری
 نے اپنے انٹرویو میں کامیابی حاصل کی جن کا مقالہ اپنے سفر کی آخری
 منزل میں داخل ہو چکا ہے۔ تجھے اس بات کا اندازہ ہے کہ ملک
 کی تمام جامعات کے سر شعبہ کا ماحول رسہ کشی کے نازیبا عمل سے گزرتا
 رہتا ہے ساری شعبی دشمنیوں کو ایسے موقعوں پر برسرِ محفل کھڑا
 کیا جاتا ہے۔ یقیناً پیر و فیر عبدالرزاق فاروقی صاحب بھی اپنی
 درس و تدریس کی لمبی مدت میں بہت سے تلخ تجربات سے
 گزرے ہوں گے صدر شعبہ اُردو ٹکیر گہ کی حیثیت سے بھی کئی
 مسائل سے اٹھیں نبرد آزما ہو نا پڑا ہو گا۔ ویسے بھی دھوپ چھاؤں
 کا موسم انسانی زندگی کے لیے ارتقا و پذیرا ہو گا۔ لیکن مظلوم
 زندگی بہت کم خوش نصیبوں کے حصے میں آتی ہے کشمکش حیات
 جہدِ مسلسل اور متحرک زندگی معاشرہ میں اپنے انداز سے جینے کا فن

سکھاتی ہے۔ فاروقی صاحب کی ساری زندگی جہد مسلسل کے نام
 محنوں میں طے ہو چکی ہے علمی و ادبی ماحول میں اپنا مقام بنانے کے لیے بہت
 زیادہ سرگرداں رہے فاروقی صاحب آج بھی علمی و ادبی مصروفیات
 میں اپنا وقت گزار رہے ہیں۔ بعض ادبی جلسوں میں اپنے بہترین
 معلومات آفریں خطاب سے نوازتے رہتے ہیں۔ انھیں اپنی
 شخصیت کی تشہیر کی کبھی بھی خواہش نہیں ہوتی۔ اپنی فطرت نہ
 طبعیت اور اپنے فیضانہ خانقاہی طرز حیات سے مطمئن ہیں
 میں یہ کبھی نہیں سمجھوں گا کہ وہ نہ صرف ایک بہترین استاد کی
 حیثیت سے ہی بلکہ ایک بامروت انسان کی طرح اپنے شاگردوں
 کو ہمیشہ خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ جب بھی ان سے ملاقات ہوتی ہے
 تو مجھ سے بے ساختگی کے ساتھ ملتے ہیں اور اپنی دعاؤں سے
 نوازتے ہیں۔ فاروقی صاحب اب بھی طلباء و سرپرستوں کی
 رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ انھیں شعر و ادب کی سرگرمیوں سے
 وابستہ رہنے کی تلقین کرتے ہیں انھیں اپنے مفید مشوروں سے سرفراز
 کرنے ہیں کہ اپنی صلاحیتوں کا اظہار ذریعہ تفریر و تخریر کرتے رہیں
 وہ چاہتے ہیں کہ ان کے طالب علم شعری و ادبی دنیا میں نئی صلاحیتوں
 کا بھرپور مظاہرہ کریں۔ پروفیسر صاحب کی ایسیہ محترمہ ڈاکٹر پروین
 رخسانہ گلبرگ یونیورسٹی میں شعبہ تازنخ کی سینیئر پروفیسر ہیں انھیں
 بھی علمی و ادبی مصروفیات سے خاصی دلچسپی ہے جن کی حالی میں ایک

کتاب نئی منز میں کے نام سے شائع ہوئی ہے جس کی رسم اجرا سیاست گولڈن جوبلی ہال میں جناب زاہد علی خان مدیر سیاست کے ہاتھوں علی میں آئی۔ پروفیسر فاروقی کی اہلیہ ایم اے ایم ایڈ اور ہندی کی ایم اے ہیں انہوں نے تاریخ میں پی ایچ ڈی کیا ہے بی بی رضا کا وچ گلبرگہ کی پرنسپل رہیں۔ جب ۱۹۸۰ میں گلبرگہ یونیورسٹی قائم ہوئی تو وہ شعبہ تاریخ سے متعلق ہوئیں۔ پروفیسر ڈاکٹر پروین رخسانہ چھ کتابوں کی مصنفہ ہیں ان کے ۲ تحقیقی مقالے شائع ہو چکے ہیں یہ سب انگلینڈ میں ہیں ڈاکٹر پروین رخسانہ کا اہم کام مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کا ٹیٹ ہندی میں ترجمہ ہے۔ پروفیسر فاروقی صاحب شریف النفس، بامروت بااخلاق انسان ہیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم کارشتہ مشہور درس گاہ دارالعلوم سے ہی ہے۔

فاروقی صاحب جی شخصیتوں پر لکھتے ہوئے مجھے بے حد خوشی محسوس ہوتی ہے پروفیسر صاحب پر اور۔۔۔ اس کتاب میں شامل ہونے والی تمام شخصیتوں پر مضامین لکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ میں اپنے دوستوں، اپنے چاہنے والوں اور اپنے محسنوں کو اپنی مخلصانہ تحریروں کے ذریعہ خراج پیش کروں۔

سلام خوشنویس

(عالمی شہرت یافتہ قابل فخر خوشنویس، کہنے مشق شاعر)

مہر مندوں، باکالوں اور جلیل القند دانشوروں کے شہر حیدر آباد
فرخندہ بنیاد میں ہر زمانے میں بیض ایسے صاحبانِ علم و ادبی و اہلِ کمال
شعور و حکمت اور پاک زبانِ تہذیب و تمدن رہے ہیں جن کے نام فخر
کے ساتھ لیے جاسکتے ہیں۔ لیکن آج بھی ہمارے شہر میں کچھ ایسی
یا صلاحیت قابلِ قدر، لائقِ ستائش، روشن دماغ، فراخ دل اور
دیدہ ہیر نور، گھنے والی شخصیتیں موجود ہیں جو اپنی ذہانت و فطانت
اور قابلِ رشک، ذہین رسا کی بدولت ہمارے معاشرے پر چھاٹی
ہوئی ہیں۔ اس طرح کی ایک خوش نصیب شخصیت جنابِ سلام خوشنویس
کی بھی ہے جن کا عالمی شہرت یافتہ خوشنویسوں میں شمار ہوتا ہے خاص
طور پر عظیم حیدر آبادیوں کے لیے یہ بات باعثِ فخر و مباهات ہے کہ سلام صاحب
جن کا وجود اردو معاشرے کے حق میں نہ صرف قابلِ تحسین ہے۔

ہی ہے بلکہ استفادہ فکر و فن کے لیے بھی ہے۔ سلام خوشنویس صاحب
 فن خوشنویسی کے میدان میں میر کارواں کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا نام اور
 کام زائد از ہم دہوں سے اپنی شہرت و مقبولیت کی بلندیوں پر جگہ گارہا
 ہے۔ سلام صاحب کے فن کی شہرت ساری اردو دنیا میں پہنچ چکی ہے
 سلام صاحب کے حیدر آبادی ہیں ان کے والد محترم عبدالغفار رفیق ن
 مستند استادِ شغف تھے سلام صاحب نے دارالعلوم ہائے اسکول کالی کما
 سے ۱۹۵۱ء میں میٹرک کامیاب کیا۔ ۱۹۵۲ء میں پاکستان چلے گئے۔ کراچی
 میں سکونت اختیار کی۔ حیدر آباد کالونی میں سکونت پذیر تھے انھن ترقی
 اردو کراچی سے انھیں تعلق خاطر تھا۔ سلام صاحب کے تایا مولوی محمد
 عبدالرزاق صاحب محکمہ محاسبی میں مددگار تھے حیدر آباد میں اردو اسٹیوگرافی
 کے ماہر تھے۔ سلام صاحب نے اپنی سے یہ فن سیکھا۔ حیدر آباد سے اردو
 اسٹیوگرافریں کر گئے تھے۔ پاکستان میں جمیل جالبی، حبیب جالبی، حمایت
 علی شاعر، مشفق خواجہ، شوکت تھانوی، ابن اثا، عبدالحمید عدم
 مسلم ضیائی، فخر حیدر آبادی، ماہر القادری، ابن صفی، زید اے بخاری
 بہزاد لکھنوی، جوش ملیح آبادی، شعبن رومانی، ساقی جاوید، سرشار صدیقی
 عزیز کارٹونیٹ، خورشید احمد اعجاز، محمود ریاض، نسیم امروہوی، جلیل
 احمد سرنامہ، سراج رضوی، انور عارف، ظفر نیازی، ڈاکٹر انیس زیدی
 افضل الرحمن سے مراسم تھے مولوی عبدالحق پرنسپل اردو کالج کراچی
 کے زیر تربیت بی اے کیا۔ میجر آفتاب حسن (حیدر آباد) بھی اُردو کالج

کراچی کے سرسپال تھے۔ ان کے بعد مولوی عبداللہ الحق پرنسپال بنائے گئے۔
 سلام صاحب پاکستان میں عبدالحمید عدم، ابن اثا، ماہر القادری
 وغیرہ کی کتابوں کے علاوہ کئی معیاری مائناموں اور بہت روزہ کی کتابت
 کر چکے ہیں مدیران جرائد میں ابراہیم جلیس، سانی جاوید، سرشار صدیقی
 شوکت نغانوی، خورشید احمد اعجاز علیگ وغیرہ تھے۔ بیگم سروری
 عرفان اللہ (دہلی) عوامی بیگ کی لیڈر تھیں۔ پوسٹرس اور میجرس کا
 پورا کام سلام صاحب کے پاس ہوتا تھا۔ مولانا محمود علیا (جید آباد)
 کی کتاب خلافت معاویہ و یزید کا پہلا ایڈیشن سلام صاحب نے لکھا
 سراج رضوی (جید آبادی) کی دو کتابیں آفتاب تازہ اور خونی
 چٹانیں بھی سلام صاحب نے لکھیں۔ ۶۱۹۶۱ میں جبکہ سلام صاحب
 انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ آف صہرا پریش کی کتابت پر مامور تھے نیشنل
 بک ڈپو کے مانگ سے اجازت حاصل کر کے ادارہ سلام خوش نویں
 کا قیام عمل میں لایا تھا۔ یہ ادارہ نیشنل بک ڈپو کی پہلی منزل پر افع
 تھا اس وقت ۵۶ طلباء کو خوش نویں سکھاتے تھے جن میں ۱۷
 طالبات تھیں۔ نیشنل بک ڈپو میں جماعت، ہفتم سے انٹر تک کی تمام
 اردو بیڈیم کتابوں کی کتابت سلام صاحب نے کی۔ ہر کتاب پر سلام
 صاحب کا نام ہوتا تھا۔ کیمیا و ہوکہ حیاتیات، طبعیات ہو کہ
 معاشیات، ادبی، نیم ادبی کتابیں وہیں لہجے ہوئے لکھیں پروفیسر
 مفتی تبسم کا مقالہ فانی بدایونی، شاذ ممکنات کا تراشیدہ، صفی اور گل آبادی

کابراگندہ، خمار بارہ بجکوی کا آنش گل، ڈاکٹر مسعود حسین خان کی کتاب 'شعور زبان' کے علاوہ خورشید احمد جاتی، اوج بعقوبی، قمر سحری، منوہر لال شاریپ، غنیمت عبدالقیوم، ابن احمد نواب راشد آذر، عزیز قیسی، علی الدین نوید، مجروح سلطان پوری، اور ساحر لدھیانوی کی کتابیں لکھیں۔ ماہنامہ پیکر، ماہنامہ شکوفہ اور ماہنامہ پونم کا کام جو اُس وقت بعقوبہ پر ہوتا تھا معیاری کتابت کے نمونے ہیں۔ اگرچہ سلام صاحب کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے جن میں سے کچھ شاگرد ایسے بھی ہیں جو اپنے استاد کا نام روشن کیے ہوئے ہیں۔ جن میں حسن فرح، کلیم احمد، منبر الدین غفار قاسمی، دھال مقیم کویت، عارف خواجہ صندیس، دھال مقیم دھام، ولی الدین مرحوم، عارف الدین والی بال، کھلاڑی محکمہ پوس، رضوان نسیم احمد (فرزند کلیم احمد)، محمود سلیم، چاند پاشا، ساجد حسنی، ندیم حسینی، صدیقہ بیگم، سنجیدہ بیگم، زہرہ بیگم اور طاہرہ تسکین بھی شامل ہیں جن فرخ سب سے پہلے شاگرد ہیں۔ خاص طور پر ہمارے شہر کا ہر سینئر شاعر یہ چاہتا ہے کہ سلام صاحب کی فنکاری کی کھنکھائی سے اپنے مجموعہ کلام کی انگ بھرے لیکن شاید ایسا ممکن نہ ہو اس لیے کہ ایک تو سلام صاحب کی عدم الفرقتی اور دوسری اہم بات ان کی افتادِ طبع۔ تیسری بات یہ کہ وہ ہر کس و تا کس کی عزت بڑھانا نہیں چاہتے۔ سلام صاحب کو معیاری شاعروں کے کلام کی کتابت کرنا پسند ہے میں

جائزہ ایوں کہ بعض شاعروں کی آرزو ان کے دل ہی دل میں رہ گئی اس کے
 باوجود بعض شاعر کسی نہ کسی طرح سلام صاحب سے اپنے شعری مجموعوں
 کی کتابت کروانے میں کامیاب رہے۔ یہ میری محرومی ہے کہ میں ان
 کے فن سے تاحال استفادہ نہ کر سکا۔ کئی برس قبل میرے دوسرے
 مجموعہ "کلام" زخموں کے گلاب کی اشاعت کے بعد سلام صاحب نے مجھ سے
 کہا تھا کہ میری خواہش ہے کہ میں آپ کا کوئی مجموعہ کلام لکھوں۔ اگر یہ
 ممکن نہ ہو تو کم از کم سرورق پر اپنے فن کا چھوٹا سا نمونہ چھوڑ دینا چاہتا
 ہوں۔ پھر بھی انہوں نے اپنے عزیز ترین شاگردوں کے ذریعہ مجھ پر احسان کیا
 میں رضوان اور فہیم احمد سے اپنی اور پسندوستوں کی کتابوں کے سرورق
 کی کتابت کروانا رہنا ہوں۔ سلام صاحب اعلیٰ درجہ کے خوشنویس ہونے
 کے علاوہ قادر الکلام شاعر بھی ہیں شفیق ان کا تخلص ہے۔ اپنے والد محترم
 استاد شاعر حضرت عبدالغفار رفیق سے انتہا میں شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے۔
 سلام صاحب مشاعروں میں کلام سناتے سے گریز کرتے ہیں البتہ بزمِ جوہر
 میں (جس کے بانی جنرل سکریٹری ممتاز شاعر آہی ہیں) کبھی کبھی کلام سناتے
 ہیں بعض مشاعروں کی ہدایت بھی کی ہے سلام صاحب کی غزلیں کلاسیکی
 شعری ادب کی نمائندگی کرتی ہیں۔ زبان و بیان کی حسنِ کاری اور سلاست و
 روانی کی طرح داری کے ساتھ فنی خوبیوں سے معموران کی شاعری اعلیٰ قدروں
 اور قدیم تہذیبی روایتوں کی امین ہے سلام صاحب ایک با استعداد ادیب
 نقاد اور مبصر و مقرر بھی ہیں۔ ہمارے حاشرہ میں زندگی کے ہر شعبہ میں بہت

سے لائق و فائق لوگ رہے ہیں۔ اب بھی موجود ہیں لیکن جہاں تک شخصیت کے تعین کا تعلق ہے بہت کم لوگوں کی شخصیت بنتی ہے سلام صاحب اُن لوگوں میں سے ایک ہیں جن کی شخصیت بن چکی ہے۔ سلام صاحب کو شعر و ادب کے موضوع پر اظہارِ خیال کا ملکہ حاصل ہے۔ انہیں تقریباً تمام اصنافِ سخن میں شعر کہنے کی صلاحیت ہے سلام صاحب گم بولتے ہیں مگر سوچ سمجھ کر بولتے ہیں جس طرح وہ اپنی نغریروں اور شاعری میں صحیح الفاظ کا صحیح مقام پر استعمال کرتے ہیں اسی طرح دورانِ تقریر گفتگو پر احساس دلاتے ہیں کہ وہ اپنا ایک لفظ بھی ضائع نہیں کر رہے ہیں۔ سلام صاحب سے جب بھی ملاقات ہوتی ہے اور سلسلہ گفتگو جاری رہتا ہے تو مجھے اُن کی شائستہ مزاجی اور ان کی پُراثر شخصیت کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے شہر کے ہر کاتبِ خیال کے دانشوروں، شاعروں، ادیبوں اور علماء و مشائخین سے اُن کے مراسم ہیں۔ سلام صاحب نہایت خود راہ و مروت، روشن خیال اور کشادہ دل و دماغ رکھنے والے انسان ہیں۔ سلام صاحب اخبارِ سیاست سے بھی کچھ غرضہ تک والیتہ رہے۔ ادارہ ادبیاتِ اُردو کے شعبہ کتابت کے سربراہ رہے۔ سلام صاحب شعر و ادب کے مختلف موضوعات پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے سامعین کو مطمئن کرتے ہیں۔ اخبارات میں سماجی، فلاحی، ادبی و تہذیبی مسائل پر ان کی نغریروں شائع ہوتی رہتی ہیں شاعرانہ رموز و نکات سے ان کی ممکن واقفیت ان کے والدِ محترم کی ذہنی تربیت کی دین ہی نہیں ہے بلکہ ان

کی اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور کثرت مطالعہ کی بھی سرمدوں منت ہے۔ ان کے
شاعر دوستوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ اکثر ملاقاتوں میں میرے
قریبی شاعر دوستوں ناصر کرنولی اور رئیس خنز کا بھی ذکر آ ہی جاتا ہے
ڈاکٹر راہی سے انہیں اس لیے بھی قربت ہے کہ وہ اُن کے والد محترم کے
تشاگردِ رشید رہے ہیں۔ سلام صاحب اگرچہ شاعر و ادبی محفلوں میں
بہت کم شرکت کرتے ہیں لیکن وہ حیدر آباد کی شعری و ادبی سرگرمیوں سے
باجبر رہتے ہیں۔ سلام صاحب کے مزاج کی بے ساختگی، اُن کا والہانہ
اور ان کے شگفتہ اندازِ گفتگو سے بھی میں بہت متاثر ہوں۔ سلام صاحب
نہایت پاک و صاف ذہن و فکر کے مالک ہیں۔ ان سے ہر ملاقات نصیحت
سے مبرا رہتی ہے دوستی اور انسانی رشتوں کے رمز شناس اور قدرداں
ہیں۔ میں سلام صاحب سے دوستی رکھنے بیوٹے خوشی و مسرت محسوس
کرتا ہوں اور اُن کی بے لوث، پاک و صاف دوستی کا دل سے قائل
ہوں۔ تجھے یقین ہے کہ ان کے مرصع قلم کی تابناکی ہمیشہ باقی رہے گی۔

وٹھل راؤ

(نامور گلوکار - حیدر آبادی روایات کے پیسدار)

فنِ موسیقی کے دلدادہ اور خاص طور پر غزل گانہ کی محفلوں سے
 دستی رکھنے والے اردو تہذیب سے وابستہ حیدر آبادیوں کے سامنے
 جب بھی بین الاقوامی شہرت یافتہ گلوکاروں کا ذکر آتا ہے تو بے ساختہ
 وٹھل راؤ کا نام بھی زبان پر آ جاتا ہے۔ وٹھل راؤ گزشتہ ۵۰ برسوں
 سے شعر و نغمہ کی محفلوں میں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس میں کوئی
 شک نہیں کہ ان ۵۰ برسوں میں حیدر آباد کے کئی گلوکاروں نے فنِ موسیقی
 کو برتنے اور اس کو پروان چڑھانے کے لیے اہم حصہ ادا کیا ہے لیکن
 آج بھی افقِ موسیقی پر وٹھل راؤ کی شخصیت اپنی پوری آب و تاب کے
 ساتھ چمک رہی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حیدر آباد میں سینئر گلوکاروں
 میں رؤف صاحب اور ان کے فرزند عارف رؤف کا نام بھی اہمیت

کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ (جو اب ہم میں نہیں ہیں) خاص طور پر رؤف صاحب کی غزل سرائی کے کافی حیرت چھتے۔

وٹھل راؤ کو میں ۳۲، ۳۳ برسوں سے سستا آ رہا ہوں۔
 وٹھل راؤ ۱۵ سال کا عمر سے ہی شعر و موسیقی میں دلچسپی لینے لگے۔ وٹھل راؤ جدید ناکہ کے ایک فعال ادارے فائن آرٹس اکیڈمی سے گہرا تعلق رہا ہے وہ کئی برسوں تک فائن آرٹس اکیڈمی سے وابستہ رہے۔ پھر انہوں نے ایک الگ موسیقی کا اسکول سنگیت سادھنا کے نام سے کھولا۔ جہاں غیر مسلم گلوکار (خواتین و حضرات) ان کے فن سے استفادہ کر رہے ہیں مسلم گلوکار بھی مستفید ہوتے ہیں۔ سنگیت سادھنا میں زیادہ تر غزل گائیکی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ سنگیت سادھنا سے وابستہ گلوکاروں میں ممتاز گلوکارہ جمبیر سنگھ اور مالا سارابہ کافی مشہور ہیں۔ وٹھل راؤ کی آواز میں درد بھی ہے تاثیر بھی۔ جادو بھی ہے مٹھاس بھی ہے میں نے بعض موسیقی کی محفلوں میں دیکھا ہے کہ وٹھل راؤ صرف اور صرف غزلیں ہی سناتے رہے ہیں حالانکہ وہ ایک بہترین موسیقار بھی ہیں۔ ۵۰ برس سے گارہے ہیں لیکن ان کی آواز کی لہر میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وٹھل راؤ نے بیرونی مالک امریکہ، کینیڈا اور جیکی مالک وغیرہ میں کئی کامیاب پروگرام دیئے ہیں۔ اب تقی بہ سلسلہ جارہا ہے۔ وٹھل راؤ کو اردو شعرو ادب سے خاص دلچسپی ہے اکثر ادبی جلسوں اور مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ میں نے یہ

بھی دیکھ لے کہ وہ نوجوان گلوکاروں کی حوصلہ افزائی کے لیے اُن کی
 محفلوں میں شرکت کرتے ہیں اُن کے فن کو سراہتے ہیں۔ یہ قولی و نعل
 راؤ اُن ۵۰ برسوں میں عوامی محفلوں سے لے کر دربارِ سلطنتِ عجم
 تک اُن کے فن کی شہرت ہے و نعل راؤ نے بعض الملوں میں بھی انجھے
 پیش کیے ہیں۔ اُن کی کافی عموماً غزلوں کے کئی کیٹ تکی چٹے ہیں
 و نعل راؤ بہت اچھی اردو بولتے ہیں اُن کے لب و لہجے سے یہ اندازہ
 ہوتا ہے کہ اساتذہ سخن کا کلام اُن کے زیرِ سطرانہ بہت ہی ممتاز
 ادیبوں کی کتابیں بھی پڑھنے دیتے ہیں۔ و نعل راؤ کلاسیکی شعراء
 کے کلام کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے نامور شاعروں کا کلام بھی ساز
 پر پیش کرتے ہیں۔ حیدر آباد کے بیشتر شاعروں کا کلام سنا کر
 محفل موسیقی کو مسحور کر دیتے ہیں۔ حیدر آباد کے شاعروں میں خاص
 طور پر علی اورنگ آبادی، مخدوم فی الدین، شاہد صدیقی، سلطنتِ عجم
 شہید، سعید شہیدی، عزیز قیسی، صلاح الدین خیر اور رئیس الخیر کی
 غزلیں پیش کرتے ہیں و نعل راؤ اردو غزلیں کے ذریعہ اردو زبان
 کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ و نعل راؤ ملنسار ہونے کے
 ساتھ ساتھ بااخلاق، سیدھے سادے، پُر وقار شخصیت کے
 مالک ہیں چاہے سرکاری محفلیں ہوں کہ غیر سرکاری وہ
 عزت و احترام کے ساتھ مدعو کیے جاتے ہیں حیدر آباد کی بے شمار
 محفلوں میں اپنی غزل سرائی کا یوں مانوا چکے ہیں۔ بعض خاص خاص

مغفلوں میں بھی اپنے فن کا جادو جگاتے رہتے ہیں وٹھل راؤ سے مہرے
تقریباً ۳۵ سال سے دوستانہ مراسم ہیں۔ میں انہیں اس وقت سے
جانتا ہوں جب ان کا نام موسیقی کی مغفلوں میں گلوکار ممتاز (فائن
آرٹس اکیڈمی) کے ساتھ لیا جاتا تھا۔ ممتاز اور وٹھل راؤ کی جوڑی
حیدرآباد میں کافی مشہور تھی۔ دونوں نے مشترکہ طور پر کچھ فلموں میں
بھی گایا ہے وٹھل راؤ خالص حیدرآبادی گنگا جمنی تہذیب کے آئینہ دار
ہیں اتنی عمدہ اردو بولتے ہیں کہ ان سے گفتگو کرتے ہوئے فرحت محسوس
ہوتی ہے اچھی طرح اردو کھنا پڑھنا جانتے ہیں۔ وٹھل راؤ صاحب کی
بعض خاتون شاگرد اردو رسم الخط سے بھی واقف ہیں وٹھل راؤ صاحب
نے نامور شاعرہ کویتا کرن کا ایک شاعرہ کی حیثیت سے مجھ سے تعارف
کروایا جبکہ ان کے پاس غزلیں سننے کے لیے جایا کرتی تھیں۔ کویتا کرن
کے والد ماجد ایڈیشنل سپرنٹنڈنٹ آف پولیس (ریٹائرڈ) اصباحی
راؤ شاد گوپی فن موسیقی سے خاص لگاؤ ہے وہ اردو کے ایک اچھے
شاعر بھی ہیں جن کا مجموعہ کلام "آشا کرن" کے نام سے ۱۹۹۹ء میں شائع
ہو چکا ہے۔ کویتا کرن کے چار شعری مجموعے پہچان (۱۹۸۹ء) سوغات
(۱۹۹۱ء) نوازش (۱۹۹۲ء) آشا (۱۹۹۵ء) کے نام سے شائع ہو چکے
ہیں۔ وٹھل راؤ نے کویتا کرن کو مشورہ دیا تھا کہ وہ میری نگرانی میں اپنا
شعری سفر جاری رکھیں۔ کویتا کرن مجھ سے مشورہ سخن کرتی ہیں جہد آباد
میں کئی خانہ لیں ایسے ہی ہیں جن کے پاس اکثر موسیقی کی مغفلیں سمیٹی ہیں۔

ان نفلوں میں دٹھل راؤ کو خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے اس طرح کی بیشتر محفلوں میں بھی شریک رہا ہوں۔ خاص طور پر جناب عابد علی خان صاحب اور عظمت عبدالقیوم کے گھر پر مستفیدہ محفل شعر و نغمہ میں میں بھی شریک ہوتا رہا ہوں۔ مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ دٹھل راؤ میری اکثر کتابوں کی رسم اجراء تقریب میں شریک رہے ہیں دٹھل راؤ ادبی ٹرسٹ اور شنکری میموریل سوسائٹی کے کل ہند مشاعروں میں لازماً شرکت کرتے ہیں شعر نشیں کے ایک حصہ میں محرزین شہر کے ہمراہ بیٹھے رہتے ہیں دٹھل راؤ سنگیت سادھنا کے ذریعہ اردو کی خاموش خدمت انجام دے رہے ہیں جو قابل تحسین ہے وہ جس کسی شاعر کی غزل گاتے ہیں تو اشعار کے معنی و مفہوم میں کھو جاتے ہیں۔ صحت لفظی کے ساتھ پیرائے سخن میں جب وہ غزل سراہتے ہیں تو ایک سماں بندھ جاتا ہے جیسا کہ وہ کسی محفل میں شرکت کرتے ہیں تو ان کے ساتھ منتخب غزلوں کی کئی بیاضیں لادھتی ہیں دٹھل راؤ غزل کی فضا میں لازماً شیردانی یہن کرتے ہیں۔ کالی اوئی شیردانی ان پر خوب چمکتی ہے ان کو دیکھنے اور ان سے گفتگو کے بعد ابھی شخص انہیں خبر میں ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا۔ دٹھل راؤ کا رہن سہن، ان کا طرز فکر، حمید بہادی گنگا جتی تہذیب و روایات کی بھرپور غمازی کرتا ہے دٹھل راؤ کو اللہ سلامت رکھے۔ ہمارے شہر کی آبرویں جو اپنی شانستہ مزاجی، شگفتہ و شستہ لب و لہجہ کی وجہ سے ہر مخاطب کو متاثر

کرتے ہیں۔

میں دٹھل راڈ کی دل سے قدر کرتا ہوں کہ انہوں نے ان . ۵
 برسوں میں کبھی اپنے کو نہیں بدلا۔ حیدر آبادی روایات کو اپنے سینے
 سے لگائے ہوئے احباب کی محفلوں میں سرشار رہا کرتے ہیں۔
 خدا نے انہیں شہرت و عزت سے دل کھول کر نوازا ہے۔ دٹھل
 راڈ کو ان کی فن کارانہ خدمات کے اعتراف میں کئی ایوارڈ مل چکے ہیں
 ان کی موسیقی کی محفلیں آج بھی جاری ہیں۔ خدا کرے کہ یہ سلسلہ ٹوٹ ہی
 خوشگوار انداز میں جاری رہے۔ اخبار سیاست نے ان کی فنکارانہ
 عظمت کو محسوس کرتے ہوئے ہمیشہ تعاون کیا۔ ان کے پروگراموں کی
 خبریں نمایاں طور پر شائع ہوتی رہیں۔ مختلف اوقات میں بہت
 ہی جامع انٹرویوز بھی شائع ہوتے رہے۔ وہ مجھ سے نجی ملاقاتوں
 میں سیاست کی سرپرستی کو ہمیشہ خراج پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صادق نقوی

منقرء و المنشور، و المنواز شاعر، باوقار شخصیت

ڈاکٹر صادق نقوی میرے اُن اولین شاعر دوستوں میں سے ایک ہیں جن کی دمنواز شخصیت کے گہرے نقوش آج بھی میرے دل پر اُسی طرح مرتسم ہیں جس طرح پہلی ملاقات کے موقع پر تھے۔ شہر کے مختلف کالجوں اور جامعہ عثمانیہ کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں کا وہ پُراثر ماحول کون ایسا شخص ہے جو لوٹا سکے گا۔

صادق، نظام کالج کے اُن پرکشش سبک نوجوانی جانب مبذول کروانے والے ایک ایسے نوجوان طالب علم کی طرح مقبول ترین شخصیت بن گئے تھے جن سے دوستی کے نظام کالج کا کیا ذکر؟ شہر کے دیگر کالجس کے طلباء بھی متغنی رہتے تھے۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ صادق کے اطراف ذہین و شعور طلباء و طالبات کا ایک مخصوص حلقہ علمی و ادبی سرگرمیوں، خوش گیسوں اور خاص طور پر تعلیمی و تہذیبی مباحثوں

بس سرگرم عمل رہنے کے لیے۔۔۔ دکھائی دیتا تھا۔

جس وقت صادق سے میری پہلی ملاقات ہوئی اس وقت وہ نظام کالج سے گریجویشن کی تکمیل کر چکے تھے۔ صادق سے میری ایک بیابان ملاقات نظام کالج کے زمانہ جلسے کے موقع پر ہوئی تھی۔ ان دنوں میں اردو کالج میں بی۔ او۔ ایل کا طالب علم تھا۔ یہ بات ۱۹۵۹ء کی ہے اس زمانے میں شہر کے ہر کالج کے علاوہ جامعہ عثمانیہ میں طلباء کی علمی و ادبی و تہذیبی سرگرمیاں عروج پر تھیں اور ہر سال ہونے والے اردو فیصلوں کی وجہ سے مختلف کالجوں کے سرگرم عمل طلباء و طالبات آپس میں اپنی دوستی کے رشتہ کو استوار کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ صادق نقوی سے پہلی ملاقات کا اثر میرے دل پر ایک خوشگوار موسم کی طرح ہے صادق نقوی ان دنوں نہایت بزرگ و شش بجا ذہن نظر شخصیت کے حامل تھے۔ اپنے کالج کے ایک ہونہار طالب علم ہو سکا وچر سے ان کے چاہنے والوں میں بعض ایسے طلباء و طالبات بھی تھے جن میں سے اکثر و بیشتر بیرون ملک (امریکہ، کینیڈا، لندن اور علمی عالمک) وغیرہ میں اعلیٰ سند یافتہ پروفیسرز ہیں اگرچہ کہ صادق نقوی سے میری دوستی کا تعلق نظام کالج کے زمانہ جلسہ سے ہوا لیکن اس رشتہ دوستی کو پھر کے مشغول فی ادرہ مضبوط کر دیا۔

نظام کالج ہی ان دنوں اردو شعراء ادب کی سرگرمیوں کے لئے ایک مرکز کی حیثیت کا حامل تھا۔

صادق نقوی ایک ذہین دانشور کی حیثیت سے بھی

ہمیشہ اساتذہ کی نظر میں رہے۔ وہ عثمانیہ یونیورسٹی میں

شعبہ تاریخ کے ایک قابل ترین استاد کی حیثیت سے کارگزار رہے

صادق ایک باصلاحیت شاعر بھی تھے۔ ایک ہجرت ادیب و

نقاد بھی ہیں۔ بہترین سفر نویس ہیں لیکن بیرونی قارئین بھی ان

جو ادب و تاریخ کے موضوع پر کھل کر گفتگو کر سکتے ہیں۔

صادق نقوی بھی میرے اُن بہترین دوستوں میں سے ایک

اعلیٰ مرتبت دوست ہیں۔ جن کی دوستی پر میں فخر محسوس کرتا ہوں۔

(اقتباس از پھر وہی پرچھائیاں ۱۹۹۱ء)

پھر وہی پرچھائیاں میں تفصیلی مضمون شامل ہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ کمال

معاشرہ کا بہتر روزِ مسافر - نامور صحافی - ادیب و نقاد

یہ بعض شخصیتوں میں، و صنفِ ادبی اس حد تک جذب ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے
 قریب ترین دوستوں کو بھی پوری طرح بے تکلف ہونے نہیں دیتی۔ میں یہ تو
 نہیں کہتا کہ یہ بات ڈاکٹر مصطفیٰ کمال پر صادق آتی ہے۔ البتہ یہ وہ شخصیتیں
 دوستی کے کسی مرحلے پر بھی فریفتہ و فاصلہ کے امتیاز سے بے نیاز رہنے بھی تو نہیں دیتیں
 یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ دوست و صنفِ ادبی کے مفہوم کو تسکین ذات کی حد تک محدود
 رکھتے ہوں لیکن یہ بات واضح ہے کہ طرزِ حیات میں رکھ رکھاؤ و رواداری اور نجی
 میں بڑا فرق ہے۔ بہتری و استواری میں نمایاں حصہ ادا کرتا ہے ڈاکٹر
 مصطفیٰ کمال کے معاملہ میں ہر وہ شخص جو بہترین دوست ہونے کا عہدہ ادا کرے
 ہی اس خطِ فاصلہ کو عبور کر گیا ہو۔ میں ڈاکٹر مصطفیٰ کمال کو اپنا بہترین قریبی
 دوست سمجھتا ہوں لیکن ان کی و صنفِ ادبی نے مجھے بھی آج تک پوری طرح بے تکلف
 ہونے نہیں دیا یہ بات الگ ہے کہ جب بھی ہم کچھ دوسروں کی کرم نوازیوں سے
 آنکھیں پیر کر حیات گذشتہ کے کچھ اوراق اٹھاتے ہیں تو ان اوراق پر ہمیں کچھ ایسے

نقوش بھی دکھائی دیتے ہیں جو دھندلے ہوئے ہوئے ہی اپنی جگہ برقرار رکھے ہوئے
 ہیں لیکن یہ کہ حالات کی گرم ہواؤں نے ہمیں ٹھکانے کی کوشش کی ہو لیکن ہمارے
 تعلقات کے درمیان کوئی دیوار حائل نہ ہو سکے۔ چونکہ ہم نے ٹھنڈی چھاؤں بھی
 چھلی روشنی اور تازہ تازہ خوشبوؤں کے درمیان اپنی دوستی کی بنیاد رکھی تھی ڈاکٹر
 مصطفیٰ کمال سے کب سے وقت اور کن حالات میں دوستی ہوئی کچھ اچھی طرح یاد نہیں
 ہے لیکن مصطفیٰ کمال کو یاد ہے کہ پروفیسر عبدالقادر سروری کے دولت کدہ حمایت نگر
 پر وہ سال قبل جو ادبی و شعری محفلیں ہونی تھیں میں بھی اُن میں شریک ہو کرتا تھا
 مصطفیٰ کمال کلاسکی اقدار کے نوجوان ہی نہیں۔ ترقی پسند روشن خیال اور عصری آہمی
 سے باخبر بار بار اشعار بھی میں جس کسی کو بھی مصطفیٰ کمال کے کردار کی بلند کا جائزہ
 منظور ہوتا اس کے لئے ضروری ہوگا کہ پہلے وہ اُن کی اصول پسندی و شرافت
 و پائیداری بے لوث اور بے غرضی و رابطہ کا جائزہ لے۔ مصطفیٰ کمال بنیادی طور پر
 نیک نفس اور شریف انسان ہیں اُن سے مراحم و دوستی کے نازک فرق سے گزرتے
 ہوئے بھی قریبی احباب یہ چاہیں گے کہ مصطفیٰ کمال ہر نفس ایک کامیاب انسان
 کی طرح زندگی کے ہر مرحلہ کو خوش خرمی کے ساتھ طے کرتے رہیں۔ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال
 صدر شعبہ اردو و علومِ کلاسیکی جنت سے سرفراز اور با اعتماد فضا میں اپنا
 فرض منصبی انجام دے چکے ہیں۔ ان کی زندگی کا اپنا ایک نصب العین ایک نظریہ ہے وہ اپنے لیے
 راستہ خود بناتے ہیں کسی کے نقش قدم پر چلنا یا کسی کے نقش قدم کو مٹاتے ہوئے گزرنا
 انہیں پسند نہیں وہ اپنے راستے میں کسی کو حائل ہونے نہیں دیتے لیکن اتنے فراخ دل ہیں کہ وہ
 اپنے ساتھ ساتھ چلنے والے کا راستہ نہیں روکتے۔ جب بھی میں ذہنی تھکن محسوس کرتا ہوں
 تو شوگر فکس کے دفتر پر بے ارادہ پہنچ جاتا ہوں۔ (طویل مضمون کا اختصار)
 ”پھر وہی پرچھا بتاؤں“ (۱۹۹۳ء)

ڈاکٹر طیب انصاری

سیباب صفت ادیب و نقاد فعال شخصیت

زندگی کے سفر میں یوں تو بہت سے لوگوں سے ملاقات ہو جاتی ہے لیکن یہ کبھی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی ملاقات دوستی میں بدل جاتی ہے ویسے ہی دوستوں کی فہرت میں کبھی ناگ ایسے ہوتے ہیں جو زیادہ عرصہ تک یاد رکھے جلسے کے قابل ہوتے ہیں۔ فحش جتنے بھی اچھے دوست ملے وہ اپنی پوری شناخت کے ساتھ ملے جو میرے لیے ایک اعزاز ہے۔ طیب انصاری کا میرے ان ہی دوستوں میں سے ایک ہیں جن کے مزاج کی بے ساختگی، خوش گفتاری، تیز روی نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ میں نے اپنے دوستوں کا جائزہ لیتے ہوئے کبھی یہ نہیں سوچا کہ معاشرہ کی ہر سطح پر کون کس مقام پر ٹھہرا ہوا ہے میں نے صرف یہ دیکھا ہے کہ اس مخصوص شخص کا مجھ سے کس طرح کا سلوک ہے یوں ہی میں نے ہر دوست کو اس کے مخصوص رویوں اور اس کے مزاج کی روشنی کے ساتھ قبول کیا ہے۔

طیب انصاری جہاں ایک اچھے نثر نگار ہیں وہیں وہ ایک اچھے نقاد، محقق، مبصر و مقرر ہیں ادب کے ہر موضوع پر ماہرانہ اظہار خیال کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

کثرت مطالعہ نہ انہیں ایک مستند ادیب کی حیثیت سے ادبی دنیا میں اہم مقام عطا کیا ہے ان کی پہلی تصنیف تحریر و تنقید نے سارے ادبی حلقوں میں بلیں بچا دی تھی۔ ادبی حلقوں میں ان کی شناخت کے لیے یہ پہلی کتاب سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ طبیب انصاری جو مکہ خافقہ ای نظام کشمیر و ردہ ہیں اس لیے بزرگوں کی عزت و احترام کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے ہیں۔ مزاج میں اگر خیر بندہ سخی و طرافت ہے گفتگو میں طنز کے نشتر بھی ملتے ہیں لیکن بخیرگی کا دامن کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا۔ حیدر آباد کی تغریبا ہر انجمن کے سربراہوں سے ان کا اچھی خاصی جان پہچان ہے۔ طبیب انصاری نے اپنی ذاتی محنت اور لگن سے دیارِ شعر و ادب میں اپنی قابلیت کا لوہا متوا لیا ہے۔

مجھے اپنی زندگی میں زیادہ نثر پیر خلوص دوست یاد ہے۔ جن سے روابط میرے بڑے اطمینان قلب کا باعث ہیں۔ جب بھی کوئی شخص کا میرے دوستوں کی فہرست پر نظر ڈالے گا تو اسے بہ یک نگاہ طبیب انصاری نام بھی نمایاں نظر آئے گا۔ ۴ (طوبی معنوں سے اقتباس) پھر وہی پرچھائیاں ۱۹۹۳ء

پروفیسر اکبر علی بیگ

(اورینٹل اردو کالج سے جامعہ عثمانیہ تک علمی و ادبی سفر)

اورینٹل اردو کالج جامعہ عثمانیہ اور ادارہ ادبیات اردو کے علمی و ادبی ماحول میں تربیت یافتہ اردو کے استاد پروفیسر اکبر علی بیگ کا علمی و ادبی سفر کئی برسوں سے خوش گوار انداز میں جاری ہے۔ جن کی ذہنی تربیت اردو کے مستند اساتذہ کی رہیں منت رہی ہے۔ پروفیسر اکبر علی بیگ میرے استاد بھائی بھی ہیں۔ پروفیسر اکبر علی بیگ کی تعلیمی تربیت کا آغاز اورینٹل اردو کالج سے ہونے لگوئے جامعہ عثمانیہ پر ختم ہوتا ہے اورینٹل اردو کالج میں وہ مجھ سے جوئیر تھے۔ جہاں سے انہوں نے بی۔ او۔ ایل کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد جامعہ عثمانیہ سے اردو میں ایم اے کیا۔ پھر جامعہ عثمانیہ سے ہی مرزا علی لطف شجیت، جتّا اور کارنامے کے زیر عنوان پی ایچ ڈی کے لیے مقالہ لکھا اور پھر ڈاکٹریٹ گئے۔ ابتدا میں کچھ عرصہ کے لیے سٹی کان میں کام کیا پھر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ میں پکڑے۔

ریڈر اور پروفیسر ہوئے۔ جامعہ عثمانیہ کے پوسٹ گریجویٹ سنٹر
 سکندر آباد پر صدر شعبہ اردو کی خدمت انجام دی۔ ڈاکٹر اکبر علی
 بیگ اپنے شاگردوں کے علاوہ علمی و ادبی حلقوں میں عزت و
 احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اکبر علی بیگ پروفیسر ابو ظہر عبدالواحد
 ڈاکٹر زینت ساجدہ، پروفیسر غلام عمر خان، پروفیسر منعی تبسم کے خاص
 شاگردوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ پروفیسر منعی تبسم نے اپنی ادارہ
 ادبیات اردو کے اردو امتحانات اردو دانی، زبان دانی، اردو
 عالم اور اردو فاضل کے امتحانات کا انچارج مقرر کیا۔ وہ تقریباً ۱۲۶۱
 برس سے شعبہ امتحانات ادارہ ادبیات اردو کے محمد کی حیثیت
 سے بہ حسن و خوبی اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ پروفیسر اکبر علی بیگ
 شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کے صدر بھی کچھ پھر ان کا تبادلہ پوسٹ گریجویٹ
 کالج جامعہ عثمانیہ (سکندر آباد) میں ہوا۔ اور وہیں سے وظیفہ حسن خدمت
 سبکدوش ہوئے۔ اکبر علی بیگ صاحب اپنے شفیق استاد پروفیسر
 منعی تبسم کا بے حد احترام کرتے ہیں ان کی زیر نگرانی وزیر سرپرستی
 اردو کی مرقی و ترمیم کے کاموں میں اپنا زیادہ وقت لے رہے ہیں
 اکبر علی بیگ طرز تحریر و تقریر میں مزاح کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ اظہار خیال
 کا انداز پُر اثر ہوتا ہے۔ بہت کم تناگرا لیتے ہوتے ہیں جو اپنے
 اسامہ سے والہانہ وابستگی رکھتے ہیں۔ میر نے یہ محسوس کیا ہے کہ
 ڈاکٹر غلام عمر خان اور ڈاکٹر منعی تبسم کے وہ خاص الخاص ثنا گردوں

میں شامل ہیں۔ ڈاکٹر اکبر علی بیگ، ایک خوددار اور باوقار شخصیت کے مالک ہیں یونیورسٹی کے بعض اساتذہ سے ان کا ذہنی رشتہ برقرار ہے۔ ہم عصر اساتذہ میں پروفیسر محمد علی اختر کو زیادہ پسند کرتے ہیں جامعات کے بعض اساتذہ سے ان کے روابط کوئی خاص نہیں ہیں رسمی مراسم کے ساتھ ان کے ساتھ رہا کرتے ہیں۔ پروفیسر اکبر علی بیگ عام طور پر علمی و ادبی، مذہبی تقاریب کے انعقاد میں زیادہ سرگرم عمل رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنی وابستگی کی بناء پر سرور کائنات کیمبٹی دارالشاہی جانب سے ہونے والے سالانہ جشن رحمت العالمین میں بہ حیثیت شاعر ٹھہرے اور رئیس خیر کو مدعو کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے بچوں کی بہترین ماحول میں تعلیم دلوائی۔ انہیں ریور تعلیم سے آراستہ کیا۔ ان کا بیٹا مرزا غضنفر علی بیگ علی بیگ امریکہ سے ایم ایس کیلینیا کیا وہ گذشتہ دس برس سے امریکہ (الاباما) میں رہتا ہے ان کی بیٹی فردوس فاطمہ ڈاکٹر ہے پروفیسر اکبر علی بیگ تفریح طبع کے طور پر کبھی کبھار شعر کہتے ہیں مشاعروں میں شرکت نہیں کرتے البتہ بعض دفعہ ادارہ ادبیات اردو کے زیر اہتمام منعقدہ محفل شعر اور بعض مخصوص محفلوں میں اپنا کلام سناتے ہیں۔ ادارہ ادبیات اردو کے مختلف موضوعات پر منعقدہ بعض سیمینار، سمپوزیم وغیرہ میں حصہ لیتے ہیں۔ شہر اور بیرون شہر کے کئی مقامات پر انہوں نے ادبی جلسوں اور علمی و ادبی محفلوں میں حصہ

لیا ہے۔ پروفیسر صاحب کی نشر میں ناقابل حیا رہ سکتا میں شائع ہوئی
 جن میں کچھ نام یہ ہیں خوش نفسان، نظیر غنائی، عزیز مرزا شجاعت اور
 کارنل دیوان جعفر بلوی (نذوین) دیوان علی لطف اللہ پروفیسر صاحب کے ادبی و علمی
 سفائین اجاڑ سیارے کے علاوہ ماہنامہ رس، خوشبو کا سفر
 اور ملک کے کچھ اور ادبی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں معاشی
 طور پر نہایت مطمئن ہیں۔ ان کے گھر کا ماحول علمی، ادبی و تہذیبی اقدار
 کا پوری طرح پاسداری کرتا ہے۔ ان کے افراد خاندان اعلیٰ تعلیم یافتہ
 ہیں پروفیسر صاحب کی زیر نگرانی تاحال پندرہ طلباء نے ایم فل
 کیا ہے۔ کچھ طلباء نے پی ایچ ڈی کی۔ پروفیسر اکبر علی بیگ کی
 زیر نگرانی جامعہ عثمانیہ کے ایک ہونہار عالم عبدالوہاب غوری افغانی
 "صلح الدین تبر حیات اور کارنامے" کے زیر عنوان پی ایچ ڈی کر رہے ہیں
 یہی مقالہ لکھ رہے ہیں۔ پروفیسر اکبر علی بیگ نہایت مخلص اصول پسند
 اور شریف النفس انسان ہیں۔ ان کا زیادہ تر وقت علمی و ادبی مصروفیات
 میں گزر جاتا ہے اپنے دوستوں سے نہایت خلوص سے ملتے ہیں۔
 دوستی کے قابل انسان ہیں۔ جامعہ عثمانیہ میں صدر شعبہ اردو کی حیثیت
 سے اس بات کے لیے کوشاں رہے کہ طلباء میں علمی و ادبی ذوق پڑان
 چڑھتا رہے۔ پروفیسر معنی تبسم کے علمی و ادبی کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے
 ہیں۔ شہر کے اہم ادبی جلسوں میں شرکت کرتے ہیں۔ بہترین مقرر
 ہیں۔ بلا جھجک روانی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

پروفیسر اکبر علی بیگ۔ ادارہٴ میسر شہر میرے لوگ کے ادبی جلسوں میں شرکت کرنے رہے ہیں۔ انکی اہلیہ محترمہ کینز سکینہ کا بھی تعلق شعبہٴ درس و تدریس سے ہے۔ جامعات کے کئی طلباء و طالبات کا ڈاکٹر صاحب نے سرپرستی کی ہے ڈاکٹر صاحب سے میری ملاقات بہت ہی کم ہوتی ہے لیکن رشتہٴ دوستی کی بے زحار ری کے لیے ہم دونوں کی مختلف امور کے سلسلے میں فون پر بات ہوتی ہے۔ جامعہ عثمانیہ میں صدر شعبہٴ اردو کی حیثیت سے مثبت سرگرمیوں کو پروان چڑھانے میں دلچسپی لیتے رہے۔ جس طرح کا ماحول رہا اس طرح وہ اپنے آپ کو ڈھالتے رہے۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ ڈاکٹر اکبر علی بیگ، عام طور پر علمی ادبی جلسوں سے کم کم ہی دلچسپی رکھتے ہیں سو سائنس سے وابستگی اور ان کے طرزِ حیات کا ایک خاص انداز ہے۔ ڈاکٹر صاحب جو علمی و ادبی کام اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں نہایت احساسِ ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ ہمارے سامنے شعبہٴ اردو ادارہٴ ادبیاتِ اردو کے امتحانات کی روشن مثال ہے۔ سینکڑوں طلباء ادارہٴ ادبیاتِ اردو کے امتحانات میں حصہ لیتے ہیں۔ وہ کامیاب، فعال، کارکردمخند امتحانات ادارہٴ ادبیاتِ اردو کی حیثیت سے یاد کیے جاتے ہیں یوم محمد قلی قطب شاہ تقدیب کے سلسلے میں پروفیسر مفتی تبسم (سمتہ) ادارہٴ ادبیاتِ اردو کے بہترین معاون کی حیثیت سے رہتے ہیں ادارہٴ ادبیاتِ اردو کی بعض دیگر کمیٹیوں سے بھی ان کا تعلق ہے۔

اکبر علی بیگ کی یہ خواہش رہتی ہے کہ ادارہ ادبیات اردو اپنی بہترین روایات کا علمبردار رہے وہ تسلیم کرتے ہیں کہ پروفیسر مفتی نسیم کی زیر نگرانی ادارہ کی سرگرمیاں عروج پر ہیں ڈاکٹر اکبر علی بیگ ایک اکیپریٹ کی حیثیت سے ملک کی کئی جامعات کی خدمات انجام دے چکے ہیں۔

اکبر علی بیگ اپنے دوستوں سے کھل کر گفتگو کرنے میں چاہے گفتگو کا موضوع علمی و ادبی ہو کہ معاشرہ کے کسی خاص پہلو سے تعلق رکھتا ہو۔ دونوں انداز میں بلا کسی ذہنی تحفظات کے اظہار خیال کا ان کا ایک صالح طرز عمل ہے ان کی گفتگو دلچسپ ہوتی ہے دوران گفتگو لطائف سنا کر بھی محفل کو مزید خوشگوار بناتے ہیں۔ یہ ظاہر سخت گیر دکھائی دیتے ہیں لیکن ایسے ہیں نہیں۔ معقول اور معتبر انسان ہیں۔ ان کے لب و لہجہ میں بے ساختگی رہتی ہے جہاں کہیں بھی فرزند ان جامہ عثمانیہ کا ڈسرتا رہے گا وہاں ڈاکٹر صاحب جیسے لوگوں کا بھی تذکرہ ہوگا۔ جامہ عثمانیہ کے بہترین اساتذہ میں ڈاکٹر اکبر علی بیگ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ ان کی علمی و ادبی خدمات کا سلسلہ جاری ہے۔

ناصر کرنولی

خوش نظر، خوش گفتار اور بے نیاز شاعر

یوں تو ہر انسان کو اپنی زندگی میں بے شمار لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے، ان گنت لوگوں سے یہ سوال ہو جاتی ہے۔ معاشرے میں پہلے ہوئے انسان زندگی کے مختلف تقاضوں کے رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں لیکن ان میں سے کچھ ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے خود بہ خود رسم و راہ بڑھانے کو ہی چاہتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ایسے کچھ لوگوں سے پوہلی نظر ہی میں اچھے لگتے ہیں ان سے دوستی کی جائے۔ ناصر کرنولی میرے ایسے ہی دوستوں میں سے ایک ہیں جنہیں پہلی بار دیکھنے کے بعد دوستی کے لیے راہ ہموار ہوتی چلی گئی۔ ناصر کرنولی میری پہلی ملاقات زائد از یہ برس پہلے کرنول میں منعقدہ ایک کل ہند شاعرہ میں ہوئی تھی۔ اس مشاعرہ کا اہتمام کرنول کی ایک ذی اثر مشہور شخصیت نواب طلعت اللہ خان نے کیا تھا۔ نواب صاحب خود شاعر تھے

انتہائی وضع دار اور شائستہ طبیعت کے مالک تھے اُس مشاعرہ میں شکیل بدایونی، صبا
 افغانی، مسرت جتے پوری کے علاوہ حیدر آباد سے محترمہ عظمت عبدالقیوم، بانو ظاہر
 سعید، خیرات ندیم، صدراح الدین بیر نے بھی شرکت کی تھی۔ اُس زمانے میں
 کراچی میں عظیم الشان پیمانے پر کل ہند مشاعرے ہو کر رہے تھے۔ ناصر کراچی
 سے میری دوسری ملاقات حیدر آباد کے ایک تعلیم محلے ملک پریٹ میں منعقد
 ایک مشاعرہ میں ہوئی۔ اُس مشاعرہ میں اُس دور کے اہم شاعروں کے ساتھ
 ساتھ ناصر کراچی اور میں نے بھی کلام سنایا تھا ناصر کراچی اُن دنوں جامعہ غازیہ
 سے ایم اے کر رہے تھے۔ کالجوں کے مشاعروں میں بھی ناصر کراچی بے حد پسند
 کئے جاتے تھے۔ ناصر ایک بہترین دوست، بہترین شاعر و نقاد کی
 حیثیت سے بھی ادبی حلقوں میں نذر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں
 ایک سنجیدہ مزاج، خلقتہ طبیعت اور پُر خلوص انسان ہیں۔ احساس
 ذمہ داری کا بستل، وارفنگی اُن کی عمدہ خصوصیات میں شمار کی جاتی
 ہے۔ ناصر کراچی دیوک ور دھن کالج میں مدرس شعبہ اردو کی حیثیت سے
 کام کرتے رہے۔ "نفس نفس" کے نام سے ان کا پہلا مجموعہ کلام ۱۹۷۹ء میں شائع
 ہوا جسے اردو اکیڈمیوں نے ایوارڈ سے نوازا۔ ناصر کراچی میرے اُن ہم خیال
 بہترین دوستوں میں سے ایک ہیں جن سے گفتگو کرنے ہوئے میں تازگی محسوس کرتا
 ہوں اور ان کی دوستی میرے احساساتِ انسانی کی رہنمائی ہے۔ چاہے وہ موسمِ خزاں ہو کہ
 موسمِ بہار چھپ چھپ دوست ہمیشہ میرے ساتھ رہتے ہیں ناصر کراچی میرے اُن
 اولین شاعر دوستوں میں سے ایک ہیں جن کی دوستی کی پہلی خوشبو آج بھی میرے جسم و جان
 کو بھلا رہی ہے۔ (طویل مضمون سے اقتباس) (پھرونی پریچھانیاں ۱۹۹۳ء)

رحمن جامی

کھرا انسان - سچا دوست - بہترین شاہر

اگر انسان کو اپنی زندگی کے اولین سفر کے دوران اس بات کا احساس ہو کہ اپنے مد مقابل اپنے ہی قبیلہ کا آدمی ہے تو ایک پُر سکون اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ رحمن جانی کا تعلق بھی ایسے ہی ایک قبیلہ سے ہے جس کے تیور، تلوار کی نیزہ دھاوا اور جس کی گفتگو پُر خلوص لب و لہجہ کی بے ساختگی اور واہانہ بن کی ضمانت دیتی ہے اور جن لوگوں کی زندگی آئینہ کی طرح شفاف ہوتی ہے۔ ان کی زندگی کسی غیر مریٰ مرحلہ پر ممکن ہے کہ دھوکہ کھا جائے، لیکن دھوکہ دے نہیں سکتی اس قبیل کے سچے دوست اور سچے آدمی کم یاب ہوتے جا رہے ہیں لیکن رحمن جانی کا وجود طمانیت کا باعث ہے۔

رحمن جانی سے مہربان دوستی کی اس اس شعر و ادب کے ان راز

سب سے تعلق رکھتی ہے جس میں تخلیق کار اپنی مصنوعی اوتاد کو مسیحا
 سے بہترین شکل و صورت میں دکھانے کا متمنی ہوتا ہے۔
 کچھ شاعر دوست جہاں رومن جاتی کو ایک کہہ عشق شاعر، ماہر
 علم عروض، صاحب اسلوب ادیب، باخ نصرت اور لے باک
 مقرر سمجھتے ہیں وہیں کچھ شاعر دوست ایسے بھی ہیں جو رومن جاتی
 کی انسان دوستی، اصول پسندی اور ادب نوازی کو بھی عزیز رکھتے ہیں
 یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ میں نے رومن جاتی کو ان کے ہر رنگ میں
 پسند کیا ہے ہر وہ انسان جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو مجھے اچھا
 لگتا ہے اور جب کوئی ساقھی میرے اصول کی کسوٹی پر پورا اترتا
 ہے تو میں دوستی کے ہر مرحلہ پر اس کا استقبال کرتا ہوں۔
 جاتی بنیادی طور پر ایک ایسے شاعر ہیں جو کلاسیکی اقدار کا احترام
 کرتے ہیں۔ ترقی پسندانہ خیالات کو علی گامہ پہناتے ہوئے عصری
 آہنگی کے نزہان بھی ہیں۔ ان کی شاعری میں جیتی جاگتی، چلتی پھرتی
 زندگی کی وہ تمام دھڑکنیں ملتی ہیں جو حیات جاودا کی طرح
 فرحت، فزا، ہے موضوعاتی شاعری میں جاتی اپنی آپ مثال ہیں
 مختلف موضوعات پر انہوں نے بے شمار نظمیں کہی ہیں۔ ہر موضوع پر
 اولین تا ثقبول کرنے والے شاعروں میں جاتی سمجھے زیادہ ہی رواں
 رواں ہیں۔ (طویل مضمون سے اقتباس) (پھر می پرچہ نمایاں ۱۹۹۳ء)

رئیس اختر

(باکمال شاعر، مہذب شہری، معتبر انسان)

کسی سے دوستی کرنا اور نبھانا انسانی رشتوں کا ایک اہم کارنامہ سمجھتا ہوں۔ زندگی کے مختلف مراحل پر مختلف حالات سے انسان گزرتا رہتا ہے۔ دوستی کی راہوں میں کچھ ایسے موڑ بھی آتے ہیں جہاں سے با اعتماد فضاء میں سلیقہ سے گزر جانا بھی ایک غیر معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ رئیس اختر کو میں نے روابط کے ہر مرحلہ پر ایک بہترین اور با اعتماد دوست پایا ہے۔

رئیس اختر سے میری پہلی ملاقات ۴۰ برس پہلے سکریٹریٹ آفس کے میرے ایک ساتھی جناب علیم الدین کے توسط سے ہوئی تھی۔ علیم صاحب نے یہ کہتے ہوئے تعارف کئے ابا تھا کہ رئیس اختر بہت ہی اچھے فنکار ہیں عثمانیہ یونیورسٹی کے ذہین طالب علموں میں ان کا شمار ہوتا ہے اس تعارف کے بعد رئیس اختر سے کبھی کبھی ملاقات ہوتی تھی

ان دنوں حیدرآباد اور اضلاع میں آئے دن مشاعرے ہو کر قے تھے
 ہر فلح میں کئی ادبی انجمنیں کام کرتی تھیں۔ ”دیارِ ادیب“ کے نام سے شائع
 بیدر میں ایک ادبی انجمن تھی جس کے صدر رئیس اختر تھے۔ اس انجمن
 کے زیرِ انتظام ہر سال لازمی طور پر ایک سالانہ مشاعرہ ہوا کرتا تھا
 جس میں حیدرآباد کے نامور شعراء محمد رفیع الدین اور سچ بھنوی
 کنول پریشاد کنول، سلیمان اریب، خیرات ندیم، نثار تملکت، سید شہید کوٹھی
 مدعو کیا جاتا تھا میں بھی اکثر ان مشاعروں میں مدعو رہتا۔ شاعروں کی
 وساطت سے ہی ہماری دوستی کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا۔ دورانِ
 دوستی یہ انکشاف بھی ہوا کہ رئیس اختر میر کی شاعری کی بھابی کے قریبی

رشتہ دار ہیں۔ بیدر میں کہنے مشفق اور زود گو شاعر ممتاز عثمان بن رشید احمد
 رشید تھے۔ ابتدائی شاعری کے زمانہ میں رئیس اختر، رشید احمد رشید
 سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے۔ رئیس اختر کے توسط سے ہی میری رشید
 صاحب سے ملاقات ہوئی۔ رئیس اختر اپنے استاد کا بے حد احترام کرتے
 تھے۔ جب ہم دونوں حیدرآباد اور اضلاع کے مشاعروں میں کامیاب ہوئے
 کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے تو رشید صاحب بے حد خوش ہوئے تھے
 رئیس اختر جب اعلیٰ تعلیم کے لیے حیدرآباد آ گئے تو ان کی ملاقات
 مشہور شاعر، ادیب و نقاد قمر عالمیگر سے ہوئی۔ رئیس اختر قمر عالمیگر
 سے مشورہ سخن کرنے رہے۔ قمر عالمیگر کے پاکستان چلے گئے کے بعد یہ سلسلہ

ٹوٹ گیا۔ ظفر عالمگیر جب تک حیدرآباد میں رہے ان کے قریبی دوستوں
 میں رکنی اختر اور حسن خشتی تھے۔ حسن خشتی ان دنوں شکاگو (امریکہ) میں مقیم
 ہیں جہاں وہ بنزم اردو کے صدر ہیں۔ رئیس اختر کے مشفق دوست ہیں
 حسن خشتی اس زمانے میں ماہنامہ ”آس کاش“ نکالنا کرتے تھے رئیس اختر
 کا کلام پابندی سے اس رسالہ میں شائع ہوتا تھا۔ ظفر عالمگیر نے بعد
 رئیس اختر تھے جناب شاہد صدیقی سے مشورۃً سخن کیا۔ شاہد صدیقی
 کے انتقال کے بعد خورشید احمد جانی ان کے شعری سفر کے رہبر رہے۔
 رئیس اختر میری دوستی کے ابتدائی زمانہ میں مشاعروں میں کم
 کم ہی شریک ہو ا کرتے تھے۔ میں اس بات کے لئے کوشاں رہتا
 کہ رئیس ہر مشاعرے میں میرے ساتھ رہیں بعد رئیس اختر اور میں اکثر
 مشاعروں میں ایک ساتھ شرکت کرتے تھے۔ رئیس اختر جہاں ایک
 بلند پایہ شاعر ہیں وہیں ایک مخلص ترین دوست بھی ہیں۔ رئیس اختر
 کی وضع داری قابل رشک ہے۔ ان کی نرم گفتاری، تسک خرامی، مزاج کی
 شائستگی، انداز گفتگو، طرز تکلم اور خاص طور پر ان کی صاف گوئی ہر
 ملاقاتی کو بے حد متاثر کرتی ہے۔ مخلص کا اثر رئیس کی شاعرانہ حیثیت
 بھی گہرا دکھائی دیتا ہے۔ تمبیانہ شعر تو کہتے ہی ہیں آداب محفل کی پادری
 میں جا رہیں اختر اپنی مثال آپ ہیں۔ وہ ہمیں اختر کسی بھی دوست کے
 لئے کسی وقت بھی کوئی مسئلہ نہیں بنے رہے۔ ہر حال میں طبعیت بھی
 ان کو اپنے دوستوں میں امتیازی حیثیت سے نوازا ہے۔ یار باشت لادنی

ہیں۔ کھلا ذہن اور کشادہ دل رکھتے ہیں۔ کوئی بھی مسئلہ کیوں نہ ہو
رئیس اختر نے تحفظ ذہنی سے کما نہیں لیا۔ وہ جو کچھ محسوس کرتے ہیں
کھل کر کہہ جاتے ہیں۔

رئیس اختر سے میری دوستی مثالی ہے ہم ایک دوسرے کی
پہچان بن گئے ہیں۔ دوستی کی اس طویل عمر میں ہم میں کسی بھی مرحلہ پر
ٹھکراؤ کی نوبت نہیں آئی۔ بے لوث اور بے غرض دوستوں کی طرح
ہم دوستانہ روابط کو مزید مستحکم کیے جا رہے ہیں جب کوئی تازہ غزل
یا نظم ہوتی ہے تو ہم ایک دوسرے کو سناتے ہیں اس کے بعد مشاعروں
میں شہود اعتمادی کے ساتھ سناتے ہیں رئیس اختر ایک باکمال شاعر ہیں
ان کی غزلیں اور نظمیں دلوں کو چھو لیتی ہیں۔ ان کے پڑھنے کا انداز
متغیر ہے۔ اپنے مخصوص ترنم سے ہر شاعر بہت متاثر ہوتا ہے
کیفیت میں ڈوب کر کلام سناتے ہیں دھیمی دھیمی لہجے میں ان کا ترنم
سامع کو بے حد متاثر کرتا ہے۔ رئیس اختر تقریباً ہر صنف شاعری
میں شعر کہتے ہیں لیکن غزل ان کا خاص میدان ہے ان کے مجموعہ کلام
آئینہ دل کو ہندوستان کی مختلف اردو اکیڈمیوں نے ایوارڈ سے نوازا
مختلف ادبی انجمنوں نے ا۔۔۔ ان کی ادبی خدمات پر اعترافات عطا
کیے ہیں جن کی فہرست طویل ہے اشکوں کے پھول ہمارے نام سے بھی ایک
مجموعہ کلام شائع ہوا ہے۔

مشاعروں میں رئیس اختر ایک کامیاب شاعر کی حیثیت سے

بہتر رکھتے ہیں۔ ان میں انتظامی صلاحیت بھی بدرجہ انم پائی جاتی ہے۔ متاخرے ہوں کہ ادبی اجلاس و تہذیبی پروگرام نہایت عمدگی، شگفتگی اور باوقار انداز سے اپنی ذمہ داری کو نبھاتے ہیں رئیس بہترین مقرر بھی ہیں۔ نیچے تلے جملوں سے سامعین کو متاثر کرتے ہیں۔

شبہ کی تقریباً ہر اعلیٰ مرتبت شخصیت سے رئیس اختر کے خوشگوار روابط ہیں۔ رئیس کی خوش کلامی کے ساتھ ساتھ خوش لبکی نے بھی ان کی شخصیت کو پُر اثر بنا دیا ہے۔ رئیس اختر میرے اُن خوش حال دوستوں میں سے ایک ہیں جن کا ہاتھ ہمیشہ کشادہ رہا۔ شائد یہ ان کے نام کی تاثیر ہے۔ خدا نے رئیس کو ایک اطمینان بخش زندگی عطا کی ہے ماشاء اللہ شریکِ حیات اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں جامعہ عثمانیہ سے ایم اے۔ بی ایڈ اور ایم فل کی ڈگری حاصل کر چکی ہیں تندرست کے مقدس پیشے سے وابستہ رہیں رئیس اختر کے لڑکے نہ صرف ترویت یافتہ ہیں بلکہ زیورِ تعلیم سے بھی آراستہ ہیں آج کل ان کے لڑکے اکسپورٹ بزنس اور فائبر گلاس انڈسٹری میں مصروف ہیں۔ ان کی ایک ہی صاحبزادی ہیں جعفرہ نے عثمانیہ یونیورسٹی سے امتیاز کے ساتھ ایم اے کیا۔ حکومت آندھرا پردیش کا ET-LL امتحان کامیاب کر چکی ہیں۔ ان دنوں ممتاز شاعر امیر احمد حقوہ شاعر پیر ایم فل کے لیے مقالہ لکھنے میں مصروف ہیں۔ رئیس اختر مینجنگ ڈائریکٹر کی حیثیت سے اپنے بچوں کے کاروبار کی نگرانی کیا کرتے ہیں، بچے

رئیس اختر کی دوستی پر اس لیے بھی فخر حاصل ہے کہ میں نے رئیس اختر کو اپنے خاص دوستوں کی فہرست میں صحیح مقام پر پایا ہے۔ صفا دل میں پایا ہے۔ رئیس اختر کے پاس اس وقت ۳۲، ۳۳ مجموعوں کا مواد موجود ہے۔ مجھے اس دن بے حد خوشی ہوگی جب رئیس اختر کے کچھ اور مجموعے شائع ہو جائیں گے ہاؤزنگ بورڈ میں انسپکٹر کے عہدہ پر فائز رہے دوران ملازمت رئیس اختر نے بے شمار احباب کی مدد کی ہے۔ کئی شاعروں اور ادیبوں کے مسائل اپنی شخصی دلچسپی سے حل کروائے ہیں۔ بعض شاعروں اور ادیبوں کے ساتھ ان کا بے لوث تعاون ناقابل فراموش ہے۔

رئیس اختر بھی حیدر آباد کے اُن مقبول شاعروں میں سے ایک ہیں جنہیں خدا نے اپنی خاص مہربانی سے ایک باوقار مقام عطا کیا ہے۔ رئیس اختر کئی کل ہند مشاعرے بڑھنے کے علاوہ جدہ (سعودی عرب) کے مشاعروں میں بھی شرکت کر چکے ہیں (جہاں اُن کا کلام پسند کیا گیا) حیدر آباد کی ایک جوان سال ادب نواز شخصیت عارف قریشی نے ۳۲ ڈسمبر ۱۹۹۲ء کو جدہ میں اعلیٰ پیمانہ پر مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا جس میں حیدر آباد سے امیر احمد خسرو، رئیس اختر اور میں (صلاح الدین نیر) نے شرکت کی تھی۔ رئیس اختر کا ساتھ دوران سفر اور دوران قیام جدہ نہایت خوشگوار رہا۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ ہی رہے۔ حسن اتفاق سے جاننے وقت اور آنے وقت یعنی حیدر آباد

سے ممبئی، ممبئی سے جدہ اس طرح جدہ سے دوحہ قطر اور قطر سے ممبئی اور
ممبئی سے حیدرآباد ہم پلین میں ساتھ ساتھ بیٹھے رہے جس کی وجہ سے
ہزاروں میں کا سفر خوشگوار رہا۔ ہم نے طواف خانہ کعبہ اور
تین مرتبہ عمرہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے کے بعد بارگاہ سرور
کائنات پر حاضری دی۔ رئیس اختر یادیدہ غم وارفٹگی کے عالم
میں خانہ کعبہ کا طواف کرتے رہے اور میری طرح انہوں نے بھی
ہر طواف کے دوران حجر اسود کا یوسہ لیا۔ وقت مغرب کے
باد جو در رئیس اختر کعبۃ اللہ شریف کے احاطہ سے نکلنا نہیں
چاہتے تھے۔ یہی حال میں نے مدینہ میں بارگاہ رسالت مآب صلی
میں دیکھا کہ رئیس اختر پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی تھی
اور وہ آشکبار تھے ۱۹۹۷ء میں بزم جدہ کے مشاعرہ میں بھی ہم
دونوں مدعو تھے ہم نے وطن لوٹتے وقت ۳ مرتبہ عمرہ کیا اور دربار
رسالت میں حاضری دی۔ میں اپنی دوستی کی بنیاد پر یہ کہہ سکتا ہوں
کہ رئیس اختر کو چاہئے دالے بہت لوگ ہیں۔ رئیس اختر کی شاعرانہ
فیضیت کا آج کل کھل کر اعتراف کیا جا رہا ہے۔ شعری ادب میں رئیس اختر
کا نام بھی حیدرآباد کے شاعروں کی اولین فہرست میں شامل رہے گا
رئیس اختر کے شاعر دو سنوں کی طویل فہرست میں ہے یہ
محسوس ہوتا ہے کہ یہ نام کچھ زیادہ ہی نمایاں ہے کلام الدین شیر ناصر کرکون
راشد آرزو ڈاکٹر صادق نقوی ہاشم حسن سعید رحمن جانی مومن خان شون

ہیال سنگھ ورمہ، شفیع اقبال، اشغوری، قاضی انجم عارفی، بشیر امجد افتخار اقبال
ڈاکٹر راہی، بانک سنگھ نشتر، علی الدین نوید، باسط نقوی، شاعلی ادیب
ظاہر شن، آبادیہ کوسف بکت، رشید جلیل وغیرہ۔ سینئر شعرائے کرام میں
علی احمد جلیلی، خواجہ شوق، کنول پریشاد کنول اور دیگر بزرگ شاعر و
کا احترام کرتے ہیں۔ جناب ایم بانگاریڈی سابق ایم پی و سابق منسٹر
حکومت آندھرا پردیش ان کے اسکول کے ساتھی ہیں جناب وہاب
عندلیب صدر کرناٹک اردو اکیڈمی اور جناب ابو الفیض منہر عزیز ترین
دوستوں میں شامل ہیں۔ جناب راجندر رارڈی سابق وزیر بھاری
صنوعات اور جناب سی جگناتھ راؤ سابق ڈپٹی چیف منسٹر حکومت
آندھرا پردیش اور پروفیسر علی باقر (دہلی)۔ جامعہ عثمانیہ میں ہم
جماعت تھے پروفیسر ڈاکٹر افضل محمد سابق وائس چانسلر ڈاکٹر
امبیڈکر اوپن یونیورسٹی رئیس اختر کے قریب ترین دوستوں میں شامل
ہیں۔ رئیس اختر کو بھی کئی برسوں سے یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ
آل انڈیا ریڈیو کے علاوہ دور درشن کے انجنیئر پروگرام اور نٹ
ورک کل ہندوستان کے شاعروں میں اپنا کام ٹھانے رہتے ہیں
مشہور گلوکاران کی غزلیں ساز پیش کرتے ہیں۔ ہندوستان کی
مشہور میوزیکل کمپنی (ایچ ایم وی) نے جلیقہ سنگھ کی میوزک
اور چتر سنگھ کی آواز میں ان کی غزل کو میل پی ریکارڈ میں پیش کیا
ہے۔ رئیس اختر آج بھی "دیبا رادب" کے صدر ہیں۔ اس انجن کے تحت

حیدر آباد میں کبھی کبھی ادبی پروگرام منعقد ہوا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ رئیس اختر حیدر آباد کی مختلف ادبی تہذیبی اور مذہبی انجمنوں سے وابستہ ہیں۔ میرا شہر میرے لوگ اور غور شنید احمد عباتی میموریل اکیڈمی کے جنرل سکریٹری اور ابوان پرنس مخم جہ شمع کے محقق ہیں۔ کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی سے بھی ۲۵ برس سے وابستہ ہیں ادبی ٹرسٹ اور شکر جی میموریل سوسائٹی کے کل ہند مشاعرے شروع سے ہی پڑھ رہے ہیں۔ رئیس اختر کے فن اور شخصیت پر سنٹرل یونیورسٹی حیدر آباد کی ایک طالبہ اسری طیبہ نے ایم فل کی ڈگری حاصل کی ہے۔ رئیس اختر ماہنامہ خوشبو کا سفر کی مجلس مشاورت میں شامل ہیں ان کا کلام روزنامہ سیاست میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ خوشبو کا سفر میں ان کا کلام پڑھتے کو ملتا ہے رئیس اختر بہترین ناظم ادبی اجلاس و مشاعرہ کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ جناب عابد علی خان اور جناب محبوب حسین بکھر سے انہیں والہانہ عقیدت رہی ۹۹۸ میں ”روح دل“ کے نام سے ان کی نعتوں کا مجموعہ کلام برآمدی تھارن اردو اکیڈمی آندھرا پردیش شائع ہوا۔

رئیس اختر کو تمام علمی و ادبی حلقے ایک باکمال غزل گو شاعر کی حیثیت سے ہی نہیں، بہترین نعت کہنے والے شاعر کی حیثیت سے بھی پسند کرتے ہیں۔ رئیس اختر عشق رسول میں ڈوبی ہوئی نیتیں کہتے ہیں ادبی شاعری کی طرح مذہبی شاعری میں بھی ان کی الگ پہچان

مجھے نہایت خشوع و خضوع سے نعتیہ شعر کہتے ہیں نعتیہ مخفوں میں
 بڑے اہتمام کے ساتھ شرکت کرتے ہیں۔ فیضانِ رسول کی ہمشاں
 ان کے دل و دماغ کو ہمکنی رہتی ہے۔

رئیس اختر گوذہی علوم و فنون سے بھی گہری وابستگی ہے
 شہر کے علما سے کرام سے بھی ان کے اچھے مراسم ہیں۔ ان کی دینی و علمی
 صحبتوں سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ رئیس اختر اپنے عمدہ
 خصائص اور شائستہ مزاجی کی وجہ سے شہر کے تمام ادبی مراکز میں مقبول
 ہیں۔ چالیس برس سے شعر و ادب کی دنیا میں اپنی شاعرانہ عظمتوں
 کا احساس دلا رہے ہیں ان کے نین شہری مجموعے آئینہ دل (۱۹۷۹ء) و
 اشکوں کے پھول (۱۹۹۲ء) اور روحِ دل (۱۹۹۸ء) (نعتوں کا مجموعہ) ادبی حلقوں
 میں شہرت پنا چکے ہیں جو تھا مجموعہ "سفینہٴ مدول" زیرِ ترتیب ہے۔

رشتوں کی پاسداری میں رئیس اختر میسر و مضار انسان ہیں
 و صنداری کی انتہا یہ بھی ہے کہ بہت سے خوشگوار لمحے ان کی پلکیوں پر
 نورِ کمر بن کر چمک رہے ہیں۔ یادیں رئیس اختر کی زندگی کا عظیم سرمایہ
 ہیں۔ رقت آمیز جذبات میں ڈوبے ہوئے شعر، یادگار ہیں۔
 ان لمحوں کے جو سلیے کی طرح شاعر کے ہم سفر ہیں۔

نبیال سنگھ ورما

دلوں کو جوڑنے والے اردو ہندی کے منفرد شاعر

ست
 حیدرآباد میں ہندی کے اہم شاعروں میں آج ایک ایسا بھی نام کثرت سے سر نہر
 ہے جو صلاح الدین نیر کے نام کے ساتھ یا اس نام کے ساتھ صلاح الدین نیر کا نام لگا
 بیوا لے گا اور وہ نام ہے نبیال سنگھ ورما کا۔ سچ پوچھیے توجہ دے تو بار بار میں ہندی
 اردو کو قریب لانے میں گزشتہ ۲۰، ۲۵ سال سے نبیال سنگھ ورما جو
 کا نام بے غماخ ہے ہیں وہ حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب، صدیوں کی روادار
 و بھائی چارگی، بیرونی کی سانی ہم آہنگی اور اعلیٰ اقدار کے تحفظ و ضمانت کے لیے
 ناقابل فراموش ہی نہیں بلکہ شہر کی ادبی و تہذیبی تاریخ میں کی روشنائی سے کچھ
 جاتیں تھیں۔ ورما کا نام ہندی آمد و کی ہر خائے اور باوقار فعل میں عزت و احترام
 کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے نبیال سنگھ ورما کو ۲۰ سال پہلے
 انوار العلوم و بحینس کلچر دیرانی حویلی کے ایک مشاعرہ میں دیکھا تھا وہ شاذ تکنت
 کے ہمراہ آئے تھے اس مشاعرہ میں ورما صاحب نے بھی کلام سنایا تھا۔ نبیال سنگھ
 ورمایا شاعر ادبی دنیا میں قدم رکھا تو اس میدان میں مشاعروں کی نوعیت ہی

بدل گئی۔ انہوں نے اپنی دلچسپی کی وجہ سے ہندی اُردو کے شاعروں کو ایک مرکز
 پر جمع کرنا شروع کیا۔ میں اسٹیئر خلوص اور ایک اچھے کام میں ان کا ایک غلط
 ساتھی ثابت ہوا۔ ورماجھاں ایک مختصر شاعر ہیں وہیں بہترین نثر نگار
 باشعور تبصرہ نگار اور بہترین مقرر بھی ہیں وہ ایک ایسے انسان ہیں جو زندگی
 کی راحتوں و آسائشوں کے ساتھ ساتھ تنگدستی کی تلخ حقیقتوں کے ساتھ بھی
 اپنا رشتہ جوڑے ہوئے ہیں۔ دراکا شخصیت ہی ایسی پُرکشش ہے کہ ان سے
 پہلی بار ملنے والے شخص دوستی ملاقات کا انتظار کیے بغیر اپنے روابط کو آٹھ کام
 بنجھتا ہے کچھ ایسی ہی خوبیوں کی وجہ سے ہندی اُردو والے انہیں اپنا شاعر اپنا
 ادیب اور اپنا دوست کہتے ہیں اور ان سے روابط اور دوستی پُر فخر محسوس کرتے
 ہیں۔ نہپال سنگھ درما زائد از ۳۳ سال سے انوار العلوم کالج میں ہندی کے استاد ہیں
 انہیں ہندی کے مدر شعبہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں یوں
 تو کئی لوگ آتے اور جاتے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو زندگی کے
 تجربات کا حاصل کبھی جاتے ہیں اچھے انسان اور اچھے دوست کا ملنا صرف
 اس کی مہربانی پر منحصر ہے۔ ورمہ ایک اچھے اور ایسے پُر خلوص انسان ہیں
 جن سے مل کر ایک عام آدمی بھی اُن کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے۔ ورمہ بھی
 زندگی کی حرارت محسوس کرنے والے اُن لوگوں میں سے ایک ہیں جو آنے
 والے کل کا انتظار نہیں کرتے ہیں نہپال سنگھ ورمہ دوستی پر اس لیے
 بھی خنجر کرتا ہوں کہ ایسے بے غرضانہ بے لوث دوست قسمت والوں
 کو ہا ملنے ہیں (طویل مضمون سے اقتباس) (پھر وہی پرچھاٹیاں ۱۹۹۳ء)

ڈاکٹر رام پرشاد

(اُردو دوست - ہمدرد ڈاکٹر - شائستہ انسان)

حیدرآباد میں رہنے والے بطورِ خاص ایسے لوگ جو اُردو زبان،
اُردو تہذیب، حیدرآبادی روایات اور شائستگی کے منظر ہوا کرتے ہیں
وہ اپنے ماحول میں اپنی خوش مزاجی، انسانیت دوستی، مروت و رواداری
اور اپنے بہترین طریقہ زندگی کے سبب سب کی نظروں میں رہتے ہیں
خاص طور پر ایسے لوگ جن کے اسلاف کا تہذیبی رشتہ مثالی رہا ہے ان
کے خوش گوار اثرات معاشرہ میں سلا در سلا پھیلتے چلے جاتے ہیں
حیدرآباد میں اب بھی ایسے بہت سے گھر موجود ہیں جو تعلیم و
تربیت، تہذیب و ثقافت، خوش دلی اور خوش مزاجی کے آئینہ دار
ہیں۔ اس طرح کی مجموعی خصوصیات کی حامل شخصیتوں میں شامل
ایک نام ڈاکٹر رام پرشاد کا بھی ہے۔ جن سے ملنے کے بعد پہلی ملاقات

ہی میں اس بات کا اندازہ ہو گا کہ یہ شخص کس علمی و تہذیبی خاندان کا
چشم و چراغ ہے حیدر آباد میں ایسے ڈاکٹر بھی ملیں گے جو سراپا خلوص و
محبت، مروت و شرافت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر رام پرشاد
ہمارے شہر کے ایک ایسے انسان دوست، محبت شناس، اعلیٰ روایتوں
کی پیروندہ شخصیت ہیں جن سے ملاقات کے بعد ایک خوشگوار مسرت
کا احساس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر رام پرشاد لائنداد مریضوں کے لیے ایک
ہمدرد و مسیحا رہ چکے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں ڈاکٹر رام پرشاد کے ہاتھ میں
شفافے۔ مریض کی آدمی بیماری ڈاکٹر صاحب کی دلچسپ گفتگو سے ہی ختم
ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے مریضوں سے کچھ اس انداز سے گفتگو کرتے
ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو کسی قسم کا عارضہ نہیں ہے۔ ہر مریض کو یہ
یقین دلاتے ہیں کہ اس کا مرض بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ جب کوئی
مریض ان کے ہاں آتا ہے تو مختلف قسم کے خیالات کے زیر اثر سہما سہما
رہتا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کی تشخیص کے بعد شاداں و فرحان اپنے
گھم لوٹ جاتا ہے بیسیوں ایسے مریض ہوں گے جن سے وہ تشخیص کی
بہت کم فیس لیتے ہیں۔ اور ایسے بھی مریض ہوں گے جن سے وہ مشورہ کی
فیس نہیں لیتے ہوں گے۔ خاص طور پر شاعروں، ادیبوں، فنکاروں
کے لیے ان کی خدمات اعزازی رہتی ہیں۔ بعض فنکاروں کو اپنے پاس
سے مفت دوائیاں دیتے ہیں۔ ڈاکٹر رام پرشاد کے کلینک میں
مریضوں کا اثر و ہام رہتا ہے۔ یہ اُن کی مغنیو بہت کی ایک روشنی ہے

ڈاکٹر صاحب ہر مریض سے دلاسہ دیتے ہوئے بات کرتے ہیں اطمینان کے ساتھ تشخیص کرتے ہیں محلہ لمبے پلی میں سکونت پزیر ہیں۔ ان کے گھر کے ایک حصہ میں کلینک ہے نرسنگ ہوم بھی ہے ان محلے میں اس کے علاوہ ایک اور کلینک بھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے گھر کے ہر فرد کو اردو زبان اور اردو تہذیب سے دلچسپی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اردو شعر و ادب سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کے والد محترم رائے جالچی پیرشا دریا نثر کا ناظم محکمہ اطلاعات نے اردو زبان و ادب کی نمایاں خدمت انجام دی ہیں۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور اور مولوی حبیب الرحمن جیسے محققین اردو ان کے رفقاء کے کار میں شامل تھے رائے صاحب اردو میں کئی کتابوں کے منترجم ہیں اپنی اولاد کو اہل نوسنہ اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا۔ ان کے بیٹوں میں ڈاکٹر رام پیرشا اور موہن پیرشا صاحب حکومت آندھرا پردیش میں ایک عہدہ دار تھے اردو ادیب ہیں آثار قدیمہ سے تعلق رکھنے والے موضوعات پر ان کے مضامین روزنامہ سیاست میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں ان کی ایک بہت ہی اچھی کتاب جمہوریت کی حالت ہے فرخندہ بنیاد اسے نام سے شائع ہوئی ہے ڈاکٹر صاحب کے ایک بھائی پیرشا درزیہ سالانہ ٹوباگو ہیں دو بیٹے ڈاکٹر روی کار (کینسر اسپیشلسٹ) اپالو اور راجش کار ڈاکٹر (فریڈائیزر کینی) اور دو بیٹیاں رینو دیوی اور ریتی دیوی (بیم کا گولڈ میڈلسٹ) ہیں تھنمہ اوشا دیوی (ایم بیو ایسٹور راج ماٹھر ڈیٹاٹر ڈاکٹر انعام بخش فیما راختر) اہلیہ ہیں۔ جو

اردو کی ادیبہ ہیں۔ اس عرصہ میں اپنے متعدد مضافیہ سناچکی ہیں۔
 اخبار سب سے پہلے ان کے مضافیہ سناچے ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر رام پور
 صاحب کے والد محترم رائے جاسکی پیرشاہ کی برسوں تک اردو مجلس
 کے صدر نشین رہے۔ حسن اتفاق سے ۸۰ برس تک میں اردو مجلس
 کا مستند رہا۔ میں اس وقت بھی مستند رہا جب رائے جاسکی پیرشاہ
 اردو مجلس تھے۔ ڈاکٹر رام پورشاہ کو موسیقی کا بھی شوق ہے اپنی طالب علمی
 کے زمانے میں کالج میں ہونے والے میوزیکل پروگرام میں حصہ لیا کرتے
 تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے دولت خانہ پر کبھی کبھی موسیقی کی محفلیں سمجھتی ہیں
 مشاعروں کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے گھر کے تمام افراد ہر طرف
 اردو میں بات کرتے ہیں۔ ویسے بھی کاسٹنگ گھرانے کے تمام لوگ اپنے
 گھروں میں اردو ہی بولتے ہیں۔ حیدرآباد میں کاسٹنگھوں نے اردو کی
 بڑی خدمت کی ہے کاسٹنگھوں میں کئی شاعر و ادیب رہے ہیں۔ آج
 بھی میں ڈاکٹر صاحب انہماک پر خلوص ہمدرد دوست و از شخصیت
 کے حامل ہیں۔ ان کے دوستوں میں شہر کی نامزدہ شخصیتوں کے ساتھ
 ساتھ عام اور اوسط درجہ کے لوگ بھی شامل ہیں۔ غرور، خود پسندی،
 جیسی بیماریاں بڑے بہت دور ہیں۔ نہایت سیدھے سادے شریف انسان
 ہیں اپنے والد محترم کی تمام خوبیوں اور خصوصیات کے مظہر ہیں۔ ڈاکٹر
 صاحب سے میرے بہت ہی اچھے دوستانہ مراسم ہیں۔ میں اول میرے اہل
 خاندان کو جب کبھی ڈاکٹر صاحب کی میزبانی کی ضرورت لاحق ہوتی ہے

کوئی کٹر صاحب کے ہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اگر میں کسی جان بیکار والے
 شخص کے لیے سفارشی خط لکھوں تو اُس کی پرہیزگاری کرتے ہیں۔ میں
 جب بھی ڈاکٹر صاحب کے پاس جاتا ہوں اور انہیں میری آمد کی اطلاع
 ہوتی ہے تو وہ فوری بلوا لیتے ہیں بعض دفعہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے
 روم سے باہر کھڑے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب جہاں ایک کھینچہ دیب ہیں
 وہیں انھیں سنسز یہ ڈاکٹر ایچ دیب سے بھی دلچسپی ہے ڈاکٹر صاحب
 زندہ دالان حیدر شاہ کے زیر ہنگامہ چڑھنے والی سالانہ کانفرنس کی لطیف گوئی
 کی محفلوں میں اپنے پسندیدہ لطیفے لانا کر داد و تحسین حاصل کرتے ہیں
 ان کے اکوڑ لطیفے ان کے پیشے ڈاکٹری سے متعلق ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر
 رام پرشاد حیدر شاہ کے کاشٹھ گھر اسٹے کے ایک ایسے فرد ہیں جو حیدر شاہ
 گھٹا کسی تہذیب کا نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کے منتخب دوستوں میں
 بلآخر جنی تہذیب و تمدن بہت سے ایسے دوست ہیں جو سوسائٹی
 کے اعلیٰ ترین پرنسز ہیں۔ ڈاکٹر رام پرشاد ہمارے شہر کے ایک ایسے
 تہذیب شہری ہیں جن کا شرافت و انسانیت، رواداری اور خلوص کی
 خواہش معاشرہ میں پوری طرح پھیل چکی ہے حیدر شاہ میں انسانیت و
 ڈاکٹروں کا جہاں کہیں بھی تذکرہ ہو گا وہاں ڈاکٹر رام پرشاد کا نام
 ضرور لیا جائے گا۔ ڈاکٹر رام پرشاد ان اعلیٰ روایات کا تسلسل
 ہیں جو حیدر شاہ کی تہذیب کو فرہٹ دینے میں ہمیشہ قلم ر ہیں۔

پروفیسر محمد علی اثر

(ماہرِ دینیات۔ ممتاز محقق و قابل استاد، مشہور شاعر)

ہماری جامعات میں کچھ ایسے اساتذہ بھی ہیں جنہیں صرف اپنے علمی و ادبی تحقیقی و تعلیمی سرگرمیوں سے ہی دلچسپی رہا کرتی ہے اور جو آئے دن اپنے ذہن کو فکر کی روشنی سے و بستانِ علم و عرفان کو منور کر رہے ہوتے ہیں جنہیں اس بات سے مطلق دلچسپی نہیں رہتی ہے کہ ان کے ساتھی اساتذہ کس رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور کس کس انداز سے اپنی تعلیمات انجام دے رہے ہیں انہیں اس بات سے بھی واسطہ نہیں رہتا کہ بعض اساتذہ جو انڈیا کی سرگرمیوں میں مصروف ہیں ان سے اپنا رشتہ رکھیں۔ بہترین اساتذہ، بہترین انسان کی طرح معاشرہ میں ایسا کام کرنا چاہتے ہیں کہ جس کی خوشنودی سے سارا علمی و ادبی ماحول بہک جائے۔ اعلیٰ ذمہ داری ہر انسان کو اعلیٰ منصب پر پہنچا دیتی ہے۔ اپنے کام سے عشق رکھنے والے لوگ کبھی ناکام یا بدنام نہیں رہتے۔ منزلیں ان کے

حرم چومتی ہیں۔ سہ لکھ ان کی بہترین اوقات کے لیے عمر طویل کا منتہی رہتا ہے
اچھے اساتذہ کی غنیمتوں اور رفعتوں کا وہی لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں
جن کی روشنی نزدیک و دور کی ہر شے کو جہالتا رہتی ہے۔ وہ طلباء خوش
قسمت سمجھے جاتے ہیں جنہیں قابل اساتذہ کی سرپرستی حاصل رہا ہے۔
ایسی گنجائشیں موجود ہیں کہ اعلیٰ مرتبت اساتذہ کے شاگرد بھی اپنے
استاذ کی طرح اپنے نام اور اپنے کام سے اپنی بھرپور پہچان بنا چکے ہیں۔
اچھے اساتذہ کا اور طعنا کچھ نا علمی و ادبی کام ہی رہتا ہے ایسے اساتذہ
جنہوں نے دل و جان سے اپنے پیشہ درس و تدریس کے تقاضے کو پامانی
رکھا ہے۔ وہ اپنی بیک نامی کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ اس طرح کے اساتذہ
میں ماہر کائنات، قابل محقق، نامور شاعر، ادیب و نقاد، پروفیسر محمد
علی انصاری ہیں جو علمی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے جانے
جاتے ہیں اپنے ہم خیال اساتذہ میں ہی نہیں اپنے طلباء میں بھی مقبول
ہیں پروفیسر محمد علی انصاری کائنات کے ماہرین میں سے ایک ہیں جن کی شعرو
ادب کے موضوع پر تاحال ۱۲ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن کی بیشتر کتابوں
پر ملک کی بعض اردو اکیڈمیوں کی جانب سے انعامات مل چکے ہیں۔
حیدر آباد کی اردو اکیڈمی کی جانب سے ان کی بہت سی کتابوں پر انعامات
مل چکے ہیں ان کی کتابوں کے مسودات پر رقمی امداد بھی مل چکی ہے پروفیسر
محمد علی انصاری ان لوگوں و مجلس کا کالج جامعہ عثمانیہ میں صدر شعبہ اردو ہیں
پروفیسر محمد علی انصاری کو اُس وقت سے جانتا ہوں جب کہ وہ انوار العلوم کالج

کے طرزِ علم تھے اور ایک نئے شاعر کی حیثیت سے اپنی شناخت بنانے میں
 دلچسپی رکھتے تھے طالبِ علمی کے زمانے سے ہی ان کا کلام سیاستِ اخبار میں
 چھپنا شروع ہوا۔ بہت ہی عمدہ شعر کہتے ہیں ان کی دوسری تحقیقاتی
 کتابوں کی طرح ان کے شعری مجموعے ملاقات۔ حرفِ نمدیدہ قابلِ مطالعہ
 ہیں۔ ملائیکہ رنگ میں ڈوبا ہوا اور عصری حیثیت کی ترجمانی کرنے والا
 ان کا کلام ذہن و فکر کے تمام درجے کھول دیتا ہے۔ ان کے سادھے کلام
 میں آمسہما و رد نہیں۔ نہایت سلیقے سے شراب و لہجے میں شعر کہتے ہیں
 ان کے اشعار بالراست ساسعین و قارئین کے دل و دماغ میں اتر جاتے
 ہیں پروفیسر محمد علی آشرم عروں میں بہت کم شرکت کرتے ہیں البتہ خاص
 خاص علمی و ادبی تقاریب میں موجود رہا کرتے ہیں۔ پروفیسر محمد علی آشرم
 کے زیرِ نگرانی ناٹھال ۳ طلباء نے ایم فل اور ایک طالب علم نے ڈاکٹریٹ
 کیا ہے ان کا جامعہ عثمانیہ کے ممتاز فزندوں میں شمار ہوتا ہے پروفیسر
 ڈاکٹر محمد علی آشرم کی ادبی خدمات پر مہرِ شاد علی کچرا انگریزی سوریہ پابند
 ڈگری کالج (سری وینکیشور یونیورسٹی) نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے
 جامعہ عثمانیہ کی ایک طالبہ حمیدہ بجاہ عثمانیہ سے محمد علی آشرم حقیقتاً محقق
 کے زیرِ عنوان پی ایچ ڈی کے لیے مقالہ لکھ رہے ہیں پروفیسر محمد علی آشرم
 اپنے اساتذہ کا دل و جان سے احترام کرتے ہیں اپنے بعض خاص اساتذہ
 کے ذکر سے بے حد مسرت محسوس کرتے ہیں اور دورانِ گفتگو ان کی آنکھوں
 میں روشنی کی ایک لہریں دوڑ جاتی ہے جس وقت وہ جامعہ عثمانیہ میں

ایم لے اردو کے طالب علم تھے تو ان کے اساتذہ میں پروفیسر رفیعہ سلطانہ کے علاوہ پروفیسر حفیظ قنبل، ڈاکٹر حمید شطاری، پروفیسر غلام عمر خان، ڈاکٹر سیدہ جعفرہ، ڈاکٹر معنی تبسم تھے۔ ڈاکٹر محمد علی انصاری طالب علمی کے زمانے میں کالج کی ادبی سرگرمیوں سے دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی ان کی شعری و شاعری تخلیق قرات منظر عام پر آنے لگیں۔ اپنے اساتذہ کی برداشت مناسب حوصلہ افزائی نے ان کے قلم کی رفتار کو نیز نثر کر دیلے پروفیسر انصاری نے ملک بھر کی بیشتر یونیورسٹیوں میں اپنے مقالے پیش کیے ہیں۔ نئی سیمینار، سمپوزیم میں حصہ لے چکے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اردو کی جانب سے جامعات کی مختلف علمی کمیٹیوں سے وابستہ رہے ہیں۔ پروفیسر محمد علی انصاری کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ وہ گولڈ میڈلسٹ ہیں اور جامعات سے تعلق رکھنے والے طلباء کے ساتھ ہر ممکنہ تعاون کیا کرتے ہیں۔ ان کے کئی شاگرد معاشرہ کے مختلف مثبت شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر اور اپنے اساتذہ کی بہترین تعلیم و تربیت کی وجہ سے ارتقائی منازل طے کرتے جا رہے ہیں ڈاکٹر انصاری کو میں نے جن مشاعروں میں کلام سلاتے ہوئے دیکھا ہے سخت میں کلام سلاتے ہیں۔ ان کے شاعرانہ لب و لہجہ میں شائستگی و شگفتگی نمایاں ہے۔ شاعرانہ اسلوب اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انہیں فن شاعری سے بھی کما حقہ واقفیت ہے اپنے اشعار میں زبان و بیان کا خاص خیال رکھتے ہیں اپنے دل کی بات نہایت عمدگی کے ساتھ

قلم و قسط اس کے حوالے کر دیتے ہیں اور اپنی شاعری کے منت سنے رنگ
 کے پھولوں کو گلزار شعر و ادب میں بکھیرتے رہتے ہیں۔ پروفیسر منشی نسیم
 کی خاص مہربانیوں سے وہ ادارہ ادبیات اردو کے علمی و ادبی سرگرمیوں
 میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ ادارہ ادبیات اردو کے علمی و ادبی کاموں
 میں علما حصہ لیتے ہیں اور تفویض کردہ ذمہ داریوں کو نہایت
 سلیقے سے سرانجام دیتے ہیں۔ پروفیسر اشرف کا علمی و ادبی تحقیقی و تنقیدی
 کام جاری ہے۔ ہامو عثمانیہ سے زیر نگرانی پروفیسر غلام عمر خان پٹا کی دیکھیے
 یہ عنوان ”دکنی غزل کی نشوونما“ مقالہ نکلا۔ ۱۹۸۱ء میں ڈاکٹر بیٹ کی ڈگری
 حاصل کی۔ محمد علی اشرف شہر کی بعض علمی و ادبی انجمنوں سے بھی وابستہ ہیں
 ان انجمنوں کے جلسوں میں شریک رہا کرتے ہیں کم کم ہی سہی۔ انہیں
 انجمن سادی کا قطعی شوق نہیں ہے۔ اپنے دوستوں اور شاگردوں کا
 دل رکھنے کے لیے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ شعر و ادب کی محفلوں میں ہر
 ادبی حلقے کے لیے قابل قبول ہیں۔ شہر کے تمام ادبی حلقے ڈاکٹر صاحب
 کی بات کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں ان کی کافی عزت و توقیر
 ہونی ہے پابند وقت اصول پسند ناسی ہیں۔ وقت پر جلسوں میں
 شرکت کرنے میں اور چاہتے ہیں کہ تمام اردو حلقے وقت کی پابندی
 کریں۔ ان کی ہیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ شہر کی اردو محفلوں میں تمام
 حلقوں کے شاعر و ادیب ایک دوسرے کا تعاون کریں۔ ان کے بعض
 مخصوص شاگرد ہیں جن پر خاص دھیان دیتے ہیں پروفیسر محمد علی اشرف

سے جو نیر شاعر ہیں۔ میں ان کی نثری خدمات کی طرح ان کی شاعری کی بھی دل و جان سے قدر کرتا ہوں۔ نہایت شریف النفس، بااخلاق، باسروت، دیانت دار اور نفیس انسان ہیں۔ ان کے انداز گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تربیت نثر نگار ماحول میں ہوئی ہے ان کے گھرانے کا ماحول علمی و ادبی ہے ان کے اسلاف، شائستگی کا پیکر ہے یہ ہیں ان کے پُرکھوں نے انسانی رشتوں کی پاسداری کی ہے۔ جو شخص فطری طور پر ایک اچھا انسان ہے وہ اپنے اسلاف کی قدر و منزلت کو ہمیشہ اپنے ذہن و فکر میں سموئے رکھتا ہے۔ محمد علی اشرفی، ممتاز بہترین دوست اور بابر دار انسان کی طرح اپنے حلقہٴ احباب میں منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ اپنے سے بڑوں کا احترام، اپنے ہم عصر ساتھیوں سے بہترین دوستانہ روابط اور اپنے چھوٹوں پر نظرِ کرم ان کا ویز ہے یہ وہ فیر صاحب کے اہل خاندان، فنانسٹی، شائستگی اور سلیقہ شکاری کے پیکر ہیں زبورِ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہیں۔ ان کی شریک حیات راسطانہ نے حال ہی میں علیم صبا نویدی کی تعزیت شاعری کے عنوان پر ڈاکٹر طیب کی ڈگری حاصل کی ہے ڈاکٹر جاثی کو کئی علوم و فنون سے کافی دلچسپی ہے۔ دکنی ادبیات کے تحقیقی کاموں کے لیے زیادہ وقت دیتے ہیں انھیں دکنی ادبیات پر کافی ہمارت حاصل ہے ہندوستان کی ہمیں پاکستان اور دیگر ملکوں کے علمی و ادبی حلقوں اور جامعات کے اساتذہ اور طلباء و طالبات ان کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ حیدرآباد کو یہ فخر حاصل ہے کہ ایک نامور

فرمودہ جامہ متاثر نہ نے اپنے علمی و ادبی کارناموں سے حیدر آباد کا نام روشن
کیا ہے۔ وہ لوگ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے جنہوں نے اپنے کارناموں
سے اپنے جذب معاشرہ کو وہ سب کچھ دیا ہے جن پر موجودہ صاحبان
فکر و خیال اور آنے والی نسلیں فخر محسوس کرتی رہیں گی۔ پروفیسر محمد علی
آثر ایک خاموش طبع، منکسر المزاج انسان ہیں انہیں کبھی بھی غیر ضروری
مسائل سے دخیل نہیں رہی۔ ان کی ہر نذر اہل علم کے لیے سند کا درجہ
رکھتی ہے۔ ان کی کتابوں میں جو کچھ پڑھنے کو ملے گا وہ مصدقہ معلومات
کا حاصل رہے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے بالخصوص تحقیق کے معاملے میں کبھی
قیاس آرائی سے کام نہیں لیا۔ اپنی مہربان دلائل کے ساتھ، سلیقے
کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ میں ڈاکٹر صاحب کی علمی و ادبی شخصیت
خدمت کی وجہ سے ہی نہیں ان کی ذاتی شرافت، ان کے خلوص اور ان کے
مزاج کی شائستگی اور ان کے شریفانہ سلجھے ہوئے لب و لہجے سے بھی متاثر
ہوں۔ تمام علمی و ادبی حلقوں کی طرح میری بھی یہ خواہش رہے گی پروفیسر
محمد علی آثر اپنے بہترین علمی و ادبی کارناموں سے وابستگانِ علم و تحقیق
کو ہکاستے رہیں۔ نا حال ڈاکٹر محمد علی آثر کی ۲۶ کتابیں مشاع
ہو چکی ہیں

پروفیسر نور الدین

(شریف الطبع، محنتی انسان۔ معتبر استادِ اُردو)

ان دنوں جہاں ہمارے بعض دانش کدوں، درس گاہوں، مدرسوں اور جماعت کی وقعت گھٹانے، اُن کی قدر و منزلت کو کم کرنے والے اساتذہ موجود ہیں وہیں اُن کی عظمتوں، رفعتوں اور اُن کے وقار کو برقرار رکھنے والے اساتذہ کی بھی کمی نہیں ہے آئے دن اس طرح کا یہ منظرِ بھارت نوازوں اور بعیرت پسندوں کے لئے ایک اہم سوالیہ نشان بنتا جا رہا ہے۔ آج کے اس بے اعتنائی، کم نگاہی، کوتاہ ذہنی اور کم سوادوں کے یہ عیشِ سامانی سے مانوس و آلودہ دور میں اچھے اساتذہ کا شمار بہت مشکل ہو گیا ہے۔ دل و جان سے اس مقدس پیشے کی اہم داری، دیانت داری کے ساتھ خدمت کرنے والے علقا ہوتے جا رہے ہیں۔ آج جاری بعض درس گاہوں، تعلیمی و تہذیبی اداروں پر ضرب کاری لگائی

چاہی ہے۔ ذہنی ترقی کے لیے دالے فرض شناس بعض اساتذہ بھی سارا وقت
 مصلحتوں اور آپسی پختہ و رابہ کشی کی نامناسب و نازیبا سرگرمیوں
 میں ملوث ہیں۔ اساتذہ کی آپسی رنجشوں نے ہماری دالے گاہوں کو
 کافی نقصان پہنچایا ہے۔ شکر ہے کہ اس لیے یقینی کے دور میں بھی کچھ
 فرض شناس اساتذہ اپنے پیٹھ سے دیانت داری کے ساتھ وابستہ ہیں
 جن میں سے ایک معتبر نام پرو فیسر انور الدین کا بھی ہے۔ پرو فیسر انور الدین
 اپنے پیشہ سے ایمان داری اور دیانت داری کے ساتھ اپنا گہرا رشتہ رکھنے کے
 سبب علمی و ادبی فیلوں میں بہت زیادہ پسند کیے جاتے ہیں۔ پرو فیسر
 انور الدین سنٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد میں یہ حیثیت پرو فیسر اردو لٹریچر
 میں پرو فیسر صاحب آئی یونیورسٹی کے پروفیسر بھی رہے۔ یہ پرو فیسر یونیورسٹی
 کے خاص شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ پرو فیسر انور الدین نے انوار اسلام
 ایڈیٹر کان سبلی اے اور جاسو عثمانیہ ایم اے اور ایم فل کیا۔ پرو فیسر یونیورسٹی
 کی زیر نگرانی عالمی امن تحریک اور اردو ادب کے موضوع پر مقالہ لکھا
 پی ایچ ڈی کی ڈگری سنٹرل یونیورسٹی سے حاصل کی۔ پرو فیسر گیان چند جین کی
 کی زیر نگرانی پی ایچ ڈی کی تکمیل کی۔ پی ایچ ڈی میں ان کے مقالے کا عنوان
 جہاد باہ کے اردو تعلیمی و ادبی رسائل کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ تھا۔ ڈاکٹر
 انور الدین کا اسی یونیورسٹی میں یہ حیثیت لکچرار اردو تقرر ہوا۔ پھر ریٹائر ہوئے اور
 آئی یونیورسٹی میں ہدر شیپ اردو بھی رہے۔ ڈاکٹر انور الدین کو ایک اعزاز یہ بھی
 دیا گیا کہ انھیں اردو سنٹرل یونیورسٹی کے پہلے پی ایچ ڈی میں

ڈاکٹر انور الدین سے میری ملاقات اکثر علمی و ادبی مجلسوں میں ہو کر رہی ہے۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ وہ ایک شریف انسان، شائستہ و شگفتہ مزاج انسان ہیں۔ ان کا اندازِ مخاطب نہ صرف دلپذیر ہوتا ہے بلکہ پُر اثر بھی رہتا ہے۔ وہ اپنے دوستوں میں اپنی شرافت و خلوص، محبت و مروت کی وجہ سے بھی شہرت رکھتے ہیں۔ ایک ہی پیشہ سے تعلق رکھنے والوں میں آپسی اختلافات اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ یہ مستعدی مرض نہ صرف مدرسوں اور جامعات ہی میں پھیل چکا ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس طرح کے حالات سے ہمیں گذرنا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر انور الدین نے اپنے تعلیمی تدریسی سفر میں خوش خرامی کے ساتھ ساتھ میانہ روی کو بھی ترجیح دی ہے نہ تو وہ سست گام رہے اور نہ ہی تیز گام رہے بلکہ انہوں نے اپنی اعتدال پسندی کے سبب مقبولیت و شہرت حاصل کی ہے۔ جس کسی بھی شخص کا دل و دماغ، شفاف آئینہ کی طرح پاک و صاف رہتا ہے وہ اپنی ادبی و تہذیبی سفر کو راستوں کے مختلف بیچ و خم کی پیروی کیے بغیر جاری رکھتا ہے۔

پروفیسر انور الدین میں یہ وصف اُن کے مزاج اور اُن کی طبیعت میں لہجہ بس گیا ہے۔ پروفیسر انور الدین اپنے ساتھی اساتذہ اور طلباء میں یکساں مقبول ہیں۔ نہایت شائستہ و سلیکھ ہوئے انسان ہیں۔ طلباء کی ہر ممکنہ مدد کرتے ہیں۔ احساسِ ذمہ داری کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے اس بات کے لئے بھی کوشاں رہتے ہیں کہ ان کی خدمت دس دس دن درسی سے اپنی یونیورسٹی کا نام روشن کر رہے ہیں حتیٰ الامکان اس بات کی بھی

رشتہ کر رہے ہیں کہ ان کی جامعہ کا علمی و ادبی ماحول ملک کی دیگر جامعات
 کے مقابلے میں زیادہ خوشگوار رہے۔ طلباء کی بہترین تعلیم و تربیت کے لئے
 مختلف اوقات میں شعبہ اردو کی جانب سے سیمپوزیم، سیمینار، سوجی لکچر اور
 ادبی تقاریب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ملک کی مختلف جامعات کے اساتذہ
 اور نامور دانشوروں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر انور الدین کی ہیں
 اس لیے بھی قدر کرتا ہوں کہ وہ نہایت منکسر المزاج، بااخلاق اور پُر خلوص
 انسان ہی نہیں بلکہ ایک فعال شخصیت کے بھی مالک ہیں۔ انہوں نے جبکہ آہا
 کے بہت سے شاعروں اور ادیبوں کی علمی و ادبی خدمات پر ریسرچ کروایا
 اور یہ سہ آج بھی جاری ہے۔ وہ اپنے طلباء کے تحقیقی مقالوں کے لیے کچھ ایسے
 موضوعات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ جن پر تحقیق کی کافی گنجائش رہتی ہے
 ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ وہ ہر اچھی بات
 اور ہر اچھے مشورہ کو قبول کرتے ہیں چاہے وہ کسی بھی جانب سے اُن تک
 پہنچے۔ انہیں اس بات کا بھی اندازہ رہتا ہے کہ اُن سے ملنے والا کس
 حد تک پُر خلوص ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بہت سے طلباء و طالبات کی
 رہنمائی کی اور اُن کا یہ سرپرستانہ انداز جاری ہے۔ عموماً ان میں طلباء کے
 لیے ایم اے کے بعد ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی میں داخلہ کا مرحلہ نہایت
 اہم رہتا ہے۔ قابل طلباء یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایم۔ فل اور پی
 ایچ۔ ڈی کے اسٹوڈیو میں کامیاب ہو جائیں گے انہیں اس بات کی
 فکر دامن گیر رہتی ہے کہ کہیں پچھلے دروازہ سے داخل ہونے

والا کوئی امیدوار ان کا حق نہ چھین لے۔ اس طرح کے بے اطمینانی و
 بے یقینی کے لمحات سے ہر طالب علم گذرنا سہی ہے جب وہ کسی انٹرویو کے
 لیے جاتا ہے۔ اس طرح کا ایک واقعہ میں اس لیے بیان کرنا چاہتا
 ہوں کہ بہت سے مواقع پر قابل طلباء و طالبات بھی فکر مند رہتے ہیں۔
 ایک سال پہلے کی بات ہے کہ بے بیرونی محمد علی اختر کے حوالے سے دو طالبات
 اسرہی طیبہ اور عالیہ کنیسیم میرے گھر آئیں۔ انہوں نے مجھ سے خواہش کی کہ
 میں ایم۔ فل کے لیے حیدرآباد کے ایسے مشہور و معروف شاعروں کی
 نشاندہی کروں جن پر تحقیق کے لیے مواد سسانی سے اکٹھا کیا جاسکتا ہے
 انہیں اس بات کا ڈرتھا کہ شاید وہ انٹرویو میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ پھر
 وہ شہر کی ادبی سیاست سے واقف تھیں انہیں اس بات کا یقین نہیں تھا کہ
 ان کے دیئے ہوئے موضوع کو اربابِ بجاز قبول کریں گے۔ میں نے نماز
 شہر اور رئیس اختر اور ڈاکٹر صادق نقوی پر مقالہ لکھنے کا مشورہ دیا تھا
 اور یہ بھی کہا تھا کہ یہ دو ایسے مستند شاعر ہیں جن کی شاعرانہ خدمات
 پر کام کرنے کی ضرورت ہے اور یقین دلایا تھا کہ ان شعراء کے مقالے کے
 سلسلے میں بھرپور تعاون کروں گا۔ یہ سڑکیاں بہت خوش ہوئیں۔
 انہوں نے مجھ سے کہا کہ انٹرویو مکمل ہے۔ میں نے کہا کہ اگر آپ میں
 صلاحیت ہے تو آپ کو داخلہ مل جائے گا کیوں کہ وہاں میرٹ کی بنیاد
 پر داخلے ہوتے ہیں چنانچہ دونوں کو داخلہ مل گیا وہ بے حد خوش ہوئیں
 ڈاکٹر انور الدین سے جب کبھی نون پر گفتگو ہوتی ہے یہ یاد آتی ہے

ہوتی ہے نوجو خوش ہوتا ہے۔ اس طرح کے اساتذہ اگر تمام جامعات میں رہیں تو جامعات کا ماحول کبھی آلودہ نہیں ہو سکتا۔ اور طلباء کا تعلیمی سفر نہایت سکون کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ اگر اساتذہ کے آپس میں بہترین مراسم رہیں تو دانش گاہوں کا ماحول یکسر بدل جائے گا۔ ڈاکٹر انور الدین جب کبھی مجھ سے ملتے ہیں تو اپنی پوری شرافت، محبت و خلوص کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔ علمی و ادبی مصروفیات میں ان کا زیادہ وقت گزرتا ہے۔ ملک کی مختلف جامعات کے تحت ہونے والے سمینار و سیمینار اور ادبی جلسوں میں شرکت کرتے ہیں۔ ریسرچ اسکالرس اور اساتذہ کے انتخاب کے سلسلے میں انہیں مدعو کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر انور الدین کی تاحل دو کتابیں زیر عنوان "فکر و نظر" اور "جہاد آباد دکن کے علمی و ادبی رسائل" شائع ہو چکی ہیں۔ "فکر و نظر" کو اردو اکیڈمی آف انڈیا پریش نے انعام سے نوازا ہے۔ ڈاکٹر انور الدین شعبہ اردو سنٹرل یونیورسٹی کے ترجمان حقیقی مجلہ کے جوائنٹ ایڈیٹر اردو رہ چکے ہیں اور "مجملہ" کے مدیر بھی رہے ہیں حکومت آندھرا پردیش کی آئٹو، ٹیو، ٹیو اور دوسری جماعت کے نصاب کی کتابوں کے مرتب رہے۔ ان کی تعلیمی خدمات کو سراہتے ہوئے آندھرا پردیش اردو اکیڈمی نے "بیسٹ ٹیچر" ایوارڈ دیا۔ ڈاکٹر انور الدین جیہدہ آگاہ کی میزبانی علی و ادبی تحفوں میں شرکت کرتے ہیں کبھی مغز کی حیثیت سے تو کبھی اپنے مضامین کے ذریعہ زندگانِ علم و فن کی پیاس بجھاتے ہیں۔ ان کے مضامین اپنے

موضوعات کے مکمل ترجمان رہتے ہیں۔ ان کا اسلوب تحریر اور اندازِ مخاطب پسندیدگی کا استثنیہ دار ہوتا ہے۔ ان کا ایک اور کارنامہ جامعہ کی ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اردو زبان، اردو ادب اور اردو تہذیب کی خدمت کرنا بھی ہے۔ ڈاکٹر انور الدین اداۃ سیاست کی جانب سے ہونے والے عابد علی خان ایجوکیشنل ٹرسٹ کے اردو دانی زبان دانی اور اردو انشائے امتحانات کے انعقاد کے سلسلے میں بھی اہم بیرونی ادا کرنے ہیں۔ ان کا پیر غلامی تعاون مثالی ہے۔ ان کے سینیئر رفیق کار مرزا اکبر علی بیگ کی رفاقت، امتحانات کے انعقاد کے سلسلے میں شمر آوری ثابت ہوتی ہے اور یہ کامیاب سلسلہ ۶ برس سے جاری ہے اردو امتحانات کے سربراہ جناب فہیم الدین علی خان صاحب میننگ ایڈیٹر روزنامہ سیاست ہیں۔ یہ تمام کام جناب زاہد علی خان صاحب مدیر سیاست کی راست نگرانی میں انجام پاتے ہیں جناب زاہد علی خان صاحب کی قیادت ہی میں یہ تعاون جناب فہیم الدین علی خان صاحب روزنامہ سیاست کی تعلیمی سرگرمیاں جاری ہیں۔ ان امتحانات کے انصرام کے سلسلے میں ڈاکٹر انور الدین اور پیر دہیر اکبر علی بیگ بہترین معاون ثابت ہوئے ہیں ان امتحانات کے ذریعہ بلا تخصیص منہب و مملکت زبان ہزاروں بچے بڑے اردو زبان و ادب، تہذیب کے قربت اختیار کر رہے ہیں مجھے اپنے دوست اور اپنے استاد بھائی ڈاکٹر انور الدین کے رویت، افروز خیالات اور ان کی لائق تحسین ادبی سرگرمیوں پر ایسے حدسرت ہوتی ہے۔ نامور استاد جامعہ ڈاکٹر انور الدین ایسا ساندہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نہ صرف بہترین استاد جامعہ کی حیثیت سے بلکہ ایک قابل قدر ادیب کی حیثیت سے بھی ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

کبیر احمد

بے داغ شخصیت، باصلاحیت دانشور

بہت کم بلکہ انگلیوں پر گنی جانے والی کچھ ایسی شخصیتیں بھی ہمارے معاشرہ کا حاصل ہوتی ہیں جو اپنی شرافت، محبت، انسان دوستی اور باہمی رشتہ خلوں کی ترجمان ہوتی ہیں جن کا وجود سو سائٹی کے لئے ایک ایسا قیمتی نور ہو رہا ہے کہ جس کے اُجالے نزدیک و دور کے ہر روشنی پسند انسان کے لئے ایک نعمت ہے۔ پایاں اور ایک ایسی سوغات سمجھے جاتے ہیں جو بنانا لگے اس کے دامن کو بھر دیتے ہیں۔ اس طرح کے بے انتہا شریف، بامروت، سادگی، عزاج اور روشن طبیعت لوگوں میں نامور دانشور کبیر احمد، سابق ڈائریکٹر آل انڈیا ریڈیو بھی شامل ہیں۔ کبیر احمد ایک روشن خیال، روشن دماغ اور کشادہ دل انسان ہیں جب کبھی ان سے ملاقات ہوتی ہے تو یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ یہ شخص اعلیٰ منصب پر فائز اتنا بڑا عہدہ دار ہے۔ ایک بہترین انسان

مثالی دوست اور نہایت ذہین و باشعور شخص کا نام کبیر احمد ہے۔ کبیر احمد صاحب نے ملنے والا ہر شخص ہی سمجھتا ہوگا کہ وہ ایک ایسے دریا سے نور و نقات ہیں جن کا فیض سلسلی جاری ہے۔ کبیر احمد صاحب دوسروں کی خوشیوں میں شریک ہونے والے، ہر حال میں دوسروں کو خوش رکھنے والے ایک ایسی شخصیت کے حامل ہیں جو اپنے حصے کی خوشیاں دوسروں کی تھوڑی سی ڈالنے کا فن جانتے ہیں۔ کبیر صاحب نے اپنی ذات کے لئے کبھی بھی کچھ نہیں کیا بلکہ ان کی زندگی کا سارا اہم مقصد اور سارا فلسفہ یہ ہے کہ کسی کی آنکھوں میں آنسو نہ رہیں کسی کا پیڑہ مسخ نہ ہو، کسی کا دل اداس نہ ہو، کسی کی نظر ٹھکی ٹھکی جھکی جھکی نہ رہے۔ کبیر احمد ہندو معاشرہ کی پسندیدہ شخصیت ہیں جن سے مراکم سید ہر وہ شخص خوشی محسوس کرتا ہے جو پاک و صاف معاشرہ سے واسطہ رکھتا ہو اور وہ شخص بھی خوش محسوس کرتا ہے جو لاپرواہی کے ساتھ اپنی زندگی گزار رہا ہے اور وہ شخص بھی جو ان کے ساتھ ان کے اطمینان کی سانس لینا چاہتا ہے۔

کبیر احمد میرے اُن بہترین دوستوں میں سے ایک ہیں جن کی دوستی قابل رشک ہے اور ان جیسے معتز لوگوں سے مراکم رکھتے ہوئے دلی سرت محسوس ہوتی ہے۔ کبیر احمد سے میری دوستی کوئی ۳۵ برس پرانی ہے۔ اُن سے میری پہلی ملاقات سکریٹریٹ میں ہوئی تھی کبیر صاحب نے ابتدائی ملازمت کا آغاز سکریٹریٹ میں کیا۔ سکریٹریٹ میں چند سال رہے

اُن سے بھی کبھی ملاقات ہوئی تھی اُن کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی کتاب رہتی
 تھی وہ غالی ہاتھ کبھی نہیں رہتے۔ افس آتے ہوئے اور افس سے ٹوٹتے
 ہوئے ان کے ساتھ علم کی دولت رہتی تھی۔ سکریٹریٹ میں شاید
 اُن کے دوست بہت کم تھے البتہ مسٹر رامیا جو میرے ڈپارٹمنٹ
 سے تعلق رکھتے تھے اُن سے کبیر صاحب کی ملاقات تھی مسٹر رامیا میرے
 بھی اچھے دوست ہیں وہ انگریزی زبان کے شاعری میں مہلو ہیں بھی انہوں
 نے بہت سی نظمیں کہی ہیں کافی سمجھ بوجھ رکھنے والے انسان ہیں انہوں
 نے انگلش لٹریچر میں جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کیا ہے ان دنوں مسی کالج
 میں پکچر میں کبیر صاحب نے سکریٹریٹ کی ملازمت کب ترک کی تھی کچھ
 نہیں معلوم۔ البتہ مجھے مسٹر رامیا سے بعد میں پتہ چلا تھا کہ انہوں نے آل انڈیا
 ریڈیو کی ملازمت اختیار کر لے ہے اور وہ پیر و گرام انگریز کی حیثیت سے
 کارگزار ہیں کبیر صاحب جب آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد میں لے گئے تو ان سے
 ملاقات ہوتی رہی۔ کچھ مختلف ادبی و شعری پیر و گراموں کے سلسلے
 میں آل انڈیا ریڈیو جانا پڑنا تھا۔ کبیر صاحب شروع سے ہی کم آمیز
 شخص رہے۔ محسوس ہوتا تھا کہ وہ زندگی کے خوش گوار لمحوں سے
 اجتناب کر رہے ہیں افس میں بھی خاموش رہتے تھے ان کا تبادلہ پربھنی
 اورنگ آباد اور دلی ریڈیو اسٹیشن پر ہوا اور نہ جانے کہاں کہاں گئے
 جب انہیں ڈاکٹر کمر کی حیثیت سے آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن کشمیر جانے کے
 آرڈر ملے تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ کشمیر کے غیر یقینی حالات نے انہیں

کش کش میں مبتلا کر دیا تھا کہ جائیں یا نہ جائیں انہوں نے کئی
 احباب سے مشورہ کیا آخر کار کشمیر چلے گئے۔ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ
 تقریباً دو برس تک کام کرتے رہے۔ کبیر صاحب کشمیر ریڈیو سے مختلف
 اردو پروگرام کا آغاز کیا۔ ان کے ہاں اردو کے لئے کافی بجٹ تھا وہ بجٹ
 کا صحیح استعمال کیے گئے۔ کشمیر کے پروگرام کے سلسلے میں حیدر آبادی فن کاروں
 بھی انہوں نے ربط رکھا۔ مجھے یاد ہے کہ انہوں نے حیدر آباد اور اضلاع
 تلنگانہ، بلکہ گلبرگ، پیر یعنی اور جہاں جہاں بھی ملازم رہے وہاں
 کے شاعروں، ادیبوں اور فن کاروں کو ریڈیو پروگرام دینے رہے حیدر آباد
 اور اضلاع آندھرا پردیش کی حد تک شاعروں، ادیبوں کو پروگرام دینے
 سے پہلے مجھ سے بھی مشورہ کرتے تھے اکثر دفعہ علی الصبح ٹھہر فون کرتے اور
 مشورہ طلب کرتے کہ کن کن شاعروں، ادیبوں کو پروگرام دیا جانا
 چاہیے۔ یا بھی مشاورت سے انہوں نے بہت سے اہل فن حضرات
 اور خواہن کو پروگرام دیئے۔ انہوں نے کئی شاعروں، ادیبوں کے پروگرام
 حیدر آباد ریڈیو اسٹیشن میں ریکارڈ کروا کر منگوایا۔ پروگرامس
 کو قطعیت دینے کے بعد کبیر صاحب فون پر مجھے اطلاع دیتے اور میرے
 نام پروگرام کی ایک کاپی روانہ کرتے۔ میں متعلقہ تملکاروں کو اطلاع
 دینا اور خاص طور پر اضلاع کے کسی ایک اہم شاعر کو اطلاع دینا کہ
 کبیر احمد صاحب نے کہا کہ کشمیر ریڈیو کے لئے ایک ادبی پروگرام بھیوانا ہے
 آپ اپنے ضلع کے متعلقہ سینئر عہدہ دار سے ملاقات کر لیں

کبیر صاحب کشمیر ریڈیو کے نئے کئی نئے اور پرانے قلمکاروں، فن کاروں
 کی زبردست خدمت کی ان کی اس کرم فرمائشوں کا سلسلہ کئی ماہ جاری رہا
 لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کبھی اسے ہی ان فوٹو گریں کی شکایت پر یہ سلسلہ
 روک گیا۔ شکایت میں کہا گیا کہ کبیر صاحب ریڈیو کشمیر کا سارا ویسہ
 حیدر آباد کے شاعروں اور ادیبوں پر خرچ کر رہے ہیں جبکہ ڈائریکٹر
 آل انڈیا ریڈیو حیدر آباد بن گئے تو حیدر آباد کے قلمکاروں کے لئے
 فیض عام کا دروازہ کھلا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جتنے اردو پروگرام کبیر صاحب
 کے دور میں حیدر آباد کے شاعروں، ادیبوں کو دیئے گئے۔ اتنے
 پروگرام حیدر آباد ریڈیو کے کسی بھی دور میں نہیں ملے ہوں گے کبیر صاحب
 نے اردو پروگرام کے دائرے کو بہت وسیع کیا تھا۔ شہر کی مختلف نامور
 شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں۔ ہر فن کار کو اس کے مزاج کے مطابق پروگرام
 دینے رہے۔ کئی نئے ادبی و فنی سلسلے شروع کیے۔ مختصر یہ کہ ادب
 کا کوئی ایسا گوشہ نہیں تھا جس پر کبیر صاحب نے روشنی نہ ڈالی ہو۔
 آل انڈیا ریڈیو حیدر آباد کی تاریخ میں کبیر صاحب پہلے مسلمان ڈائریکٹر
 رہے۔ ان کی بہترین کارکردگی کے اعتراف میں حکومت نے ان کی
 مدت ملازمت میں ایک سال کی توسیع کی۔ کبیر صاحب کا اجلاس
 شاعروں، ادیبوں اور فن کاروں کے لئے منتظر رہا کرتا تھا ہر چھوٹے
 بیڑے قلمکار سے وہ خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے۔ نرم لہجہ میں گفتگو
 کرتے۔ شاید ہی کوئی فن کار عموماً گواجو کبیر صاحب کے ادبی دربار سے

خالی ہاتھ لوٹا ہو۔

کبیر صاحب نے انتہائی باصلاحیت قلم کے دھنی اور ذمہ دار آفیسر کی حیثیت سے نام کمایا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا سارا اسٹاف ان کے ہی خاندان کا ایک فرد تھا۔ کبیر صاحب نے اپنی ڈائریکٹری کے زمانے میں اپنے آفس کے ملازمین کے مختلف مسائل جو تصفیہ طلب تھے ان کی فراخ دلی کے ساتھ یکسوئی کی۔ میں نے انھیں کسی دن بھی اپنے روم میں تنہا نہیں پایا۔ کچھ لوگ کرسیوں پر تو کچھ لوگ صوفوں پر بیٹھے رہتے۔ احباب سے گفتگو کرتے رہتے اور فائیلوں پر اپنے نوٹس لکھتے رہتے۔ فون بھی ریسو کرتے رہتے۔ اپنے خاص دوستوں کے لئے نسخ کے علاوہ چائے کا بھی انتظام ہو جاتا۔ نہایت یار باش آدمی ہیں۔ کبیر صاحب جتنی بہترین آدمی دو جانتے ہیں اتنی ہی ان کی انگریزی قابل رشک ہے۔ انگریزی میں ان کی بعض تقریریں میں نے سنی ہیں سننے والوں کا یہ احساس ہے کہ ایک دریا ہے کہ بہتا جا رہا ہے ان کا ہر جملہ آبِ رواں کی طرح سامعین کے دل و دماغ کو تر و تازہ بخشتے ہوئے فیض پہنچاتا رہتا ہے اردو کے ادبی جلسوں میں زیادہ تر اردو میں ہی تقریر کرتے ہیں بہت ہی رواں دواں ان کا انداز خطاب ہوتا ہے کبیر صاحب کو میں نے مجھ سے متعلق انجمنوں کے کئی ادبی جلسوں میں کبھی صدر کی حیثیت سے کبھی وہاں خصوصی اور کبھی مقرر کی حیثیت سے مدعو کیا ہے۔ اگر انھیں جلسوں میں

شرکت کرنی ہو تو وقت پر آتے ہیں اور جہلہ کے اختتام تک بیٹھے رہتے ہیں
 کبیر صاحب کو اردو شعر و ادب سے کافی دلچسپی ہے مذہبیات کی نوافل
 محفلوں میں بھی شریک رہا کرتے ہیں انھیں بزرگانِ دین سے بھی
 غیر معمولی عقیدت ہے شہر کے علمائے کرام سے ان کے مراسم ہیں
 ان سے وقتاً فوقتاً ملاقات کرتے رہتے ہیں و طیفہ حسن خدمت
 کے بے کبیر صاحب خاتما ہی نظام سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔
 علمائے کرام اور مذہبی علوم و فنون سے زیادہ سے زیادہ فیض پانا چاہتے ہیں
 نہایت پاک و صاف، معتبر اور نیک سیرت انسان ہیں۔ شہر کے
 تمام قابل ذکر نامور شخصیتوں سے ان کی رسم و راہ ہے انکساری
 ان کے مزاج کا ایک اہم جزو ہے کبھی بھی انہوں نے اپنی عظمت و
 قابلیت پر غرور نہیں کیا۔ ادب کے ایک طالب علم کی طرح بڑی بڑی
 محفلوں میں شرکت کرتے ہیں حیدرآباد میں کبیر صاحب کے دوستوں
 کا ایک وسیع حلقہ ہے لیکن بہت کم ایسے دوست ہوں گے جو ان
 سے بے تکلف ہوں گے۔ جب وہ ڈاکٹر ٹھٹھے نو میری ہر جائز
 سفارش پر بہت سے شاعروں، ادیبوں کو ریڈیو پروگرام سے نوازتے
 رہے انہوں نے یہاں تک کہ اردو پروگرام میں بعض ہندی شاعروں
 کی بھی پذیرائی کی۔ ڈاکٹر سی نارائن ریڈی سے انٹرویو کے لئے مجھے اور
 نہپال سنگھ ورما کے فلم کنڈاکٹ فارمن بھیجوائے ڈاکٹر نارائن ریڈی
 کا وہ انٹرویو بہت اہم تھا۔

ڈاکٹر نارائن ریڈی نے دورانِ اسٹریڈیو یہ بھی کہا تھا کہ میں
 فرزندِ جاوید عثمانیہ ہوں اردو ذریعہ تعلیم سے میں نے گرا محوِ بین کی
 تکمیل کی ہے میں اردو زبان و ادب کا دلدادہ ہوں۔ اردو شعرد
 ادب سے بھوکے کیری دلیسنگی ہے میں اردو میں بھی شعر کہتا ہوں۔
 کبیر صاحب نے حیدر آباد میں تقریباً تمام اہم شخصیتوں پر
 اسٹریڈیو نشر کر دیا ہے ان کی ڈائریکٹری کا دفتر — یقیناً ریڈیو
 اسٹیشن حیدر آباد کی تاریخ میں اردو والوں کے لئے ایک سہترے
 دور کی حیثیت سے یاد کیا جاتا رہے گا۔ وہ نہایت خوش مزاج
 دوستی کے قابل انسان ہیں۔ جب بھی دوستوں سے ملتے ہیں تو ان
 کے چہرہ پر خوشی و مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ مسکراتے ہوئے
 سنے اجاب سے محو گفتگو رہتے ہیں۔ کبیر صاحب بھی میرے
 دوستوں میں سے ایک ہیں جن کی گفتگو اور جن کے طریقہ تکلم کی
 امیرے لب و لہجے کو توانائی بخشتی ہیں ۛ

مسعود بن سالم

چشمہ آبِ رواں - تنویرِ دیدہ و دل

ہند ب سوسائٹی کی نمائندہ شخصیتوں میں ہمیں کچھ ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جن کا وجود معاشرہ کے لئے تنویرِ صبحِ نو کا پیغام بن کر اپنے ارد گرد کے سارے ماحول کو منور کر دیتا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی رہتے ہیں وہاں اندھیروں کا گزر نہیں ہوتا، وہاں اُجالا ہی اُجالا رہتا ہے جب ایسے لوگوں کی نیکیاں چشمہ آبِ رواں بن جاتی ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے وجود میں آنے کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ جب تک ان کی سانس چلتی رہے گی وہ دوسروں کی بھلائیوں کے لئے ہی سونچتے رہیں گے اور اپنے حق سلوک سے ہر مستحق شخص کو اس کا حق دلانے لہیں گے اور ایسے لوگ جو تمام عمر روشنی کی سرحدوں سے گزرتے ہوئے اپنے نصب العین کی حدوں کو پار کرنا چاہتے ہیں ان کی راہوں میں کسی بھی قسم کی رکاوٹیں حائل نہیں ہو سکتیں اور وہ اپنا سفر جو صراطِ مستقیم کا سنگِ میل ہوتا ہے نہایت پرسکون انداز میں جاری رکھتے ہیں، اور وہ جس منصب پر بھی

فائنل دیتے ہیں نہایت دیانت داری، اعلیٰ ظرفی، اور ایمان داری
 مجھے ساتھ اپنی ذمہ داریوں سے عمدہ برآہوتے ہیں۔ ایسے ہی خوش خصال
 باکردار، روشن دل و دماغ رکھنے والے لوگوں میں ایک نام مسعود بن سالم
 سابق ڈائریکٹر انگریزی آئندہ پراپرٹی انویسٹمنٹ کمیشن کا مجھے مسعود بن سالم میرے نہ تو
 کوئی قدیم دوست ہیں اور نہ ہی جدید دوست ہیں بلکہ میں انہیں جانتا بھی
 نہیں تھا کہ وہ کس شعبہ جیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسعود بن سالم سے
 میری پہلی ملاقات کا میر ہینسپو کالج آف ایجوکیشن واقع ماں صاحب میننگ
 میں ہوئی تھی۔ میری ایک رشتہ کی بہن ڈاکٹر شفیقہ قادری ان دنوں بی ایڈ
 کا امتحان دے رہی تھی اسے ممتاز ماہر تعلیم نجمہ عبدالحق کی مرتب کردہ ایک
 اردو کتاب کی ضرورت تھی جو بی ایڈ کورس سے متعلق تھی۔ جب میں نجمہ صاحبہ
 سے اس کتاب کے سلسلے میں ان کے دولت خانے پر پہونچا تو انہوں نے
 مجھ سے فرمایا تھا کہ وہ کتاب اس وقت ان کے پاس نہیں ہے البتہ
 مسعود بن سالم پچھر کا میر ہینسپو کالج آف ایجوکیشن سے حاصل کی جاسکتی
 ہے چنانچہ میں نے ان کے حوالے مسعود بن سالم صاحب سے ملاقات کی۔
 شفیقہ قادری میرے ساتھ خفیں پرتپاک انداز میں مجھ سے ملے۔ میں
 نے ان سے ملاقات کا مقصد بیان کیا۔ انہوں نے چائے سے تواضع کی
 اور کلنچی لائبریری سے وہ کتاب منگو کر میرے حوالے کی۔ دوران گفتگو
 مسعود صاحب نے کہا کہ میں آپ سے غالباً اچھی طرح واقف ہوں۔
 آپ کا کلام سیاست میں پڑھنا رہتا ہوں۔ میں نے ریڈیو سے بھی آپ کا

کلام سنا ہے۔ مسعود صاحب سے دو تین دفعہ کانٹ میں ملاقات رہی۔ پھر
 اُن سے میری آپس ملاقات نہیں ہوئی۔ حسن اتفاق سے انہوں نے ڈائریکٹر
 اُردو اکیڈمی کی ذمہ داری ۱۹۹۳-۱۹۹۱ بنگالی اُس زمانے میں جلیل پاشا
 صدر نشین اُردو اکیڈمی تھے جو میرے قریبی دوست ہیں انہوں نے اُردو
 اکیڈمی کے بہت سے معاملات میں مجھ سے تعاون حاصل کیا جلیل پاشا
 کا دور صدر نشینی کئی اعتبار سے قابل تقلید ہے انہوں نے میرے
 مشورہ سے بہت سے شاعروں اور ادیبوں کے مسائل کی یکسوئی کی اور
 میری ہر جائز سفارش کی پذیرائی کی۔ جلیل پاشا کی صدر نشینی کے زمانہ
 میں اُردو کے بہت سے پروگرامس ہوتے رہے۔ اُس زمانہ میں مسعود بن
 سالم صاحب سے اکثر دفعہ ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اُن کا مخلصانہ اور
 با اخلاق سلوک مثالی تھا مسعود صاحب جب نظامتِ تعلیمات
 آفس سے وابستہ رہے تو وہاں اُردو کے مسائل پر اُردو والوں کی مدد
 کرتے رہے۔ اُردو اکیڈمی کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے مسعود بن سالم صاحب
 نے بہت سی ایکمات کو جو حق و خوبی عمل میں لایا۔ شاعروں ادیبوں
 کی اُردو ڈائریکٹری کا کام انہیں کے زمانے میں شروع ہوا اور تقریباً تکمیل
 پایا تھا ڈاکٹر علی احمد جلیل کی نئی کتاب اُردو لغت کا کام بھی انہیں کے
 زمانے میں شروع ہوا۔ اکیڈمی کی جانب سے عزیز بھارتی کا مجموعہ
 لے کر انہیں کے زمانے میں شائع ہوا۔ مسعود صاحب کے دور میں کسی بھی
 شاعر و ادیب کی حق تلفی نہیں ہوئی۔ اکیڈمی کا کام صاف ستھرے انداز

یہ جاری رہا۔ سعود صاحب سے میں نے کبھی اپنا ذاتی کام نہیں لیا البتہ
 ایسے شاعروں اور ادیبوں کے مسائل جن کا آفس کی بھول بھلیوں میں
 کھو جانے کا امکان رہتا تھا ایسے توجہ دلانے پر جلد از جلد تکمیل
 پلاتے رہے۔ زمرہ شاعری میں میں نے بہ حیثیت ”بج“ شاعروں کے
 مسودات و مطبوعات کے سلسلے میں فراخ دلی کے ساتھ بھرپور تعاون
 کیا۔ مستحق شاعروں ادیبوں کی اعانت کی۔ ایک دفعہ یوں ہوا کہ اکیڈمی
 کو ایک بزرگ و محترم شاعر کے انعام کے سلسلے میں کچھ غیر متوقع
 حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا لیکن سعود صاحب نے اپنی حکمت عملی سے
 ایک اچھے ہوئے مسئلہ کو غیر محسوس طریقہ سے حل کیا۔ یہی نہیں سمجھی اور مسائل
 کو نہایت عمدگی کے ساتھ طے کیا۔ سعود صاحب دوبارہ ۱۹۹۶ء میں ڈائریکٹر
 اردو اکیڈمی مقرر ہوئے۔ اور سپد شاہ نور الحق قادری کی صدر نشینی کے
 دور میں بھی ڈائریکٹر رہے انہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے اپنی ذمہ داریوں کو
 نبھایا۔ سعود صاحب ڈائریکٹر کے عہدہ سے اکتوبر ۱۹۹۹ء کو سبکدوش
 ہوئے۔ شاعروں، ادیبوں کے مسودات، مطبوعات کا سلسلہ ہو کہ
 کتابوں کی خریداری کا مسئلہ ہو رسائل کو امداد دینے کا مسئلہ بھرپور
 اعانت کرتے تھے۔ خاص خاص ادبی جلسوں کے انعقاد کے سلسلے میں بھی
 انہوں نے کئی افراد و اداروں کی مدد کی۔ سعود صاحب ایک بہترین
 استاد کی حیثیت سے شہرت پا چکے ہیں محکمہ تعلیمات میں بھی اپنی صلاحیتوں
 کا لوہا منوایا۔ سعود صاحب کو یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ ان کی عمدہ خدمات

کے سلسلے میں حکومت نے ان کی مدت ملازمت میں ایک سال کی توسیع کی
 مسعود صاحب کے بعد اکیڈمی کے حالات میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں
 مسعود صاحب نہایت با اخلاق، دوست نواز شخصیت کے
 حامل ہیں مسعود صاحب میرے دوست ہیں بہ میرے لئے اعزاز ہے اکیڈمی
 کے آفس میں اکثر ان سے خیر سگالی ملاقات ہوتی تھی انہوں نے ہمیشہ
 چلے سے تواضع کی۔ ان سے میری ملاقات ۵۷ء سے مزید سے زیادہ نہیں
 رہی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کے آفس کے کاموں کو اپنی موجودگی
 سے متاثر کروں۔ مسعود صاحب کی شخصیت ہی کچھ ایسی ہے کہ جب
 ان سے کسی کی دوستی ہو جاتی ہے تو وہ ان کی طرف کھینچا جاتا ہے۔
 میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ انتہائی معروضیات کے باوجود اگر کوئی خاص دوست
 ان سے ملنے آئے تو وہ بیزارگی محسوس نہیں کرنے تھے اور وہ مسکراتے
 ہوئے کھڑے ہو کر استقبال کرتے تھے مجھے مسعود صاحب کا انداز گفتگو
 ہمیشہ متاثر کرتا رہا۔ بردباری، شرافت ان کا خاص وصف ہے نرم
 گفتاری اور سنجیدگی میں وہ اپنی مثال آپ ہیں ان کے خاص دوستوں
 میں بہت سے لوگ ہوں گے لیکن اردو اکیڈمی کے سلسلے کے خاص دوستوں
 میں ڈاکٹر مسطفی کمال، عاتق شاہ اور رفعت صدیقی کو میں نساں کے
 قریب محسوس کیا۔ مسعود بن سالم ایک کھرے پاک، صاف انسان ہیں
 ان کی ملازمت کے آخری دنوں میں میں نے بزم عثمانیہ جدہ کے جہزیل
 سکریٹری جناب عارف قریشی سے تعارف کروایا تھا عارف قریشی حیدرآباد

کے کچھ اُردو میڈیم مدارس کی امداد کرنا چاہتے تھے جب انہوں نے مجھ سے مشورہ کیا تو میں نے کہا کہ اس سلسلے میں مسعود صاحب سے بہتر کوئی ایسا شخص میری نظر میں نہیں جو اُردو میڈیم کے مستحق مدرسوں کی نشاندہی کر سکے۔ چنانچہ مسعود صاحب کی رہنمائی میں عارف صاحب نے میری موجودگی میں شہر کے سب سے اہم اسکولوں کی رقی اعانت کی۔ مسعود صاحب کا مشورہ اور نواہد صد فی صد صحیح رہنا ہے نہ جانے کتنے ایسے لوگ ہوں گے جو ان کی اُستادی کے زمانے سے لے کر ڈاکٹر کھار اُردو اکیڈمی کے زمانہ تک فیض نہ پہنچے ہوں۔

حیدر آباد کے نامور شاعر عزیز بھارتی سخت بیمار تھے ان دنوں کوئی شاعر یا ادیب ان کی مالی اعانت کے لئے اُردو اکیڈمی سے رجوع نہیں ہوا تھا۔ وہ ڈاکٹر رام پرشاد کے نزدیک ہوم میں زیر علاج تھے عزیز بھارتی نے مومن خان شوق صاحب کے ذریعہ مجھ سے ملنے کی خواہش کی۔ میں شوق صاحب کے ہمراہ فی الفور ان سے ملنے کے لئے ٹونگ ہوم پہنچا ابھی میں ان کے روم میں داخل بھی نہیں ہوا تھا کہ میرے قدموں کی آہٹ سے انھیں اندازہ ہو گیا کہ میں آ رہا ہوں۔ عزیز بھارتی نے مجھے دیکھتے ہی کہا ”نیر بھائی“ اور انہوں نے اپنے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی۔ میں نے انھیں لیٹے رہنے کے لئے کہا۔ انھیں دلاسا دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ انھیں طبی اعانت کی سخت ضرورت ہے میں عزیز بھارتی کے میسرے بیٹے سے کہا کہ آپ طبیاست آفس آجائے وہ

میرے پاس آئے میں نے زامہ علی خان صاحب سے سب ادا دی
 ٹرسٹ سے مدتی امداد کا چیک دلوایا پھر میں نے کہا کہ آپ اردو اکیڈمی
 جانیے ڈائریکٹر صاحب سے مل لیجئے میں فون کروں گا۔ میں ڈیرہ
 نیچے اُن سے مل لوں گا۔ میں اکیڈمی کے آفس پہنچا۔ مسعود صاحب سے
 عزیز بھارتی کی رقتی اعانت کے سلسلے میں گفتگو رہی۔ انہوں نے کہا کہ
 ضرور امداد دی جائے گی۔ اکیڈمی سے طبی اعانت کے لئے ۲۰ ہزار روپے
 امداد منظور ہوئی۔ یہ رقم مسعود صاحب نے بر نفیس خرچ کر دی ہے مگر
 عزیز بھارتی کے حوالے کی۔ میں ساتھ ساتھ اکیڈمی کے اکاؤنٹ آفیسر
 جناب فی الدین شریفی صاحب سے ہمراہ تھے۔ مسعود صاحب کے سلوک نے مجھے
 بہت متاثر کیا ان کے لئے دل سے دعائیں نکلیں۔ انہوں نے میری بات
 کی لاج رکھ لی۔ اور ایک مستحق شاعر کی مدد کی۔ اکیڈمی میں شاعری کے
 مسودات کی فہرست میں عزیز بھارتی کا بھی مسودہ تھا میں اُدھر نظر مجاز
 مسودات کے سلسلے کے تحت مجھے ہم نے بلاتامل عزیز بھارتی کا مسودہ
 منظور کیا۔ مسودہ منظور تو ہوا لیکن اس کی اشاعت کا مسئلہ درپیش
 تھا اکیڈمی کی جرئی اعانت سے کتاب شائع نہیں ہو سکتی تھی۔ میں
 نے مسعود صاحب سے خواہش کی کہ اگر آپ یہ کتاب اردو اکیڈمی
 کی جانب سے شائع کریں تو یارہ بہتر ہے انھیں میرا مشورہ پسند
 آیا اور ان کی کتاب لچر کا سفر کے نام سے اکیڈمی نے شائع کی۔

مسعود صاحب کی خواہش پر میں نے اس کتاب کا پیش الفاظ لکھا۔
 مسعود صاحب کے اکیڈمی سے جانے کے بعد اکیڈمی کے حالات اپنے انداز
 سے جاری رہے۔ اگر وہ مزید کچھ عرصہ تک رہتے تو ان کی رہبری سے
 اردو اکیڈمی ذیلہ افتخار کرنی مسعود صاحب کا ایک اہم کارنامہ ڈاکٹر
 علی احمد جلیلی کی کتاب التواضع کی اکیڈمی کی جانب سے اشاعت
 ہے۔ اگر کتاب کی اشاعت کے عمل میں میں نے ڈاکٹر علی احمد جلیلی
 کو مشورہ دیا تھا کہ آپ ڈاکٹر مسعود بن سالم سے مل لیجئے وہ یہ کام
 کر رہے ہیں مجھے میں نے مسعود صاحب سے تعاون کی خواہش کی تھی۔ مسعود صاحب
 کی شخصی دلچسپی سے اکیڈمی کے بہت سے کام مثبت انداز میں طے پائے
 ہیں۔ ایسی کئی اور مثالیں پیش کرنے کے موقع میں ہوں۔ مجھے یہ
 اعتراف کرنے میں زیادتی تامل نہیں ہے کہ مسعود صاحب کے اکیڈمی
 کے لیے ایک ایسے سیدھے تجربہ بہت سوں کے لیے فیض رسان رہے۔
 معلوم ہوا ہے کہ مسعود صاحب اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی بناء پر
 مولانا ابوالکلام آزاد اردو یونیورسٹی سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ مسعود صاحب
 بہت ہی سچے ہوئے مقرر ہیں اور مسائل پر معلومات آفرین خیالات
 سے مستفید کرتے ہیں۔ خدا انہیں اتنی عمر دے کہ وہ زبان و ادب کی
 دیر تک خدمت کرتے رہیں۔
 البتہ خدمت گذاروں کی آج اہل اردو کو سخت ضرورت ہے

عصف علی خان

(نامور صحافی۔ ممتاز دانشور۔ لاجواب مقرر، نقیب انسان)

مزم اور دروابط اگر خوشگوار ماحول میں کشادہ دلی اور روشن
 ذہن و فکر کے ذریعہ سروان چڑھتے ہیں تو وہ حیات جاویداں اقبال
 گز جاتے ہیں۔ رشتہ انسانی و شگفتگی بہر انسان کی فکر سلیم روشن دل
 و دماغ اور تابندگی فکر و خیال کے لیے سرچشمہ مسرت و انبساط
 محور علم و لیاقت اور مرکز حسن و لطافت سمی جاتی ہے جو شخص اپنی
 زندگی کے مختلف گوشوں اور دلچسپہ پر کیفیات سے ہم کنار رہتا ہے
 وہ ہر قسم کے حالات سے آنکھ ملانے ہوئے بلا خوف و خطر اپنی
 زندگی کا سفر طے کرتا ہے اور ایسا شخص جو اپنی زمین سے جڑا ہوا
 رہتے ہوئے آسمانوں کی سیر کرتا ہے اُس کی زندگی کا ایک ایک پل
 سرسبز و شاداب و ہلکے خوش حال اور مہلک زندگی کی آبیاری
 کے لیے حوصلہ و ہمت کے علاوہ حالات سے برسرِ جنگ رہنے کی صلاحیت

مردی ہے ہر طرح کے مسائل سے بے سرپرست رہنے والے لوگ بہت کم حالانکہ شکار ہوتے ہیں۔ زندگی کے مختلف النوع الجھنوں سے آنکھ ملانے والے ہمارے شہر کے دانشوروں میں ایک نامور دانشور غنفر علی خان بھی ہیں۔ جن کے فکر و خیال کے تمام گوشے شفاف آئینوں کی طرح روشن رہا کرتے ہیں جن کی گفتگو، دلچسپی و وارفتگی کی آئینہ دار ہوتی ہے جن کا رکھ رکھاؤ ان کے برگزیدہ اصناف کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایک ہندو، تربیت یافتہ اعلیٰ اقدار کے حامل شہری کی طرح وہ اپنی حیات کی ہر قسم کی ناز و برداریوں سے بیزار ہیں غنفر علی خان نہ صرف ایک اعلیٰ درجہ کے صحافی ہیں بلکہ ایک نامور نقاد و منفرد ادیب اور باصلاحیت شہری بھی ہیں جن کی خوبیوں کا اندازہ خاموش گفتگو کے دوران بھی ہوتا ہے اور گرم گرم بحث کے دوران بھی۔ غنفر علی خان سے گفتگو کیجئے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک ایسے شخص سے شرفِ تکلم حاصل ہوتا ہے جو نہ صرف دنیوی علوم سے ہی واقف رکھتا ہے بلکہ دینی علوم سے بھی کما حقہ واقف ہے چاہے وہ صحافتی گفتگو ہو کہ ادبی و سیاسی، تہذیبی و ثقافتی سلسلہ ہو کہ علمی معاشرتی ان کا ہر جہد روشن، دل و دماغ کی ترجمانی کرتا ہے ان کے پیرزور خطابت کی روشنی مخاطب کے ذہن و فکر کو سنور کرتی چلی جاتی ہے اگر ہم دیانت داری اور بلا تحفظ و مہنی اپنے شہر کے دانشوروں کی صلاحیت کا جائزہ لیں تو ہمیں بے شمار ایسے لوگ ملیں گے جو اپنے باصلاحیت ہونے

یثوت دینے ہوئے دل و دماغ کو آجائوں کی سوغات سے پرورد
کرنے جارہے ہیں۔

غضنفر علی خان کا تعلق اُس سرزمین سے ہے جہاں کی مہاسی و
علی تارنخ، تہذیب و ثقافت کے اوراق گدشتہ کا ایک اہم حصہ
ہے۔ بیدر دکن (لک) لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تقسیم سے پہلے لکھا
دکن کا ایک اہم ضلع تھا۔ بیدر کے اعلیٰ تعلیم اور روشن خیال گھرانے
سے ان کے اسلاف کا رشتہ ہے۔ ان کے پُرکھوں کی علمی و ادبی کارناموں
سے بیدر کی سرزمین سرخرو رہی ہے۔ غضنفر علی خان ممتاز عثمانی ہیں
انہوں نے ۳۰ سال قبل جامعہ عثمانیہ بیالوجی میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی
زندگی کے مختلف رنگوں سے اپنے سیرا ہن سادہ میں رنگ بھرتے ہوئے
اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے ہیں۔ غضنفر علی خان سے میری پہلی ملاقات
۲۵ برس پہلے میری منہ بولی بہن اہلیہ ڈاکٹر قمر الدین ممتاز شاعرہ اہم قمر
سوز کی بیوی کے مکان پر ہوئی جبکہ غضنفر علی خان دہلی جامعہ عثمانیہ سے
ایم اے کر رہے تھے۔ اہم قمر سوز کے بیوی زاد تعالیٰ مسعود اُن کے
ہم جماعت تھے غضنفر علی خان سے کچھ اور مقالات پر بھی ملاقاتیں ہوتی
رہیں۔ اُن دنوں محفلِ خواتین کے زیرِ اہتمام پہلی غزلوں کی رات (محفلِ
موسیقی) کا اہتمام کیا جانے والا تھا۔ غزلوں کی رات کی کنوینیر اہم قمر سوز
نبس محفلِ خواتین کا اڈا اُنر رہنے کی وجہ سے پر دگراس کی صورت
گری اور دیگر انتظامی امور۔۔۔ کے سلسلے میں میرا رابطہ اہم قمر سوز سے

فروری ۱۹۶۱ء غنفر علی خان روزنامہ سیاست میں سب ایڈیٹر کی حیثیت سے مامور رہے کچھ عرصہ بعد وہ ہنگلور چلے گئے اور روزنامہ سالار سے وابستہ ہو گئے مقصود علی خان سابق ایم پی روزنامہ سالار کے ایڈیٹر تھے جو غنفر علی خان کے حقیقی بھوپل زاد بھائی تھے۔ انہوں نے غنفر علی خان کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ غنفر علی خان روزنامہ سالار ہنگلور کی ملازمت کے بعد رہنمائے دکن سے وابستہ ہو گئے پھر کچھ عرصہ بعد جوائنٹ ڈائریکٹر اردو اکیڈمی مقرر ہوئے ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۷ء تک کام کرتے رہے۔ دو سال کی مدت کے لیے ان کا تقرر ہوا تھا۔ اکیڈمی کی ملازمت کے بعد انہوں نے خان لطیف خان صاحب کی ادارت میں شائع ہونے والے اخبار منصف میں بہ حیثیت سب ایڈیٹر ملازمت اختیار کر لی۔ ان دنوں رہنمائے دکن کے نیوز ایڈیٹر ہیں جہاں وہ وقار الدین صاحب ایڈیٹر رہنمائے دکن کے دست راست ہیں۔ غنفر علی خان اعلیٰ درجہ کے مقرر ہیں نہ صرف اردو بلکہ انگریزی میں بھی تحریر کرتے ہوئے ساری محفل کو نگرا دیتے ہیں غنفر علی خان کو ہر موضوع پر پورے اعتماد کے ساتھ اظہارِ خیال کا ملکہ حاصل ہے معلومات کا خزانہ ہیں۔ میں نے انھیں بعض علمی و ادبی جلسوں کی نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ غنفر علی خان ہماری مہذب سوسائٹی کی ایک نمائندہ شخصیت ہیں نہایت نرم و مہذب و متواضع طرزِ گفتگو کے ذریعہ اپنا مافی الضمیر ادا کرتے ہیں۔

ان کا طرز گفتگو اس قدر شیریں و دلنشین ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی
 سب زارگی محسوس نہیں ہوتی۔ جی چاہتا ہے کہ ان کی گفتگو کا سلسلہ جاری
 رہے۔ نہایت شریف النفس، خاندانی آدمی ہیں۔ خاندانی و جاہلت
 شریفانہ طرز حیات، بہترین سلوک، رواداری اور کھلم کھلا سچے سچے ماحول
 سے وابستگی ان کا اپنا ایک خاص وصف ہے۔ اگرچہ سنجیدگی و متانت
 ان کے مزاج کا پیرا اثر ہے لیکن ان کے مزاج میں سزاج کا بھی دخل
 ہے ان کا خاص مزاج بھی ان کی نفاست پسند طبیعت کے لیے
 دیدہ بینا کی حیثیت رکھتا ہے۔ غضنفر علی خان شہر کی علمی و ادبی تہذیب و
 ثقافتی سرگرمیوں کا حلقہ و اقیقت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں سے بھی
 اچھی طرح واقف ہیں جو مختلف شعبہ حیات میں سرگرم عمل ہیں۔ وہ
 ایک تجربہ کار صفائی ہونے کی وجہ سے ملک اور عالمی سیاست کی غلام
 بازیوں اور نت نئے داؤ بیج سے واقفیت رکھتے ہیں غضنفر علی خان
 کا حافظہ بہت تیز ہے ان سے گفتگو کیجئے تو بہت چلتا ہے کہ کئی برس
 پہلے کے واقعات جو اللہ کے زیرِ ملاحظہ ہیں انہیں اچھی طرح یاد ہیں۔ ان کا
 دینی معاملہ بھی قابلِ رشک ہے بابتِ موم و صلوات علیہ۔ اللہ نے انہیں
 توفیق عطا کی ہے کہ وہ ہر روز تلاوتِ کلام پاک سے اپنی دنیا و آخرت
 کو سنوار رہے ہیں۔ شہر کے تقریباً تمام اہل قلم حضرات سنان کے مراکم
 ہیں شہر کے بعض اہم اہم ادبی، علمی و ثقافتی جلسوں میں اپنے مضامین
 اور اپنے خطاب سے حاضرینِ محفل کے دل و دماغ کے تمام گوشوں کو منور

ردینے ہیں۔ شرکائے عقل کی تسکین دل و جان کے لیے بہترین معلومات
 اور پُر اثر تقریر سے نوازتے ہیں۔۔۔ غنفر علی خان پٹھان ہیں لیکن
 ان کے نرم و ملائم لہجے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ متوازن طرزِ حیات
 کے پٹھان ہیں۔ غنفر علی خان حیدر آباد کے ایک علمی و ادبی ادارے
 اقبال ایڈمی کے جلسوں میں خصوصیت کے ساتھ شرکت کرتے ہیں
 اور کبھی کبھی جلسوں کو مخاطب بھی کرتے ہیں۔ گھریلو معروضات ان کے
 پاؤں کی زنجیر بنی ہوئی ہیں پھر اخبار کی معروضات کی وجہ سے کئی علمی و
 ادبی جلسوں میں شرکت نہیں کر پاتے۔ ایک ذہین و فطین صحافی کی
 حیثیت سے نامور شخصیتوں سے ماہرانہ انٹرویو لیا کرتے ہیں اور اپنی
 بہترین تحریر سے قارئین کے لیے معلومات آفریں مواد پیش کرتے ہیں
 ایڈیٹر رہنے کے کن کے یا اعتماد رفیق ہیں۔ اعتماد کی فضاء میں اپنے
 صحافتی سفر کو خوشگوار انداز میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ نہایت
 بااعلاق، نفاست پسند پُر اثر شخصیت کے مالک ہیں ان کا شائستہ یا اثر
 گھرانہ اس بات کا غماز ہے کہ وہ مطلق زندگی گزار رہے۔ خاندانی آدمی
 ہونے کی وجہ سے اپنے عزیز و رفقاء کے دکھ سکھ میں برابر شریک رہا
 کرتے ہیں۔ ہندوستان کی نامندہ شخصیت کی طرح باعزت زندگی گزار رہے
 ہیں مجھے غنفر علی خان صاحب سے شخصی ملاقات کا بہت کم موقع ملتا ہے
 زیادہ تر فون پر گفتگو رہی ہے صبح کی اولین ساعتوں میں وہ تلاوت
 کلام پاک میں معروف رہتے ہیں۔ مختلف موضوعات پر رہنمائے دکن

کے اکثر ادا رہے ان کے رشتہاتِ قلم کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ غنفر علی خان
 سے جب ملاقات ہوئی ہے تو وہ نہایت خلوص کے ساتھ سلسلہ
 گفتگو جاری رکھتے ہیں ان سے مل کر میں نے ہمیشہ خوشی محسوس کی
 ہے۔ غنفر علی خان اپنے آفس کے ساتھیوں کے ساتھ خوشگوار مراسم
 کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ غنفر علی خان ہمارے شہر کی ان شگفتہ
 مزاج شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن سے مل کر جن سے گفتگو کر
 کے ذہنی ممکن دور ہو جاتی ہے اور دل پُر مسرت لمحوں سے سرشار
 رہتا ہے۔

عابد صدیقی

باصلاحیت صحافی و مقرر، بہترین شخصیت بااخلاق انسان

مہذب معاشرہ میں جب ذہین، فطین، فعال و کارگرد،
 باصلاحیت صاحبانِ فکر و نظر، وابستگانِ فہم و ادراک، باکمال دیدہ و
 دانشورانِ علم و ادب اور تہذیبی و انسانی اقدار کی پوری توانائی کے ساتھ
 پاسداری کرنے والے لوگ جلوہ گر ہوتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ
 خوشبو سے پیرا بہنِ گلِ تر سارے ماحول کو فہکار ہی ہے۔ باشعور
 روشن خیال اور دل و دماغ کو منور رکھنے والے افراد اجالوں کے سفر
 کے دوران جب زندگی بھر بوڑ پر دکھائی دیتے ہیں تو ان کی اعلیٰ
 صلاحیتوں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ مہذب معاشرہ ہمیں جس
 طرح کی سوغات سے سرفراز کرتا ہے جو کچھ بھی ہمیں دنیا ہے صمیم قلب
 کے ساتھ ہمیں قبول کرنا چاہیے۔ جو لوگ دوسروں کی خوشیوں میں
 اپنے حصہ کی خوشیوں کو شامل کرتے ہیں اور جو اپنی معاشرتی و تہذیبی
 ذمہ داریوں کو دیانت داری کے ساتھ پوری کرتے ہیں تو وہ تاحیات

ہسٹریوں سے ہم کنار رہتے ہیں۔ عابد صدیقی صاحب بھی قدرت کی
 عطا کردہ ان ہر باتوں سے پوری طرح فیض پارہے ہیں۔
 عابد صدیقی ہمارے شہر کے پروفیسر، ہر دل عزیز
 انسانیت کے قد شناس دانشوروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔
 عابد صدیقی صاحب کو میں اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ
 جاسم عثمانیہ سے ایم اے اردو میں امتیازی حیثیت سے درجہ اول
 میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد بہ حیثیت صحافی روزنامہ
 رہنمائے دکن سے وابستہ ہو گئے تھے۔ ان ہی دنوں انہوں نے
 ۱۹۷۴ء میں ادب اور صحافت کے نام سے کتاب شائع کی تھی۔
 رہنمائے دکن سے وابستگی کے دوران ہی ۱۹۷۶ء میں ترقی اردو
 بورڈ دہلی میں اسٹنڈرڈ سیرج آفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۱ء میں حیدرآباد
 میں اسٹنڈرڈ انفارمیشن آفیسر کی حیثیت سے مامور ہوئے۔ عابد صدیقی
 صاحب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ دو درشن حیدرآباد میں ۱۹۹۲ء
 سے بیوز ایڈیٹر ہیں۔ جہاں اب بھی وہ اسی خدمت پر بہ حسن و خوبی اپنی
 خدمت انجام دے رہے ہیں۔ وہ عثمانیہ یونیورسٹی کے ورنگل آرٹس اینڈ
 سائنس کالج اور سکندر آباد کالج میں اردو کے پچھرا رہے۔ بین سی ای
 آر ٹی میں پرنسپل ایڈیٹر کی حیثیت سے انہوں نے کئی نصابی کتابوں
 کی ترتیب و تنزیین میں اپنا گرانقدر حصہ ادا کیا۔ عابد صدیقی صاحب
 ایک خوش مزاج، شگفتہ طبیعت اور رواں دواں شخصیت کے حامل

انسان میں ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔ اپنے دوستوں سے ہلکی ذہنی
 تحفظات کے ملنے ہیں۔ کھلے دل و دماغ کے ساتھ اپنے دوستانہ مراسم
 کو باقی رکھے ہوئے ہیں۔ عابد صاحب سے میرے مراسم اس وقت
 زیادہ بڑھے جب ہم دونوں ایک ساتھ ۱۹۹۲ء میں اردو
 اکیڈمی کے رکن بورڈ آف گورنرس تھے۔ اکیڈمی کی میٹنگس کو
 اپنے بہترین مشوروں سے نوازتے تھے۔ بہت سی ایکامات کی صورت
 گیری اور ان کی عملی آوری کے سلسلے میں سرگرم عمل رہے۔ جس زلزلے
 میں (۱۹۹۰ء) جلیل شاہ اردو اکیڈمی کے صدر نشین تھے اُن
 دنوں عابد صاحب نے جلیل شاہ کا بہت ساتھ دیا۔ اردو اکیڈمی
 کے مقررہ بجٹ ۵۴ لاکھ روپے سے بڑھا کر ایک کروڑ دس لاکھ پر
 مستقل اکیڈمات کی پیش رفت کے لئے کلیدی رول ادا کیا۔ کل ہند اردو
 اکیڈمی کے زیر انتہام منعقد ہونے والے بے شمار جلسوں کی نظامت
 کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ جلیل شاہ کل ہند اردو تعلیمی
 کمیٹی سے ریونیو وائٹنگ کے سبب آج بھی وہ کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی
 کے اہم اہم جلسوں کی نظامت کے فرائض انجام دیا کرتے ہیں وہ
 آل انڈیا ریڈیو میں بنیور ریڈر کی حیثیت سے مقبول ہوئے۔ دہلی
 میں آل انڈیا ریڈیو کی ہمدونی سرولیس کے لئے بے شمار موصوعات
 پر ان کے تبصرے نشر کئے جاتے رہے۔ انہوں نے ذرائع ابلاغ پر
 کئی بکھرے ادیبے اور اس موصوے پر کام کرتے رہے ہیں بنیور ریڈیو سے

جرنلزم میں پوسٹ گز جویشن کی ڈگری کی۔ یہ دتیر بشیرا دین کے خاص
شاگردوں میں سے ہے۔ عابد صدیقی اردو نیوز ایڈیٹر دور درشن کی
جہنیت سے اپنی ذمہ داریوں کو ہنایت عملہ کی کے ساتھ نبھا رہے ہیں
شہر کی نمائندہ علمی و ادبی انجمنوں اور اردو اداروں کی خبروں کو سلیقے
کے ساتھ ٹیلی کاسٹ کر دیتے ہیں۔ عابد صدیقی شہر کی بہت سی علمی
ادبی، دینی و تہذیبی انجمنوں اور اداروں سے وابستہ ہیں۔ خاص طور
پر انجمن قادریہ کی تعلیمی سرگرمیوں سے غیر معمولی دلچسپی لیتے ہیں
اردو راسٹرس اینڈ فرینڈس فورم کے صدر ہیں۔ عابد صاحب کے
دوست و احباب کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ مختلف شعبہ حیات
سے تعلق رکھنے والے اصحاب ان کے مشا ساؤں اور دوستوں
میں شامل ہیں۔ پُر خلوص نفیس انسان ہیں۔ بینک نامی کے ساتھ
اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں حکومت کے سربراہوں اور
مختلف محکموں کے ذمہ داروں سے بھی ان کے اچھے مراسم ہیں۔
عابد صدیقی کو ہر موضوع پر گفتگو کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ وہ اپنی بات
ہنایت سلیقے سے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ باکردار، صاف گو، محبت
کرنے والے انسان ہیں۔ چاہنے اور چلبے جانے والوں میں ان کا شمار
ہوتا ہے۔ عابد صاحب اپنے دوستوں اور خاص طور پر اپنے بے تکلف دوستوں
سے کھل کر ملاقات کرتے ہیں۔ اپنے دوستوں کی محفل میں سب سے زیادہ
تہفہ لگانے والے عابد صدیقی ہی ہیں لیکن ان کے قصے بہت ہی دل آویز

ہوتے ہیں جو سارے احباب کے چہروں پر مسرت کی لہر دوڑا دیتے ہیں ان کے لبوں پر شگفتگی کی جھلک رہتی ہے ان کی ہنسی ہلکی ہوئی شگفتہ گو مخاطب کو مسحور کر دیتی ہے۔ مافی الضمیر ادا کرنے میں انہیں کمال حاصل ہے بہت ہی عمدہ اور نئے تلے جملوں کے ساتھ آبِ رواں کی طرح اپنی پیرا اثر تقریر جاری رکھتے ہیں۔ شہر کے تمام بڑے اردو اخباروں کے مدیران سے ان کے اچھے خاصے مراسم ہیں۔ صحافتی برادری کے علاوہ شہر کے شاعروں، ادیبوں سے بھی کچھ اس طرح خلوص کا اظہار کرتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ مہذب معاشرہ کا ہر شخص ان کا دوست ہے۔ عابد صدیقی دوستی کرنے اور دوستی نبھانے میں امتیازی حیثیت کے حامل ہیں نہایت گرم بخوشی سے مصافحہ کرتے ہیں اور اس وقت تک ملاقاتی کا ہاتھ تھامے ہوئے رکھتے ہیں تا وقتیکہ ملاقاتی کا ہاتھ جدا ثی کا سبب نہ بنے۔ صاف دل، بے ریا، بے داغ آئینہ صفت انسان ہیں جب کبھی فون پر گفتگو ہوتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم بالمشافہ گفتگو کر رہے ہیں۔ فاصلوں کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اور جب شخصی ملاقات ہو جاتی ہے تو ان کی دوستی کے جوہر نمایاں ہو جاتے ہیں اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ عابد صدیقی ہمارے معاشرہ کی ایک نمایاں شخصیت ہیں۔ جب کبھی میں کسی کام کے سلسلے میں ان سے تعاون کی خواہش کرتا ہوں تو وہ میری بات کو نہیں ٹالتے۔ ان سے خیر لیانہ روابط کا سلسلہ آج بھی

جاری ہے۔ اُجالوں کے مسافر جہاں کہیں سے بھی گزرتے ہیں اُن کی
 راہوں میں کہکشاں بکھری ہوئی رہتی ہے تمام راستے پُر نور ہو جاتے
 ہیں عابد صدیقی جس محفل میں بھی شرکت کرتے ہیں وہاں کا ماحول
 خوشگوار ہو جاتا ہے۔ اچھی آواز خدا کی خاص نعمت ہوتی ہے۔
 عابد صدیقی کو خدا نے سچے سچے آواز عطا کیا ہے جو اپنے میں نیرِ مہم
 نقاطہ بی اثر رکھتی ہے اُن کی آواز میں بلا کی کشش ہے جس کے
 سبب ہر ایک مخاطب چاہتا ہے کہ ان کا سلسلہ گفتگو جاری رہے
 زندگی کے اداس اور تھکا دینے والے لمحوں میں اگر عابد صدیقی اپنی
 شگفتہ گفتگو سے مچھل برساتے ہیں تو سارا ماحول معطر ہو جاتا ہے عابد
 صدیقی کے احباب میں مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے لوگ مل
 جاتے ہیں لیکن ہر شخص کی ذہنی سطح تک ہوا وہ اپنے مراسم کو برقرار
 رکھتے ہیں۔ اچھے اچھے الفاظ ہر کس و نا کس پر مناج نہیں کرتے۔ شہر کے
 برگزیدہ لائق تعظیم علماء و مشائخین کے خانوارہ سے ان کا تعلق ہے
 ان کے گھر کے تمام افراد زورِ تعلیم سے آراستہ ہیں۔ مہذب و شائستہ
 ہیں۔ اپنے پڑ گھوں کی اعلیٰ قدروں کی پاسبانی کرتے ہیں شائستگی و
 شگفتگی کے پیکر ہیں۔ دین و دنیا کی نعمتوں سے فیض یاب ہوئے
 جا رہے ہیں۔ دنیوی نوبہم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم سے بھی بہرہ ور ہو
 رہے ہیں۔ میں ہمیشہ اُن دوستوں سے گفتگو کرتے ہوئے مسرت
 محسوس کرتا ہوں جو انسانی رشتوں کے قدردان ہیں۔ اعلیٰ اقدار

کے نثرچھان ہیں۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میں ان کے دوستوں
 میں شامل ہوں مجھے اس بات کی بھی مسرت ہے کہ وہ میرے مخصوص
 جہذب دوستوں میں شامل ہیں۔ آثار و قرائن اس بات کے
 حقائق ہیں کہ عابد صدیقی کی ساری زندگی نکہت و نغمہ کی فصاحت میں
 گذرتی رہے گی۔ تازہ پھولوں کی خوشبو ان کے دل و دماغ کو
 ہلاتی رہے گی اور وہ زبان، ادب اور میڈیا کے ذریعہ ملک و
 قوم کی خدمت کو جاری رکھیں گے۔

ظہیر الدین علی خان

(روشن خیال، مجسم شرافت، پیکرِ خلوص، نامور اور افسانہ پرداز، پیرِ مہربان، صحافی)

بعض چہرے اس قدر خوش حال ہوتے ہیں کہ جن پر نظر پڑتے ہی یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم ایک ایسے شخص کو دیکھ رہے ہیں جو مجسم شرافت ہی نہیں شگفتگی و شائستگی کی پہلی اور آخری مثال بھی ہے۔ اس طرح کے لوگوں سے اگر شرفِ مکالمہ حاصل ہو تو یہ بھی محسوس ہو گا کہ ان کے لب و لہجے سے خوشبو نکل رہی ہے اور سارے ماحول پر خوشی و انبساط کی لہر لگتی ہے۔ اس طرح کی شگفتہ و شائستہ اور باوقار شخصیتوں سے ملاقات کے بعد نہ صرف ذہنی تھکن ہی دور ہو جاتی ہے بلکہ دل و دماغ کو خوشگوار فرحت نصیب ہوتی ہے ان کا اندازِ مخاطب نہ صرف موثر ہوتا ہے بلکہ دل پذیر بھی۔ ہمارے معاشرہ میں اس طرح کے پاک طینت شرافت نواز، اعلیٰ درجہ کے انسان بہت کم ملتے ہیں۔ اعلیٰ خصوصیات و

کیفیات اور عمدہ صفات کی حامل شخصیت ظہیر الدین علی خان صاحب مہیننگ
 ایڈیٹر سیاست کی بھی ہے۔ اس صاحب نوجوان کو میں اُس وقت سے جانتا
 ہوں جب وہ صبح کی پہلی کرن کی طرح جناب عابد علی خان صاحب کے سارے گھر
 کو انجالوں کی نعمتوں اور برکتوں سے سرفراز کرنا شروع کیا تھا۔ سیاست کی
 معرفت جہاں کہیں بھی زاہد علی خان صاحب مدیر سیاست کا ذکر آجاتا ہے وہیں
 ظہیر الدین علی خان صاحب کا نام بھی خود بہ خود لبوں پر آجاتا ہے۔ زاہد علی خان
 صاحب کے برادرِ خورد ظہیر الدین علی خان صاحب اپنی شرافت، مروت، خلوص
 رواداری اور اپنی طرح داری اور وضع داری کے سبب اُن لوگوں میں بھی مشہور
 ہیں جو اُن سے قربت نہ رکھتے ہوئے بھی ان کی کم فرماہیوں سے مستفید ہوئے
 ہیں۔ ”سیاست“ کا ہر کمن، سیاست میں کام کرنے والا ہر شخص ظہیر الدین علی خان
 صاحب کے نام کی مالا جیتتا رہتا ہے۔ دل و جان سے اُن کے حسن سلوک کو
 خرلج پیش کرتا ہے۔ شاید اس لیے کہ وہ ہر شخص سے غلصانہ و سرپرستانہ
 سلوک روار کھتے ہیں۔ ”سیاست“ کے سارے انتظامیہ پیران کی گہری نظر رہتی
 ہے۔ سارا مہیننگ اُن کے زیرِ اثر ہے۔ زاہد علی خان صاحب اپنے بھائی کو
 بہت چاہتے ہیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ ”سیاست“ کی تمام
 سرگرمیوں میں دونوں ہم خیال رہتے ہیں۔ ظہیر الدین علی خان صاحب، عابد
 علی خان۔ ایجوکیشنل ٹرسٹ کے روحِ رواں ہیں۔ اردو تعلیم اور اردو
 تہذیب کے فروغ میں غیر معمولی دلچسپی لیتے ہیں۔ ”سیاست“ کی کئی فلاحی و تہذیبی
 تعلیمی و ثقافتی سرگرمیوں سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ جناب عابد علی خان اور

مجروح حسین بک صاحب کے ساتھ ان کے ظہیر الدین علی خان صاحب کو اپنی
 صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کا کافی موقع ملا۔ ان دو محترم شخصیتوں کی رحلت
 کے بعد وہ "سیاست" کی مصروفیات میں کافی تنہا رہی کے ساتھ اپنی بے
 مثال وابستگی کا ثبوت دیتے ہوئے اخبار کی مقبولیت و بہتری میں
 اضافہ کر رہے ہیں۔ یہ بات ساری اردو دنیا جانتی ہے کہ عابد علی
 خان ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر اہتمام بلا تفریق مذہب و ملت ناخواندہ
 بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو اردو تعلیم سے آراستہ کیا جا رہا ہے
 سینکڑوں محبانِ اردو اردو تعلیم سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ کئی
 مراکز پر ابتدائی اردو تعلیم کے لیے سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ میں شخصی
 طور پر واقف ہوں کہ عابد علی خان صاحب کے گھر کا ہر فرد ظہیر الدین
 علی خان کو بے حد عزیز رکھتا ہے۔ ان کی نرم گفتاری، ان کی بیباک
 روی، ان کی شرافت، ان کی شانستہ مدارات کے سبب سب کے
 سب خوش بھی ہیں اور متاثر بھی۔ نہایت شگفتہ مزاج، سادہ
 طبیعت اور سچی ہونی شخصیت کے مالک ہیں۔ جناب ظہیر الدین علی خان
 کا تعاون "سیاست" سے وابستہ ہر محفل کے لیے خوشگوار ماحول کی
 ضمانت دیتا ہے۔ ظہیر صاحب ادبی ٹرسٹ کے بھی ٹرسٹی ہیں۔ عابد علی خان
 صاحب کی زندگی ہی میں ادبی ٹرسٹ کے ابواب مجاز نے انھیں ٹرسٹی نامزد کیا
 تھا۔ ادبی ٹرسٹ کے کل ہند نمائندوں کے سلسلے میں بھی زاہد علی خان صاحب
 کے دستِ راست بنے ہوئے رہتے ہیں۔ میرا ٹوٹا رشتہ سیاست اخبار

سے ۱۹۵۶ء سے ہے یعنی والدہ از ۴۲ برس سے۔ اُسی زمانے سے میں ظہیر الدین علی خان صاحب کچھ بہت قریب سے جانتا ہوں۔ نہایت باوقار انسان ہیں۔ میں عابدہ منزل (رائس گاہ جناب عابد علی خان صاحب) میں ہوتے والی تقریباً تمام ادبی تقریبات اور تہذیبی نشستوں میں موجود رہا ہوں۔ مخصوص نمائندوں میں بھی میں نے شرکت کی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ظہیر الدین علی خان صاحب بھی ہمانوں کے استقبال کے لیے پیش پیش رہا کرتے تھے۔ تمام ہمانوں کا سکرارتے ہوئے خیر مقدم کرتے تھے۔ عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر صاحب بھی اپنے مخصوص سرپرستانہ انداز سے ظہیر الدین علی خان صاحب کو بہت عزت رکھتے تھے۔ ان تمام برسوں میں میں نے ظہیر صاحب میں ان کی شرافت کے ٹہرے رنگ پائے ہیں۔ ظہیر الدین علی خان صاحب نے اپنے سے بڑوں کی عزت و احترام میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ بطور خاص "سیاست" اخبار سے وابستہ قلم اسٹاف سے یہ حد احترام سے ملتے ہیں۔ ان کے مزاج کی نفاسمت و سزد باری نے تمام اسٹاف کے دل میں اپنی ایک خاص جگہ بنالی ہے۔ "سیاست" کے انتظامیہ کے سلسلے میں جناب محبوب حسین جگر کے عکس جمیل کی طرح سب کی نگاہوں میں چمکتے ہیں۔ ظہیر صاحب مجھ سے بھی بڑے آداب و احترام کے ساتھ ملتے ہیں ادبی ٹرسٹ کے اجلاس میں نہایت سعادت مندی کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ کوئی مسئلہ شورہ طلب ہو تو یقیناً ہی عملگی کے ساتھ اپنا مافی الضمیر ادا کرتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہماہیت عہدب اعلیٰ ترینیت یافتہ

شخص محو تکم ہے۔ ان کی ہر رائے مثبت، اقدار کی آئینہ دار ہوتی ہے۔
 ادبی شریک کے ارکان میں ظہیر الدین علی خان صاحب سب سے جو نہیں ہیں
 شاید اس لیے بھی وہ گفتگو میں کم کم حصہ لیتے ہیں۔ سننے زیادہ ہیں
 اور بولتے کم ہیں۔ ان کی تجاویز نہ نام ارکان شریک کے لیے قبولیت کا
 درجہ رکھتی ہیں۔ ظہیر الدین علی خان صاحب کا ایک اہم وصف ان کی
 انسان دوستی ہے نہ جانے کتنے بے سہارا لوگوں کی اہموں نے مدد کی ہوگی
 نہایت ہمدرد انسان ہیں ضرورت مندوں کی غیر محسوس طریقے سے مدد کرتے
 ہیں۔ ان کی داد و دہش کی خاموشی سرفراز یوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔
 ان کے ہاں خالی ہاتھ آنے والا اپنا دامن بھر کر دے جاتا ہے۔ ان کے دائرہ
 خیر و برکت میں جو بھی آتا ہے اس کی زندگی سنور جاتا ہے۔ ظہیر الدین علی
 خان صاحب اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے بہت سوں کے لیے سرمہ نظر
 بنے ہوئے ہیں۔ میری دلی تمنہ ہے کہ ان کی شرافت و مروت، رواداری اور
 انسان دوستی کے طور و طریق میں روز افزوں اضافہ ہو جائے اور ہر معاشرہ کے
 ہر شخص کا دامن ان کی محبت و شرافت کے گلہائے رنگارنگ سے بھر جائے۔

درویش غیاث الدین

(کامیاب تاجر۔ پیکرِ شرافت۔ پاک و مہمانان)

جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اردو کی جانب سے ۱۹۵۹ء میں منعقدہ
 میں کلمائی اردو فیسٹول کی سرگرمیوں کا جب کبھی خیال آتا ہے تو اس
 دور کے کئی زمین و فطین طلبہ و طالبات کے چہرے نگاہوں میں
 ابھر کر آ جاتے ہیں۔ اُس دور کے بعض طلباء و طالبات زندگی کے
 میدان میں اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ جن کو دیکھ کر جن کے پاس
 میں غور کرتے ہووے شدت سے اس بات کا احساس ہو جاتا ہے
 کہ کیسے کیسے لوگ اپنی زندگی میں کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں
 اُس فیسٹول سے وابستہ طلباء و زندگی کے مختلف شعبوں میں
 اپنی نمایاں حیثیت و شخصیت کے ساتھ شہرت پا چکے ہیں
 نابین کچھ بہترین صلاحیتیں رکھنے والے بیرون ملک کے مختلف
 اہل علم و ادب کی زندگی کو خوب سے خوب تر بنانے میں مصروف

خود جدید آباد میں بیشتر ایسے اعلیٰ ترقیت لوگ موجود ہیں جو
 آج تجارت کی دنیا میں صف اول کے مقام پر فائز ہیں۔ چائے
 کے کاروبار میں عالمی شہرت کے حامل شخصیت بھی ہیں جو شخص اپنی محنت و ترقی
 سے ترقی کرتے ہیں اس کا رتبہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ درویش غیاث
 الدین فراگداز، ہم برس سے لاسا اور لمسا چاکلیٹ چائے کے کاروبار
 میں اپنے آپ کو وقف کر چکے ہیں۔ لاسا چائے اور لمسا چاکلیٹ
 چائے کو سکون نہیں جانتا۔ چونکہ درویش غیاث الدین ایک
 شیک اور مہمدر انسان ہیں اور ہر لمحہ انسانی رشتوں کی عظمتوں
 سے ہم کنار رہتے ہیں اسی لیے دن دوئی رات جو کئی ترقی کرتے چلے
 ہیں۔ اپنے کاروبار میں ایمانداری، صاف گوئی، اصول پسندی اور
 اپنے پاک و صاف طریقہ کار کی وجہ سے ترقی کی منزلیں طے کرتے
 جا رہے ہیں۔ ایک صدر خاندان کی حیثیت سے اپنے بھائیوں انیس
 احمد اور نثار احمد اور اپنے فرزندوں اور دیگر اہل خاندان کو ساتھ
 رکھ کر اپنے کاروبار کو فروغ دے رہے ہیں۔ درویش غیاث الدین
 بہت سے حاجت مندوں کی آٹے دن مدد کرتے رہتے ہیں اور
 کچھ اس طرح مدد کرتے ہیں کہ ایک ہاتھ کی دوسرے ہاتھ کو جبر نہیں
 ہوتی۔ ان کے شریفانہ و سرپرستانہ دربار سے کوئی ایک شخص
 بھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ ہر ایک کا دامن ان کی ملامتوں اور
 ان کے لطف و کرم سے بھر جاتا ہے۔ نہایت سیدھے سادے پے حد

شریف النفس گھرے گھرے ایمان میں سنجیدگی، ثنانت، شرافت،
 رواداری، انسانیت دوستی ان کا ایک خاص وصف ہے۔ نہایت
 دین دار، ایمان دار، راستہ عقیدہ مسلمان ہیں دنیوی علوم کے ساتھ
 ساتھ دینی علوم سے نہ صرف دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ اُن کو فروغ
 دینے کے لئے بے لوث خدمت انجام دیتے ہیں۔ شہر کے علمی و ادبی
 تہذیبی و ثقافتی اداروں سے وابستہ لوگ جانتے ہیں کہ درویش
 عیاش الدین کس کس انداز سے علمی و ادبی، تہذیبی و ثقافتی
 اداروں کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ اُن سے گفتگو کیجئے تو محسوس ہوتا
 ہے کہ ان کے لبوں سے پھول جھڑ رہے ہیں ان کی شخصیت ہمیشہ
 آدابِ گفتگو اور سلیقہ اظہار کی ترجمانی کرتا رہتی ہے گفتگو چاہے
 شخصی ہو کہ فون پر، اُن کا لب لہجے میں محاسن رہتی ہے کبھی
 ظاہر ہی نہیں ہوتا کہ وہ کسی سے ناراض ہیں یا خفا میں ٹھنڈے دل و
 دماغ کے انسان ہیں انہیں اپنے غیر مختم کا روبرو کی وجہ سے بہت کم موقع
 ملتا ہے کہ وہ اپنے اِجاب کے ساتھ تھوڑا بہت وقت گزاریں لیکن اس
 کے باوجود ذہنی تفکر دور کرنے اور اپنے لطیف جذبہ کی تسکین کے لئے
 شعروِ نغمہ کی مفلوں میں کبھی کبھی دکھائی دیتے ہیں۔ تہذیبی پروگرامس
 میں کبھی صدرِ محفل تو کبھی جہانِ خصوصی کی حیثیت سے زینتِ محفل بنے جاتے
 ہیں بعض محفلوں میں صرف ایک عام آدمی کی طرح کسی ایک نشست
 پر بیٹھ جاتے ہیں۔ غرورِ تکبر نام کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں ہے ان

کی ساری زندگی مشقت سرگرمیوں میں گذر رہی ہے کچھ دینی کتابوں کی
 اشاعت کا بھی انتظام کرتے ہیں اور مفت تقسیم کرتے ہیں۔ میں
 نے سوچا کیا ہے کہ ان کے مصروف ترین اوقات میں کبھی کبھار غرض
 ان سے ملنے کے لئے چلے آتے ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا ہو گا کہ
 انہوں نے کسی سے ملاقات نہ کی ہو۔ یا ان کی آمد سے وہ بیزار
 ہوئے ہوں۔ درویش غیاث الدین سے میرا برسوں کا یارِ راز ہے
 ان سے تجدیدِ دوستی باختمِ حسن سعید کی مرہونِ منت ہے۔ بعض خاص
 ادبی و تہذیبی تقاریب میں درویش غیاث الدین سے ملاقات ہوتی
 رہتی ہے۔ ہمارے شہر کے صفِ اول کے شہرلوں میں وہ ایک دی۔
 آئی۔ بی کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں اگر سال بھر میں کبھی ملاقات
 نہ بھی ہو تو ان سے راج بھون کی تہذیبی تقاریب میں لازماً ملاقات
 ہو جاتی ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ راج بھون کی جانب سے منعقدہ
 افطار پارٹی میں ان سے ملاقات ہو ہی جاتی ہے۔ میں نے راج بھون
 کی تقاریب میں دیکھا ہے کہ درویش غیاث الدین صاحب سے
 معاشرہ کے اہم اہم لوگ جو زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے
 ہیں ملاقات کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور درویش غیاث
 الدین کی پُرکشش شخصیت کے اسیر ہو جاتے ہیں۔ درویش غیاث الدین
 رئیسِ خزانہ کے بھی بہترین دوستوں میں سے ایک ہیں۔ باختم
 حسن سعید غیاث کے نہ صرف یوٹیورسٹ کے ساتھی ہیں بلکہ اسکول کے بھی

ساتھی ہیں۔ ہاشم کہتے رہتے ہیں کہ غیاث اسکول کے تعلیمی دور میں
 بھی نہایت ذہین و فطین طالب علم رہے ہیں اور اپنے تمام تعلیمی کیریئر
 میں امتیازی مقام حاصل کرتے رہے ہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں
 تحریری و تقریری اور ہیئت بازی کے مقابلوں سے دلچسپی رکھتے تھے۔
 مختلف کالجس کی تقاریب میں شریک رہتے تھے خاص طور پر مختلف
 کالجس کی باللہ نقاریب پر شریک رہتے تھے۔ دولش غیاث الدین
 جہاں بے شمار اہل عرض حاجت مندوں کی مدد کرتے ہیں وہیں وہ
 تہذیبی پروگرامس کا قیام کر رہے ہیں۔ امانت کرتے ہیں اس کے علاوہ
 شہر کے بہت سے ہفت روزہ جریڈوں کی اپنی کمپنی کے اشتہاروں کے
 ذریعہ تعاون کرتے ہیں۔ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال مدیر شکوفہ اور مدیر
 خوشبو کا سفر صلاح الدین شیران کے شخصی دوست ہیں یا پابند کا ان
 رسائل میں ہر ماہ ان کی کمپنی کے اشتہار شائع ہوتے ہیں۔ یہ جانتے ہو
 بھی کہ اخبارات اور ٹی وی کے اشتہار کے مقابلہ میں ادبی رسائل میں اشتہار
 دینا ان کے لئے کچھ زیادہ تشریک باعث نہیں رہتا اس کے باوجود اردو دوستی
 اور دوست نوازی کے شریفانہ عمل کی پاسداری کرتے ہیں۔

معاشرہ میں جو لوگ فراخ دلی کے ساتھ اپنے وجود کا احساس دلاتے
 رہتے ہیں ان کی محبتوں کی ان کی مروتوں اور ان کی انسانیت دوستی کی
 خوشبو چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔ دولش غیاث الدین صحن گلشن
 میں رنگی برنگی پھولوں کے درمیاں اپنی مخصوص پہچان کے ساتھ پاک و صاف

معاشرہ کا ایک حصہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کی شائستگی، ان کے رکھ رکھاؤ اور ان کے بہترین سلوک کی شہرت ان کے اپنے مخصوص حلقہٴ احباب اور کاروباری لوگوں کی حدوں سے بہت آگے نکل چکی ہے۔ ان کا شمار شہر کے صاحبِ ثروت لوگوں میں ہوتا ہے لیکن ان کے اندازِ گفتگو سے اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ ان کے آفس کا ماحول نہایت صاف ستھرا اور سلیقے کا مظہر ہے۔ ہر شخص اپنے کام میں نہایت ذمہ داری و فرض شناسی کے ساتھ سرگرم عمل رہتا ہے اہلِ خاندان تو ان کے لیے ہی ہیں اپنے ملازمین کے ساتھ بھی ان کا سلوک نہایت مخلصانہ، منصفانہ، ہمدردانہ اور خوشگوار رہتا ہے جو لوگ علیٰ زندگی میں دیانت داری کے ساتھ معاشرہ ہا کوٹے ہیں وہ کبھی بھی اپنے مقصد میں ناکام نہیں رہتے کامیابی کی منزل اس طرح کے راہروں کا قراخ دلی کے ساتھ خیر مقدم کرتی ہے۔ درویش غیاث الدین جیسے لوگ جن کو ہر گز رنے میں اُن راہروں کے پھر بھی پھول بن جلتے ہیں۔ ہندو معاشرہ اس طرح کے لوگوں کا بے حسنی سے منتظر رہتا ہے اور ان کے استقبال کے لیے پیشینہ پیش رہتا ہے نیک نامی، بہترین شہرت، اللہ کے خاص بندوں کے حصہ میں آتی ہے غیاث الدین صاحبِ خوش نصیب ہیں کہ خدا ان پر پوری طرح نہر یاں ہے تب ہی تو ان کی زندگی کا سفر خوشبو کے سفر کی طرح جاری ہے۔ جی چاہتا ہے کہ غیاث الدین جیسے نفیس لوگوں سے سلسلہ رابطہ باقی رہے لیکن شعور ادب اور کاروباری و تجارتی دنیا کے درمیان بہت بڑا فاصلہ رہتا ہے

ہیں بھی غیاث الدین جیسے باوقار، معجز اور پیراشر شخصیتوں کی محبت میں
گرفتار رہتا ہوں۔ اگر رشتے خلوص اور محبت پر مبنی ہوں تو وہ ہمیشہ
خوشبو سے پہاراں کی طرح پھکتے رہیں گے۔

مجھے یقین ہے کہ درویش غیاث الدین کا جن جن سے بھی رشتہ
خلوص و مردت باقی ہے وہ یقیناً اپنی کامیاب زندگی گزار رہے
ہوں گے۔ اٹھمن زندگی ہر انسان کے لئے قدرت کا خاص عطیہ ہونی چاہیے
فدا نے غیاث الدین صاحب کو زندگی کی تمام جائز خوشیوں سے سرفراز
کیا ہے اور یہ سلسلہ خیر و برکت تاحیات جاری رہے گا اور وہ نیکنامی
کے ساتھ معاشرہ میں سانس لیتے رہیں گے جس طرح کہ اب لے رہے ہیں
درویش غیاث الدین صاحب ۱۱ اگست ۱۹۳۸ کو جید آباد
کے محلے کٹل ہنڈوی میں پیدا ہوئے ان کے والد درویش محمد عبدالحمید صاحب
مرحوم اور تایا جناب درویش محمد عبدالرؤف صاحب مدراس کے ضلع
شمالی ارکاٹ کے وانمباڑی سے ۱۹۳۳ء میں جید آباد آئے تھے اور یہاں
پچھلے نیلگری ٹی ایمپوریم کے نام سے مخم جاہی مارکٹ پر چائے کی پتی کی
دوکان کھولی جو بتدریج ترقی کرتی گئی۔ جناب درویش عبدالحمید صاحب
کا ۱۹۴۸ء میں اور جناب درویش محمد عبدالرؤف صاحب کا ۱۹۵۰ء میں
انتقال ہو جانے پر درویش غیاث الدین اور ان کے برادران کی پرورش
اور نگرانی ان کے ماموں خطیب محمد عبدالحمید صاحب نے کی۔ جناب
درویش غیاث الدین کی ابتدائی تعلیم مدرسہ گوشتہ محل ہنومان ٹیکری اور

ہائی اسکول کی تعلیم نامیہلی ہائی اسکول میں ہوئی۔ انہوں نے انٹر میڈیٹ
 ماسٹر کالج سے اور بی ایس سی عثمانیہ یونیورسٹی سے کیا۔ ان کے اسکول اور
 کالج کے ساتھیوں میں جناب کے سر بھگور پٹی سالی وزیر داخلہ
 آئندہ اپریش۔ جناب احمد علی مرحوم۔ جناب ہاشم حسن سعید سالی
 پرنسپل کالج آف انجینئرنگ، جناب یوسف الدین فاضل ڈاکٹر ام کبیر
 جناب مسعود العرب انجینئر کیمپین ٹیٹا الدین بہت ذہین طالب علم
 رہے ہیں۔ تعلیم کے بعد انہوں نے ۱۹۵۹ء میں بزنس میں بی اے کیا اور
 بفضل تعالیٰ ۱۳ سال سے بزنس میں ہیں۔ ان کے دو چھوٹے بھائی انیس سال
 اور نندرا احمد بھی بزنس میں ان کے ساتھ ہیں۔ گذشتہ دس سال سے ان کے
 دو لڑکے درویش حمید الدین شاہد۔ لطیف الدین خالد اور ان کے بھتیجے
 رشید الدین حامد اور رئیس الدین ماجد بھی اب ان کے ساتھ ہیں۔ جناب
 درویش ٹیٹا الدین گذشتہ ۲۵ سال سے آئندہ اپریش میں مریض
 اسکی ایشن کے مدیر ہیں اور اجمالی حال میں ان کو آل انڈیا فیڈریشن
 کا سیرنائب چیرمین منتخب کیا گیا ہے اور وہ آئندہ سال فیڈریشن
 کے چیرمین کا عہدہ سنبھال لیں گے۔ ان کی چائے کے دو بیٹا لڑا چائے
 اور لکھا چائے بفضل تعالیٰ ہندوستان اور بیرون ملک کافی مشہور ہیں
 بفضل تعالیٰ ہول سیل بزنس میں بھی آج ان کا نمبر پہلا ہے ان کی کمپنی
 کی طرف سے ہر سال رمضان المبارک کے موقع پر دینی کتب شائع کرا کر
 ۔۔۔۔۔ مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ ماہ ربیع الاول میں سلام

سرحد کاٹیناٹ کے پرچے بھی طبع کروا کر مفت تقسیم کرتے ہیں ان کی کبھی
 کاجانب سے گزشتہ دس سال سے ہائی اسکول کے لڑکے لڑکیوں کے لئے معلوماتی
 کوئیز مقابلے منعقد کئے جاتے ہیں اور جیتنے والے لڑکے لڑکیوں میں
 انعامات اور تحفے تقسیم کئے جاتے ہیں۔ جناب درویش غیاث الدین
 کو کافی ایوارڈس حاصل کیے ہیں۔ احمد جمہور ٹیچر ڈاکٹر شکر دیال
 شرما۔ گورنر آندھرا پردیش۔ چیف منسٹر آندھرا پردیش مسٹر چندر بابو
 نائیڈو اور کئی نامور سیاست دانوں کے ہاتھوں انھیں ایوارڈز ملے ہیں
 جناب درویش غیاث الدین کے ایک فرزند درویش روف الدین صاحب
 امریکہ میں ڈاکٹر ہیں۔ گزشتہ ۵ سال قبل جناب درویش غیاث الدین
 کی ہائی پاس سوجری امریکہ میں ہو چکی ہے اولیٰ بہن منگانی صحت مند اور
 چاق و چوبند ہیں۔ جناب درویش غیاث الدین کے داماد سوری ٹر
 ریاض میں ڈاکٹر ہیں۔ میری دعا ہے کہ سرور دگار عالم ان پر اور ان کے
 اہل خاندان پر ہمیشہ مہربان رہے اور اسی طرح نورو نکہت سے ان کا دامن
 بھرتا رہے۔

اشتر غوری

نئی فکر اور نئے لب و لہجے کے باشعور شاعر

پوری ہنرمندی کے ساتھ اپنی فکر و خیال کی تازگی کو محسوس کرنے والے اور نئے لفظوں کو اپنے اشعار میں سلیقے سے برتنے والے یوں تو بہت سے شاعر مل جائیں گے لیکن کم استعمال کئے جانے والے الفاظ کو شعری زبان دینے والے کم ہی ملیں گے۔ اس طرح کے شاعروں میں 'میں' نے حیدر آباد میں 'اشتر غوری' کو دیکھا ہے۔ اشتر غوری اپنی طرز کے نمائندہ شاعر ہیں۔ اشتر غوری کی شاعری میں معاشرہ کے ایسے مسائل جو فی الفور بہت زیادہ توجہ چاہتے ہیں

نبہایت مددگی کے ساتھ اپنے شعری پسگردوں میں ڈھالتے ہیں۔ ان کی شاعری میں روزمرہ کے مسائل اپنے اصلی رنگ و روپ میں ملیں گے ان کے اشعار میں بعض مقامات پر کچھ ایسے الفاظ بھی کھائی دیتے ہیں جو عام طور پر شعری زبان سے تعلق نہیں رکھتے اور جو سننے اور پڑھنے میں غیر شاعرانہ معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ ان کے پاس بھرپور معنویت کے

مسافہ جلوہ گر رہتے ہیں۔ ان کی شاعرانہ فذرو قیمت کا سرچشمہ ان کا کلاسیکی شعری ادب رہا ہے۔ ان کے استاد محترم علامہ نجم آفندی خود ایک اعلیٰ درجہ کے کلاسیکی شاعر تھے۔ اشغوری، علامہ نجم آفندی کا نام روشن کرنے والے شاگرد کی حیثیت سے اچھا خاصا نام کا چکے ہیں ان کا کلام سننے کے لئے سامعین منتظر رہتے ہیں۔ اشغوری کا تاحال صرف ایک ہی مجموعہ کلام ”بوند بوند روشنی“ (۱۹۸۳ء) میں شائع ہوا ہے اس مجموعہ کے بعد انہوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ اگر وہ مزید مجموعے شائع کرنا چاہیں تو ۲، ۳ مجموعے بہ یک وقت شائع کر سکتے ہیں۔ اشغوری آر۔ ٹی۔ سی میں کٹرولو کی خدمت سے پرفائز تھے۔ ان کی ساری ملازمت اضلاع میں رہی۔ جس کی وجہ سے وہ حیدرآباد کے بڑے بڑے شاعروں سے بہت دور ہے۔ شہر کے مشاعروں میں کم کم ہی شریک ہوا کرتے تھے۔ ادھر کچھ برسوں سے بعض اہم مخصوص مغللوں میں شرکت کرتے ہوئے اپنے بہترین کلام کے جوہر دکھلا رہے ہیں خاص طور پر ادارہ میرا شہر میرے لوگ، سوغات نظر، ایوان پرنس معظم جاہ خجیج، خورشید احمد جانی میموریل اکیڈمی اور بزم جوہر کے ادبی و شعری مخصوص مغللوں میں لازمی طور پر شرکت کرتے ہیں۔ اضلاع کے مشاعروں میں بھی مدعور رہتے ہیں۔ چاہے وہ طرحی مشاعرے ہوں کہ غیر طرحی اپنے بہترین کلام کا بھرپور ناشر چھوڑ جاتے ہیں۔ اشغوری شہر کے ایک کہنے مشق اور سینئر شاعروں میں ایک منفرد و اہم مقام بنا چکے ہیں اکثر مشاعروں

میں کہیں حسد نہ ہو کہیں جھان خصوصاً کی حیثیت سے جلوہ افروز رہتے ہیں
 باطن کی طرح ان کا ظاہر بھی پاک و شفاف ہے ان کا لباس بھی شرکاء
 محفل کو متاثر کرتا ہے شاندار سوٹ پہنتے ہیں۔ پیٹ شرت
 میں بھی دکھائی دیتے ہیں خاص خاص موقع پر شیروانی زیب تن
 کئے ہوئے نظر آتے ہیں نفیس، با سلیقہ اور بہترین شخص کی
 حیثیت سے اپنے دوستوں میں شہرت رکھتے ہیں شہر کے بہت سے
 شاعروں سے ان کے روابط ہیں اس کے باوجود بہت کم شاعروں سے
 بے تکلف رہتے ہیں۔ البتہ اپنے خاص خاص دوستوں سے کھل کر
 ملتے ہیں۔ مزاج میں ظرافت ہمہ جہت لطائف کہتے ہیں، لطائف سن کر
 بے ساختہ ہنستے ہیں اور بعض قصص میں لطیفوں میں کچھ لفظوں کو
 اس طرح جوڑ دیتے ہیں کہ وہ لطیفہ دو آہستہ ہو جاتے ہیں۔ اثر
 غوری کو پسند نہ بھی ما اس نہیں دیکھا۔ ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔ کئی
 برس پہلے جام و مینا کی رفاقت نے انہیں کافی بگاڑ دیا تھا۔ جس زمانے
 میں ان کا رویہ دوستوں کے ساتھ اور معاشرہ کے بہترین لوگوں کے
 ساتھ بھی قابل اعتراض رہا کرتا تھا۔ بلا کے مئے نوش تھے۔ خدا کا
 کچھ ایسا کرم ہوا کہ انہوں نے ایک سخت مئے کھی ترک کر دی۔ اثر غوری
 سے میں زائد از ۲۰ برس سے واقف ہوں۔ پڑانا شہر کے مشاعروں
 خاص طور پر علامہ نجم آفندی کی زیر نگرانی ہونے والے مشاعروں میں
 کلام سنتے تھے۔ میں بھی ان مشاعروں میں کلام سناتا تھا۔ اثر غوری

کی ابتداء شاعری کا یہی انداز کی شاعری تھی نہ تو ان کی شاعری میں عمری
 مسائل نمایاں نظر آ رہے ہیں۔ نئے نئے نظریات سننے عام شاعروں کی طرح
 کلاسیکی طرز کی شاعری کیا کرتے تھے لیکن ادھر ۳۰، ۳۵ برس بعد ان
 کا شاعرانہ لب و لہجہ بالکل بدل گیا ہے قدیم اسلوب بالکل ترک
 کر چکے ہیں۔ اشرف غوری کی شاعری کا انگریز غور لکھا تو یہ کہتا ہے یہ نادر
 ہو گا کہ ان کا کوئی شعر بھی بھرنی کا نہیں ہوتا۔ ہر شعر میں کچھ ایسی بات
 کہہ جاتے ہیں کہ تمام سامعین چونک پڑتے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں
 کہ یہ اشعار تو ہمارے دلی کیا بیات کے ترجمان ہیں۔ جن لفظوں کو
 شاعر دل سے استعمال نہیں کیا ان لفظوں کو اشرف غوری نے سلیف کے
 اس طرح استعمال کیا ہے کہ غور معنی کی نوعیت میں بدل گئی۔ مجھے
 اشرف غوری کی شاعری اس لئے ہم پسند ہے کہ انہوں نے شاعری لکھنا
 نہیں کی۔ اشرف غوری کا کلام ملک کے ادبی رسالوں کے علاوہ شہر کے اہم
 اخبار سیاست میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ ان کی شخصیت اور شاعری
 کو ایک ساتھ شراج پیش کیا جائیگا۔ مجھے اشرف غوری کو بعض ایسے
 اشعار کے مشاعروں میں بھی سننے کا اتفاق ہوا جہاں وہ اپنی مدہوشی
 سے مشاعرہ کی خوشگوار فضا کو۔ بگاڑ دیتے تھے۔ مجھے اس سلسلے
 کا ۳۵ برس پہلے ضلع سنگا بیڈی میں۔ منعقدہ ایک مشاعرہ یاد
 آ رہا ہے۔ ممتاز عثمانی الودادیب نے مشاعرہ کا اہتمام کیا
 تھا مشاعروں میں کلثوم ضلع کے علاوہ مختلف محکموں کے اعلیٰ عہدہ دار بھی

موجود تھے۔ اشعروری نے اُس مشاعرہ میں کچھ زیادہ ہی پی پی لی تھی۔ مجھے
اُس وقت اشعروری کی حالت دیکھ کر بے حد افسوس ہوا تھا۔ میں
دل ہی دل میں یہ سوچتا تھا کہ اتنا اچھا شاعر کیوں اپنے آپ کو
تباہ کر رہا ہے۔ اُس وقت میں نے یہ بھی غور کیا کہ اگر یہ شاعر
سے خوشی نرک کر دے اور آدابِ مشاعرہ کو پیشِ نظر رکھنے ہو
دوسرے شاعروں کی طرح شاعروں میں شرکت کرنا رہے تو یہ
شاعر بہت شہرت پا سکتا ہے۔ میں نے اشعروری کو اُس وقت اپنی
محفلوں میں مدعو کرنا شروع کیا جب وہ جام و مینا سے اپنا رشتہ توڑ
چکے تھے اب وہ ہمارے مشاعروں کے اتنے قریب ہو گئے ہیں کہ ان کے
بغیر مشاعروں میں لطف بھی نہیں آتا۔ اشعروری ہمارے مشاعروں
میں لازمی شعاع کی حیثیت سے مدعو کئے جلتے ہیں وہ ہر مشاعرہ میں اکثر
دفعہ تہی غزل سناتے ہیں۔ لیکن ان کی پرانی غزلیں بھی رلف دے جاتی
ہیں۔ غزلیں مجاری ہوتی ہیں دوبارہ سننے پر نئی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر
کوئی صاحبِ مشاعرہ میں اُونگ بھی رہا ہو تو وہ اشعروری کی غزل سے مطلع
پرسی چونک جاتا ہے اور اُس کی نیند اڑ جاتی ہے پوری طرح متوجہ
ہو جاتا ہے۔ اشعروری کی غزلوں کا ایک خاص و صنف یہ بھی ہے وہ اپنی
کئی ہوتی بات کو دہرانے نہیں ہر بات نئی کہتے ہیں اور سنیے سے کہتے ہیں
عموماً ہمارے شعراء طرہی غزلیں کہنے سے گریز کرتے ہیں لیکن اشعروری اپنی
طرہی غزلوں سے بھی شرکتِ محفل کو متاثر کر دیتے ہیں۔ اشعروری نے

جو شاعر سے اردو میں درجہ اول میں ایم اے میں کامیابی حاصل کی۔ ان کے تمام بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں ان کی شریک حیات شعبہ درس و تدریس سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے گھر کا ماحول علمی، دینی اور ادبی ہے اضلاع کے مشاعروں میں اشغوری کا سا فہم رہتا ہے ہم ۶۵ء ہم خیال شعاع ذریعہ کار اضلاع کے مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں اشغوری اضلاع کے مشاعروں میں کافی پسند کیے جاتے ہیں۔ موٹر کار کا سفر خوشگوار رہتا ہے سینے بہانے سفر طے ہوتا ہے کبھی بھی البتہ نہیں ہوا کہ ہم نے دوران سفر ایک دوسرے کو اپنا کلام سنایا ہو۔ البتہ شعروادب کے موضوع پر گفتگو ہوا کرتی ہے لیکن زیادہ وقت تفریحی ہوڈ میں گزر جاتا ہے۔ اشغوری کا کلام آل انڈیا ریڈیو سے ہی نہیں، رخ دور درشن کے ذریعہ بھی ادب دوست خواتین و حضرات تک پہنچ جاتا ہے۔ شعر گفتی سناتے ہیں۔ سنانے کا انداز متاثر کن ہوتا ہے۔ محفل پر چھا جاتے ہیں شہر کے تمام اہم دانشوروں، شاعروں ادیبوں اور صحافیوں سے ان کے مراسم ہیں۔ شہر کے مہذب شہریوں میں ان کا شمار ہونکتہ شہر کے نامتو شاعرے پڑھنے میں۔ کمالپور ڈیرہ حاصل کر چکے ہیں۔ راج بھون میں گورنر صاحب کی دعوت پر مشاعرہ پڑھنے کے علاوہ صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر شنکر دیال شرما کو بھی اپنا کلام سنا چکے ہیں وہ ایوانِ اردو اور انجمن نرئی اردو کے تمام مشاعروں میں مدعو رہتے ہیں مشاعروں میں وقت پر آتے ہیں اور اختتام محفل

تک موجود رہتے ہیں۔ اپنا بہترین کلام سناتے ہیں دوسرے شاعروں کا
 کلام توجہ سے سنتے ہیں چاہے حکم پختے میں مگر پان زیادہ کھانے
 ہیں۔ عام طور پر پان میں زردہ زیادہ استعمال کرتے ہیں
 ہم مشورہ دیا کرتے ہیں کہ اس زہر سے اجتناب کریں —
 اشتر غوری ایک پسندیدہ شاعر ہیں اور یقین ہے کہ وہ
 تادم حیات اہم شاعر ہی رہیں گے۔ وہ ایک مقبول شاعر ہونے
 ہوئے بھی اپنے ابتدائی دور کے غیر شہرت یافتہ شاعروں سے
 بھی ملتے رہتے ہیں۔ اشتر غوری کا میر بھی اک طرف ہے اور یہ ان
 کے کردار کی بلند ہی ہے کہ وہ اپنے قدیم دوستوں سے کنارہ کش نہیں
 ہیں لیکن وہ علامہ اقبال کے اس شعر سے بھی متفق ہیں۔
 اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسیان عقل
 لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

حسن فرخ

(ذہین و فطین شاعر، طنز و ادیب و صحافی)

کشمکشِ حیات نے نہ جلنے کتنے لوگوں کو مختلف النوع حالات اور نت نئے امتحانات سے دوچار کیا ہوگا۔ ویسے ہی ہر شے یوں ہی حاصل نہیں ہوتی۔ کسی شے کو پانے کے لیے ہر انسان کو میدانِ عمل میں اپنی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مختلف قسم کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اپنے بہترین مستقبل کو سنوارنے کے لیے ہر انسان کو دھوپ، چھاؤں، اُجھاؤں، اندھیروں، آسائشوں، پریشانیوں، راحتوں، تلخیوں، سہولتوں، دشواریوں، صبح و شام کی کئی الجھتوں اور پھاند کی نرم نرم چھاؤں اور سورج کی تہارت سے سابقہ پڑنا ہی رہتا ہے۔ اگر کوئی انسان مشکل سے مشکل حالات کا سامنا کریتے ہوئے زندگی کے نشیب و فراز کو اپنا ہم سفر بنالیتا ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ اُس کی زندگی میں جتنی مشکلات

نہیں رہیں گی انہی آسائیاں اُس کے قدم چومیں گی۔ اپنی محنتِ شاقہ

اور اپنی صلی جیتوں سے انجانوں کا سفر طے کرنے والے بہت ہی کم بابے
 عرصے کے بعد مٹھن زندگی گذارتے ہیں۔ ایسے حالات سے ہر دم زماں
 کرنے والے لوگ اپنی زندگی کے سفر میں کسی سایہ وار درخت کی تلاش
 میں رہتے موشے بھی حالات کی تپش سے مانوس و باخبر رہتے ہیں۔
 اس طرح کے بعض شناسوں اور روبہ دروں میں ایک نام حسن فرخ
 کا لکھ ہے جو ایک بہترین شاعر و ادیب اور ایک نامور صحافی کی حیثیت
 سے شہرت رکھتے ہیں اور عام لوگوں کے علاوہ اپنے حلقہٴ احباب میں
 بھی اپنی میاں روی اور ضلع کل طریقہ زندگی کی وجہ سے پسند کیے جاتے
 ہیں۔ حسن فرخ نے اپنی بھی زندگی کا آغاز بہت ہی نامور حالات میں کیا
 اپنے سہیلی حالات کی بہتری کے لیے انہوں نے بہت محنت کی ہے۔ زندگی
 کی کئی پیر پیچ راہوں سے ان کا گذر ہوا ہے۔ شاعری حیثیت سے ان کو اپنی
 پہچان بنانے کے لیے شہر کے ایک حلقہٴ جدید نے جو بعد میں "حلف" کے نام سے
 شہرت پائی، بڑا سہارا دیا۔ لیکن یہ سہارا صرف والہنگی کی حد تک ہی
 رہا۔ اگر کسی قلم کار میں خداداد صلاحیت موجود ہو تو صرف سہاروں پر اس
 کی شہرت کا دار و مدار نہیں رہتا۔ حسن فرخ کو اردو روزنامہ "رہنمائے دکن"
 سے ربط خاص کی وجہ سے صاف شاعری و ادبی و ثقافتی میدان میں
 قدم بڑھانے کے مواقع ملتے رہے۔ صحافت کی دنیا میں ایک بہترین صحافی
 کی حیثیت سے اپنا مقام بنایا۔ کئی برس تک "رہنمائے دکن" سے وابستہ
 رہے۔ جہاں تک شعر و ادب کی نگریہوں کا تعلق ہے حسن فرخ صاحب

اپنے ایک مخصوص حلقے سے رشتہ رکھنے کے باوجود شہر کے تقریباً تمام مکتب خیال کے شاعروں، ادیبوں سے اپنے مراسم کو استوار رکھا۔ شہر کی بعض ادبی انجمنوں اور اداروں کی سرگرمیوں میں جب کبھی ضرورت محسوس کی گئی حصہ لینے رہے۔ حسن فرخ صاحب جیسے شہر کے بعض نوجوان شاعروں کو نامور شاعر و صحافی جناب سلیمان اربیب کی سرپرستی سے بھی بڑا حوصلہ دیا۔ وہ انہیں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو متحرک کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ مخدوم محی الدین اور خورشید احمد جاتی کی شخصیت اور شاعری سے متاثر ہونے والے نوجوان شاعروں نے بھی شری ادب میں اپنا نام کما یا ہے۔ ایک ایسا شاعر و ادیب جو اپنے دور کے ادبی و تہذیبی تقاضوں کو پورا کرنا ہو اس کو میدانِ شعر و ادب میں ایسا مقام بنانے میں کچھ زیادہ دقت پیش نہیں آتی۔ رہنمائے دکن کے مدیرِ اعلیٰ جناب لطیف الدین قادری نے ان کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی میں کبھی کمی نہیں کی۔ وہ حسن فرخ کی صحافتی صلاحیتوں کے متعرف تھے جبکہ حسن فرخ نے صحافتی میدان میں پہلا قدم رکھا تھا۔ چھٹی رباعی میں حیدرآباد میں نئے لکھنے والے نوجوانوں کا ایک حلقہ افصح شعر و ادب پر نمودار ہوا تھا۔ اسی زمانے میں مشہور افسانہ نگار اعظم لڑھی کا ماہنامہ ”پیکر“ شائع ہونا شروع ہوا تھا جس میں حیدرآباد کے نوجوان شاعر و ادیب کی تخلیقات خصوصیت کے ساتھ شائع ہوتی تھیں ”پیکر“ کا ابتدائی آفس جبریل لہریٹ آفس عاید کس سے منتقل عارت کے ایک کمرے میں تھا اس کے بازو ہی احمد علی و آصف علی صاحب کا ایک بہت بڑا ایک مثال

تھا جہاں ملک بھر کے ادبی رسائل موجود رہتے تھے۔ شام سے آدھی رات تک قدیم و جدید شعروں، ادیبوں کا جنگھٹا رہتا تھا۔ میں بھی اُس بک اسٹال پر اکثر سر شام جایا کرتا تھا وہاں قدیم و جدید قلم کاروں اور صحافیوں سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ کبھی کبھی وہاں حسن فرخ صاحب سے بھی ملاقات ہو جاتی تھی میری ابتدائی شاعری کے زمانے میں ”پیکر“ میں بھی میری غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ اپنی دونوں جدید قلم کاروں کی جانب سے گاندھی جھون تھیٹر میں ایک یادگار ادبی تقریب منعقد ہوئی تھی جس میں مشاعرہ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا اُس دور کے نوجوان شاعروں کے ساتھ میں نے بھی اپنا کلام سنایا تھا۔ اس تقریب کے سلسلے میں ایک سونیئر بھی شائع ہوا تھا جس کے سرورق پر منتخب قلم کاروں کے دستخط ثبت تھے اس سرورق پر بھی میرا نام تھا۔ جناب حسن فرخ نے ۱۹۶۰ء میں ”سنگینے“ کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی جس میں میری غزل بھی شامل تھی۔ حسن فرخ اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں بہت زیادہ سرگرم عمل رہے۔ جب جدید شعروں نے حمید رسیاد لٹریچر فورم (حلف) کے نام سے ایک ادبی انجمن کا قیام عمل میں لایا تو اس کے بانیوں میں حسن فرخ بھی شامل رہے مختلف اوقات میں حلف کے سکریٹری اور نائب صدر بھی رہے اب بھی حلف سے ان کی وابستگی برقرار ہے۔ حسن فرخ جب اردو اکیڈمی آنڈ نعر ابیرویش سے وابستہ ہوئے تو شہر کے بہت سے شاعروں ادیبوں سے ان کے مراسم بڑھنے لگے۔ ڈائریکٹر اردو اکیڈمی جناب چنڈا سرپتو

کے زمانے میں پی آر اڈ کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ اردو اکیڈمی کی قدیم و جدید سرگرمیوں سے وہ پوری طرح واقف ہیں۔ اکیڈمی کے خوشگوار و ترقی منظر و حالات کے زمانے میں اپنی پوزیشن پر کسی قسم کا حرف اُس نے نہیں دیا۔ بلکہ اپنی حکمت عملی سے سربراہان اکیڈمی کے ساتھ تعاون کیا۔ خالص ادبی و سیاسی نوعیت کی خط و کتابت کے ذریعہ اُن کی مدبرانہ نظیروں نے اکیڈمی کی بہترین خدمت کی۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے ساری اہم مراسلت کی صورت گری میں حسن فرخ صاحب ہی نمایاں رول ادا کرتے ہیں۔ ذمہ داران اردو اکیڈمی ان کے مسودات کو بہ جنسہ منظور کرتے ہیں یا جزدی ترمیم کے ساتھ۔ اردو اکیڈمی سے اپنی مستقل وابستگی کے باوجود بھی وہ رہنمائے دکن کے مدیر جناب وقار الدین کی وقتاً فوقتاً معاونت کرتے رہتے ہیں۔ آج بھی وقار الدین صاحب سے اُن کے دوستانہ مراسم ہیں۔ اردو اکیڈمی میں آئے والا ہر شاخ و ادیب حسن فرخ صاحب سے لازماً ملاقات کرتا ہے میں خود بھی جب کبھی اکیڈمی جاتا ہوں تو حسن فرخ صاحب سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ اکیڈمی سے میری وابستگی بہت دیرینہ ہے جب اکیڈمی کا قیام ۱۹۴۶ء میں ہوا تو جناب عابد علی خان صاحب مدیر "سیاست" صدیقی مجلس عاملہ نویاستی وزیر قانون جناب آصف پاشا صدر اکیڈمی اور جناب بھارت چند مکھن ریٹائرڈ آئی اے ایس سکریٹری اکیڈمی تھے۔ ان دنوں اکیڈمی کا آفس سکریٹریٹ کے قریب لے جی آفس کے سامنے واقع

غارت میں تھکا عابد علی خان صاحب کی خواہش پر اکیڈمی میں اس وقت
 کام کرنے والے اہل کاروں کی دفتری کام کے سلسلے میں نہیں مدد کرتا رہا
 میں اکیڈمی کے آفس کو پینچ کے دوران جایا کرتا تھا۔ میں ۱۹۹۲ء میں
 رکن بورڈ آف گورنر رہا ہوں۔ مسعود بن سالم کی ڈائریکٹری اور
 جلیل پاشاہ صاحب کی صدر نشینی کے زمانے میں اکیڈمی میں میرا آنا
 جانا کچھ زیادہ ہی رہتا تھا۔ جلیل پاشاہ ہر ادبی تقریب میں مجھے صوفی
 کے ساتھ مدعو کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں بہت سی ادبی تقاریب کے موقع
 پر وہ مجھ سے مکمل تعاون حاصل کرتے تھے۔ حسن فرخ صاحب سے میری رسم و
 راہ اُردو اکیڈمی سے اُن کی وابستگی سے بہت پہلے کہ ہے ہم دونوں نے
 شہر کے نئی مشاعرے ایک ساتھ پڑھے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ حسن فرخ
 صاحب مشاعروں میں بہت کم شرکت کرتے تھے۔ اب بھی وہ مخصوص
 اور اہم مشاعروں ہی میں اپنی شرکت پسند کرتے ہیں۔ حسن فرخ کے حلقہ
 احباب میں شہر کے تقریباً تمام شعراء ادیب شامل ہیں وہ ہر شاعر
 ادیب سے اُن کے مراتب کو ملحوظ رکھتے ہوئے رد ابط رکھتے ہیں۔ ملاقاتیں
 اور دوستیوں کے درمیان فرق کو وہ محسوس کرتے ہیں۔ مجھے اس بات کا
 اعتراف ہے کہ اکیڈمی کے مختلف اجلاسوں میں میری شرکت کے لئے حسن فرخ
 معاون رہے ہیں۔ مشاعروں کے مسودات اور مطبوعات کی کمیٹیوں میں
 میری شمولیت اور نچلی حیثیت سے میری خدمات کے لیے حسن فرخ صاحب دلچسپی
 لیتے رہے ہیں۔ حسن فرخ صاحب سے میرے دیرینہ دوستانہ مراسم ہیں۔

میری شعری و ادبی سرگرمیوں کے علاوہ وہ میرے دوستانہ مراسم کو بھی اہمیت دیتے رہے ہیں۔ زندگی کے مختصر و طویل سفر میں بہت سے ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو یاد بھی رہتے ہیں اور نہیں بھی۔ میں سکریٹریٹ میں اپنی ملازمت کے دوران اپنے بہت سے دوستوں اور کرم فراڈوں کی کارروائیوں کے سلسلے میں تعاون کرتا رہا ہوں۔

حسن فرخ صاحب ایک دن ایک قدیم اور اہم جی۔ او کی حصصوں کے لیے سکریٹریٹ آئے تھے۔ وہ جی۔ او جنرل اڈمنسٹریشن ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھتا تھا۔ حسن فرخ صاحب سے ان دنوں میری سرسری ملاقات ہوا کرتی تھی۔ ویسے بھی میں کسی شخص کے ساتھ مراسم کی بنیاد پر تعاون نہیں کرتا تھا۔ اگر کوئی اجنبی شخص بھی مجھ سے سکریٹریٹ کے کسی نجی حکم سے متعلق کارروائی کے سلسلے میں تعاون کی خواہش کرتا تو میں بلا تامل مدد کے لیے تیار ہو جاتا تھا۔ میرے توسط سے اگر کسی شخص کی مدد ہو جاتی تو مجھے خوشی ہوتی تھی۔ حسن فرخ صاحب سکریٹریٹ پہنچنے کے بعد میرے سکشن (پنچایت راج ڈیپارٹمنٹ) میں آئے اور مجھ سے اُس جی۔ او کی فراہمی کے لیے خواہش کی۔ اہتوں نے کہا کہ میرے کسی عزیز کو ان کی ملازمت کے سلسلے میں اُس جی۔ او کی سخت ضرورت نہ تھی۔ جی او کی کاپی حاصل کرنا میرے لیے مشکل ہے۔ میں آپ سے تعاون چاہتا ہوں۔ میں فوراً حسن فرخ صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر جی او ڈی پیو گیا۔ حسن اتفاق سے متعلقہ سکشن آفیسر جو علاقہ آندھرا سے تعلق رکھتا تھا میرا

دوست تھا۔ اُس نے کافی تلاش کے بعد مطلوبہ جی او کی کاپی فراہم کی۔
حسن فرخ صاحب نے اس جی او کی کاپی پا کر بے حد خوشی کا اظہار کیا۔
جب کبھی کسی ادبی حلقہ میں مجھ سے متعلق مشیت یا منفی نوعیت کی گفتگو
ہوتی ہے تو حسن فرخ صاحب میرے اس تعاون کا ضرور تذکرہ کرتے
ہیں یہ بات اکثر دفعہ اہموں نے مجھ سے کہی۔ حسن فرخ صاحب ادبی
حلقوں میں ایک متوازن طبیعت کے حامل قلم کار کی حیثیت سے مشہور
ہیں۔ اکیڈمی میں اہل غرض لوگوں کی ممکنہ حد تک مدد کرتے ہیں۔ اپنے احباب
کے ساتھ اُن کے خوشگوار مراسم ہیں۔ حسن فرخ کچھ عرصہ تک ای سی ٹی وی
کے نیوز ایڈیٹر رہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہاں کا موسم ان کے لیے سازگار
نہیں رہا۔ اس لیے وہ اردو اکیڈمی لوٹ آئے اور اپنی قدیم کرسی
(پی آر او) پر فائز ہیں۔ جہاں وہ حسبِ معمول، حسبِ سابق اکیڈمی
کی سروسز پر سرگرمیوں کو فروغ دینے میں مصروف ہیں۔ اکیڈمی کی
بہتر کارکردگی کے سلسلے میں محمد محی الدین شریف چیف کاؤنسلر اور سینئر
سوپروائزر محمد عمر صاحب کا انہیں بھرپور تعاون حاصل ہے۔ میں نے
یہ محسوس کیا ہے کہ اکیڈمی کے دیگر اسٹاف میں یہ دونوں شخصیتیں اپنی
ذمہ داریوں کو ہنہایت عمدگی اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ نبھا
رہے ہیں۔ اور ان دونوں حضرات کی خدمات اردو اکیڈمی کے لیے
شمیر و ثابت ہو رہی ہیں۔ خود میرا بھی ذاتی تجربہ ہے کہ یہ دونوں
شخصیتیں خاص طور پر شہزادوں اور بیوروں کی نصیب طلب کار روایتوں کی

جلد از جلد کیسوٹی کے لیے شخصی دلچسپی لیا کرتے ہیں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ شاعروں، ادیبوں سے ان کا انداز گفتگو انتہائی مہذب، مدبرانہ اور سلیقہ شکاری کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے یہ دونوں انتہائی بااخلاق ہیں۔ حسن فرخ صاحب کی شہر کے بہت ساری ممتاز شخصیتوں سے رسم و راء ہے۔ کبھی کبھی اکیڈمی غیر یقینی حالات سے گزرتی رہی لیکن ایسے مواقع پر حسن فرخ صاحب کے تدبیرانہ طرزِ عمل اور شجارت کو اہمیت حاصل رہی ہے وہ ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ معاشرہ میں پھیلے ہوئے اندھیرے، اُجالوں میں تبدیل ہوتے رہیں جس شخص کی فکر آئینہ مثال رہتی ہے وہ سوسائٹی میں ہمیشہ پسند کیا جاتا رہے گا۔ حسن فرخ صاحب ایک صاف گو، حقیقت پسند شخص کی حیثیت سے ہمارے معاشرہ کا ایک اہم حصہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کی کامیاب زندگی کا ایک اہم وصف ان کا متوازن نظریہٴ حیات ہے اعتدال پسندانہ رویہ انہیں سُرخ رُوئی کی مختلف کیفیات سے استفادہ کے مواقع فراہم کر رہا ہے حسن فرخ صاحب شاعروں میں عزیز ہیں ہی سناتے ہیں اگرچہ حسن فرخ صاحب جدید حلقہٴ شعروادب سے وابستہ ہیں لیکن انکی عزیز ہیں کلاسیکی شعری ادب کی بھرپور رہنمائی کرتی ہیں انکے دو مجموعہٴ کلام گونا گونا گویاں اور عالمِ بے علم شائع ہو چکے ہیں۔ بہترین نظموں کے ساتھ ساتھ بہت ہی پُر اثر و اثر بھی لکھتے ہیں انکے ادبی مضامین انکے تلخ علمی کے آئینہ دار ہوتے ہیں لیکن وہ اپنی شاعری کی طرح اپنی غزلیوں کو بھی اپنی تشبیر کا ذریعہ بنانے سے گریز کرتے ہیں۔

علی الدین نوید

(ذہین و باصلاحیت مفرد و لہجے کا مقبول شاعر)

حیدرآباد میں میرے ہم عمر شاعروں کے بعد جن شاعروں نے شاعری ادب میں اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا بھرپور احساس دلایا ہے ان میں ایک انام نام علی الدین نوید کا بھی ہے۔ علی الدین نوید رشتہ میں میرے بھائی تھے جو سن ۱۹۴۲ء کو لاٹھی ۶۱۹۴ کو ہمنما آباد خلیج بیدر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محترم محمد یاض الدین تعلقہ ہمنما آباد خلیج بیدر کے ایک معروف علی ادبی گھر سے تعلق رکھتے تھے۔ علی الدین نوید کے داراجاب محمد علیم الدین منتظم پوسٹ تھے جن کا محلہ نور خاں اکھاڑے میں بہت بڑا مکان تھا۔ اپنے بچپن میں اکثر میں اپنی بہن سے ملنے ان کے گھر جایا کرتا تھا وہ مجھے بہت عزیز رکھتی تھیں۔ علی الدین نوید کے والد ماجد ایک کامیاب تاجر تھے علی الدین نوید کے ننھیال میں زیادہ تر بزنس میں اور ملازم صحر کار تھے ان کے نانا عبدالمجید (میرے حقیقی ماموں) کا پیشہ درس و تدریس ہے

تعلق تھا۔ وہ اپنے دور کے بہت اچھے استاد تھے علی الدین نوید کی والدہ ماجدہ عظمت النساء میری والدہ محترمہ کی بہت چہیتی بھتیجی تھیں میری بہن اپنی بھوپتی سے بہت قریب تھیں۔ وہ اپنے بھین میں میری والدہ کے پاس زیادہ رہتی تھیں۔ علی الدین نوید کے تین بھائی ہیں محمد قیام الدین، محمد مصلح الدین اور محمد وقار الدین (وقار ریاض)۔
 وقار ریاض بہت ہی اچھے شاعر ہیں جو گلبرگہ میں آرٹ سی ڈپارٹمنٹ میں کنسٹرولر ہیں۔ علی الدین نوید کی ابتدائی تعلیم ہمنہ آباد میں ہوئی ہمنہ آباد ہائی اسکول سے میٹرک کامیاب کیا۔ ہائی اسکول میں ان کے استاد سید شاہ علی الدین کینج نیشن نے ان کے ذوقِ ادب کو محسوس کرتے ہوئے رہنمائی کی۔ سٹی کالج حیدر آباد سے بی۔ یو سی (انٹرمیڈیٹ) کیا۔ جامعہ عثمانیہ سے بی۔ ایس۔ سی اور بی ایڈ کی ڈگری لی۔ کرناٹک یونیورسٹی دھارواڑ سے ۱۹۷۴ء میں ایم اے کی ڈگری لی اور بہرہ حیثیت ٹیچر مصلح پریشد ہائی اسکول خمس آباد اور بونٹن پلی میں سائنس اور انگلش پڑھاتے رہے۔ ان دنوں گورنمنٹ کالج جنوب نگر میں اردو لکچرر کی خدمت پر فائز ہیں۔ پولیس ایکشن (ستمبر ۱۹۷۸ء) کے دوران فوج اور غیر ساقی عناصر پر لے گناہ مسلمانوں کے قتل عام کے درپے ہوئے تو بہت سے مسلم خاندان سراپائی، خوف و دہشت کے ماحول میں اپنے اپنے گھروں، گاؤں، اضلاع کو چھوڑ کر جو بھی سواری اُس وقت مل سکتی تھی اُس کے ذریعہ حیدر آباد کی جانب روانہ ہوئے راستے میں بنگلہ کے قریب

ہر نئی ٹکاؤں میں جب یہ قافلہ مسلمانوں کے لیے رک گیا تو غیر سابی عناصر
 نے ہلہ بول دیا ایک ہندو کے گھر میں ان کے افراد خاندان ٹھہرے تھے ان
 بلویوں نے ان سے روپیہ اور زیورات چھین لیا اور بڑی لے رچی کے ساتھ ان
 کے والد اور ان کے دو چچاؤں اور دو اہل خاندان کو شہید کیا گیا۔
 اس حادثہ نے کئی دنوں تک علی الدین نوید کے اہل خاندان کو سنبھلنے نہیں دیا۔ اس حادثہ
 جانکاہ کے بعد بڑی مشکل سے علی الدین نوید کا خاندان مجید آباد پہنچا
 جہاں وہ میرے قریبی رشتہ دار تھے۔ المصطفیٰ صاحب کپڑا بکاکو کے مکان
 واقع دیرپورہ میں مقیم رہے۔ پولیس ایکشن میں بچنے والے کچھ چچا احمد
 عطاء الدین کی سرپرستی، شفقت جتوئی کا نوید کا زندگی پر گہرا اثر پڑا۔ ان کے
 بھائی قیام الدین نے تقریباً ۱۲ سال کی عمر میں اپنے تمام افراد خاندان کا لوجہ
 اپنے نازک گاندھوں پر اٹھالیا۔ انہوں نے اپنے بھائیوں کی تعلیم و
 تربیت میں بے مثال رول انجام دیا۔ دیکر اہل خاندان کی
 غیر معمولی خدمت کی۔ والدہ ماجدہ ایک نہایت متقی پرہیزگار
 خاتون تھیں۔ علی الدین نوید تقریباً ۱۳ سال سائنس اور انجینئرنگ
 کی تدریس کے ٹرائل انجام دینے کے باوجود بھی اردو ادب اور فکر و
 فن سے ان کی وابستگی برقرار رہی۔ بی۔ بی۔ سی کے دوران عثمانیہ
 یونیورسٹی کے سائنس کالج میگزین "سائنٹیفک" SCIENTIA کے
 مدیر بھی رہے۔ دو جواں سال شادی شدہ بھینوں کی اچانک رحلت
 والدہ ماجدہ کا انتقال اور اپنے ۱۲ سالہ بیوہ اور فرزند نوید کی

حادثاتی موت توید کی زندگی کے وہ ناقابل فراموش سانحے ہیں جو نازہ
 زخموں کی صورت آج بھی اُن کے دل میں چمکتے ہیں۔ ۱۹۶۵ء کے بعد
 جدید لب و لہجے کے جن شعرا نے اپنی ایک الگ پہچان بنائی اُن
 میں علی الدین لویہ ایک منفرد اور نمایاں مقام کے حامل ہیں اُن کی
 شاعری میں عمری آگئی اور نئی حیثیت کے نام پر کہیں لفظوں کی
 شعبہ بازی نظر نہیں آتی۔ علی الدین لویہ کی شاعری میں جدید طرز
 اظہار اور کلاسیکی رچاؤ کا ایک حسین امتزاج ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ
 اُن کا کلام خاص و عوام میں مقبول ہے اُن کا ابتدائی کلام صبا، شاعر،
 تحریک، پیکر میں مستقل طور پر شائع ہوتا تھا۔ ہندوپاک کے نوخیز جرائد
 شب خون، شہر و حکمت، ناظر، دوشیزا، شیرازہ، قومی زبان، سبکس
 کے علاوہ نیویارک ٹائمز، ٹیگس، گو میں بھی تخلیق شائع ہوتی رہی ہیں اخبار
 سیاست میں اُن کا کلام انوار کے ایڈیشن میں شائع ہوتا تھا اور
 ابھی کچھ کچھ شائع ہوتا رہتا ہے۔ "خداؤم، فیض، قراق، ارباب"
 شاہد صدیقی، خاربہ، بنکوی، وجد، جاں نثار، اختر، امتزاج، ایمان
 ساحر، لڑھکانوی، مجروح سلطان پوری، احمد فراز، قیس شفائی کے ساتھ
 کل ہند مشاعرے پڑھنے کا سہرا حاصل ہے۔ سائبر ایڈیٹیو ڈی کی
 جانب سے کل ہند سطح پر منعقدہ ہندوستانی مشاعرے (۱۹۸۹ء) میں
 انہوں نے جنوبی ہند کی نمائندگی کی بہت قوی سہکتی کے موضوعات پر نظموں کے
 وہ فلم اور ٹیلی ویژن کے لیے بھی گیت لکھے ہیں ایک نظم "مور" آندھرا پردیش

کے نصاب میں شامل ہے۔ علی الدین نوید کی مغز لیں یقیناً اردو شاعری میں ایک خوبصورت اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

علی الدین نوید ایک فطری شاعر ہیں انہوں نے اپنی پوری شناخت کے ساتھ اپنی شاعرانہ حیثیت کو منوایا۔ اپنی شاعری کے ابتدائی زمانے میں وہ مجھ سے مشورہ سمجھ کر کیا کرتے تھے۔ حیدر آباد کے نوجوان شاعروں میں علی الدین نوید پہلے شاعر ہیں جو ادبی ٹرسٹ اور شنکڑی میموریل سوسائٹی کے ہر مشاعرہ میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیے جاتے ہیں۔

جناب عابد علی خان اور جناب محبوب حسین جگر صاحب کو علی الدین نوید کی شاعری بہت پسند تھی۔ جب ادبی ٹرسٹ اور شنکڑی میموریل سوسائٹی کے کل ہند مشاعروں کی قبرست پر تنبہ ہوتی تو اس فہرست میں علی الدین نوید کا نام لازماً شامل رہتا تھا شہر کے معیاری مشاعروں کے علاوہ اضلاع کے مشاعروں میں بھی خصوصیت کے ساتھ مدعو کیے جاتے ہیں۔

علی الدین نوید کے دو شعری مجموعے ”صدف صدف ریت“ (۱۹۷۹ء) اور ”دھواں دھواں چیراغ“ (۱۹۹۳ء) میں شائع ہو کر ادبی حلقوں میں کافی مقبول ہو چکے ہیں۔ ان دونوں کتابوں پر اردو اکیڈمی آنڈھرا پردیش نے انعام اول سے نوازا ہے شہر کے نمائندہ و مقبول شعور میں ان کا شمار ہو سکتا ہے۔ علی الدین نوید ہر مکتب خیال کے شاعروں میں مقبول ہیں ان کا رکھ رکھاؤ، ان کی نشست و برخاست سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کامیابی کے ساتھ اپنے شعری و ادبی سفر کو جاری رکھے ہوئے ہیں

علی الدین نوید حیدر آباد کی ادبی انجمن "حلف" (حیدر آباد ٹریڈری فورم) کے بانیوں میں سے ایک ہیں۔ مختلف اوقات میں حلف کے مہندہ داروں میں بھی شامل رہے ہیں۔ بہترین شاعر ہونے کے علاوہ بہترین مبصر و نقاد بھی ہیں۔ شعر و ادب کے ہر موضوع پر انہیں اظہار خیال کا ملکہ حاصل ہے۔ اپنی بات کو نہایت پُر وقار انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا شاعرانہ متفرد لہجہ قاری و سامع دونوں کو یکساں طور پر متاثر کرتا ہے۔ شگفتہ و مستمتہ رنگ، نثری مسحور کن و تیز ہے۔

انہوں نے ۵۰ سالہ جشن حیدر آباد تقاریر میں مستفادہ جوہر کے سلسلے میں مستفادہ مشاعرہ (۱۹۹۵ء) میں شرکت کی تھی اس مشاعرہ میں، میں نے بھی شرکت کی تھی۔ حیدر کے مشاعرہ میں انہوں نے بہت عمدہ اور معیاری کلام شاعرانہ بردست داد و تحسین حاصل کی تھی۔ ان تقاریر میں جناب عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر صاحب نے بھی شرکت کی تھی۔ علی الدین نوید تخت میں کلام سناتے ہیں اور غم کو سناتے ہیں علی الدین نوید کی مقبولیت کا یہ حال ہے کہ شہر کی ہر ادبی انجمن کے اربابِ محبت کی یہ خواہش رہتی ہے کہ وہ ان کی محفل میں شرکت کریں۔ علی الدین نوید کا کلام ملک کے ادبی رسائل میں بھی شائع ہوتا رہا ہے۔ آل انڈیا ریڈیو سے تقریباً ۳۳ سال سے ان کا کلام نشر ہو رہا ہے۔ دور درشن سے بھی ان کے کلام کی جامی پڑی لکھی جاتی ہے۔ علی الدین نوید ملک کے بعض کل ہند شاعروں میں شرکت کر

اپنے بہترین کلام پر داد و تحسین حاصل کی۔ علی الدین نوید سینئر شاعروں
 کلبہء احرام اور تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ آداب محفل کا خیال رکھتے
 ہیں عزتوں۔۔۔ کے علاوہ علی الدین نوید نے بہت عمدہ نظمیں کہیں
 ہیں وہ دن بہت قریب ہے کہ علی الدین نوید کی شاعری و شخصیت پر
 منک کی کسی نہ کسی جامو سے ریسرچ کیا جائے گا اور ان کے شایان شان
 مقالہ تحریر کیا جائے گا۔ علی الدین نوید کا سطا لہ عمیق ہے۔ تجربات و
 مشاہدات کی ترجمانی کرنے والی ان کی شاعری ہزاروں شائقینِ شعر و
 ادب کے دل کی دھڑکن بن چکی ہے۔ علی الدین نوید کو یہ بھی اعزاز حاصل
 ہے کہ انہوں نے راج بھون کے مشاعروں میں بھی کلام سنایا اور راشٹری
 نیلام میں منعقدہ مشاعرہ (۱۹۹۵ء) میں بھی کلام سنایا۔ جو صدی جمہوریہ
 ڈاکٹر شکر دیال شرما کی صدارت میں ہوا تھا۔ شہر کے بعض منتخب گلوکار
 مختلف تہذیبی تقاریب میں ان کا کلام ساز پر پیش کرتے ہیں۔
 علی الدین نوید حیدر آباد کے نامور شعرا کی اولین فہرست میں
 شامل ہیں۔ میری یہ دلی تمنا ہے کہ ان کی نذر و منزلت میں اور اضافہ
 ہو اور خاص طور پر حیدر آباد کے ادبی تعلقے اس باکمال شاعر پر فخر
 محسوس کریں۔

نواب نور الدین خاں

(پیرانے شہر کی مہذب شخصیت بہترین دوست، معتبر محقق)

حلم الطبع، وضع دار، پروقا، نرم گفتار، سبک رو، با کردار
 ردار اور شریف النفس انسانوں کا جن محفلوں میں بھی تذکرہ ہوگا
 اُن محفلوں میں یقیناً نواب نور الدین خاں جیسے مہذب شخص کا بھی ذکر ہوگا اگرچہ
 اس طرح کے مہذب لوگ اُن محفلوں میں موجود نہیں رہتے لیکن اُن کی
 خوبیاں اچانکیاں اور نیکیاں موضوع گفتگو رہتی ہیں۔ نواب نور الدین خاں
 یقیناً اس قابل ہیں کہ جن سے یہ تمام باتیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ ادبی
 حلقوں میں ایک معتبر محقق، صاحب ذوق اور محرز شخصیت کی حیثیت سے
 وہ اپنی پہچان بنا چکے ہیں۔ نواب نور الدین خاں کے اسلاف حیدر آباد
 کے بامشہور صاحبان علم و فضل میں شمار ہوتے ہیں۔ نواب نور الدین
 خاں اپنے بزرگوں کی روایات کے بہترین نسل کے طور پر اعلیٰ تہذیبی
 اقدار کے حامل ہیں اور خاموشی کے ساتھ علم و ادب کے کاموں میں مصروف ہیں

میں نواب نور الدین کا ہم محلہ رہا ہوں۔ میں اپنی نئی رہائش جگہ
 ملے پلی میں منتقل ہونے سے قبل محلہ سید علی چوہدرہ دروپال
 بازار میں سکونت پذیر تھا۔ نواب نور الدین خان سے کبھی کبھی ملاقات
 ہوا کرتی تھی ان سے میری پہلی ملاقات اُس محلہ کی مسجد کی الدین کے روبرو
 سر راہ ہوئی تھی۔ یہ کوئی ۳۳ سال پہلے کی بات ہے۔ علمہ مال میں
 میرے بہنوئی غوث علی الدین صاحب کے ساتھیوں میں سے ایک
 ہیں، یہ بات انہوں نے دوران گفتگو بتائی۔ ان نون میرا دوسرا
 مجموعہ کلام زخموں کے گلاب (۱۹۷۲ء) شائع ہوا تھا۔ اُس کتاب کے
 سلسلے میں ذوالدین صاحب سے میری گفتگو رہی۔ انہوں نے کہا کہ میں آپ
 کا کلام روزنامہ سیاست میں پڑھتا رہتا ہوں۔ اس پہلی ملاقات کے
 بعد کچھ دنوں تک میرا سلام علیک کا تبادلہ ہوتا رہا۔ پھر کچھ تعلق
 خاطر بڑھا۔ وہ میرے عزیزِ قائمہ تشریف لایا کرتے تھے کچھ علمی و ادبی
 باتیں ہوتیں کراچی میں مقیم حیدر آباد کے نامور ادیب استاد خواجہ حمید الدین
 شاہد کا تذکرہ کرتے ان کے خطوط کے حوالے سے گفتگو رہتی اور ان کی
 شہرِ اداوت شائع ہونے والے ادبی رسالہ لب رس کا ذکر کرتے۔ زخموں
 کے گلاب کے بعد میری جتنی کتابیں شائع ہوئیں ان کا بھی خدمت میں روانہ
 کر دیا ہوا۔ نور الدین خاں صاحب کی بھی تمام کتابیں سیاسی ہو جو دین۔ نواب
 نور الدین خان کو علم و ادب سے گہرا لگاؤ ہے۔ ایک محقق کی حیثیت سے
 شہر کے ادبی حلقوں میں شہرت رکھتے ہیں "سیاست" اخبار میں اکثر ان کی

تحریر میں شائع ہوتی رہتی ہیں جو زیادہ تر نیم ادب اور حیدر آبادی لٹریچر پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نواب نور الدین کے پاس ان کے اسلاف کا بہت بڑا علمی سرمایہ موجود ہے۔ ویسے ان کا مطالعہ بھی قابل رشک ہے۔ نواب نور الدین خان شہر میں ہونے والے اپنی پسند کے ادبی جلسوں میں۔۔۔ سامع کی حیثیت سے شریک رہا کرتے ہیں کبھی کبھی بعض ادبی انجمنوں کے جلسوں کو مخاطب کیا کرتے ہیں۔ خوشبو کا سفر بڑے شوق سے پڑھتے ہیں ہر ایک شخص سے نہایت خلوص سے ملتے ہیں اپنے دوستوں اور جاننے والوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھ جاتے ہیں عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب نواب نور الدین خان سے مل کر ادراس کی تحریریں پڑھ کر خوش ہوتے تھے۔ نواب صاحب بھی سیاست تشریف لانے اور اگر میں آفس میں موجود رہتا تو مجھ سے ضرور مل لیا کرتے۔ ویسے بھی وہ بہت کم آتے ہیں کوئی محفل یا تحریر اشاعت کے لئے دینا ہوتا تو آتے ہیں یا سیاست کے زیراہتمام منعقدہ کسی تقریب میں شرکت کرتے ہیں۔ شہر کے بعض شاعروں ادیبوں سے ان کے اچھے مراسم ہیں لیکن مراسم میں قابل کے ہی قابل ہیں ملاقات ٹوہمت سے لوگوں سے ہوتی ہے لیکن اپنے مخصوص اجلاس ہی میں وہ کھلتے ہیں۔ خواجہ حمید الدین گلاب سے ان کا خط و کتابت کا سلسلہ برسوں جاری رہا۔ ایک دوسرے کی صلاحیتوں کے معترف ہیں علمی و ادبی معاملات میں نواب صاحب کی تحریریں احوالوں کے منہ پر کام لیا کرتی ہیں۔ نور الدین خان صاحب سے اگرچہ کہ میری ملاقات بہت کم ہوتی ہے لیکن

محسوس ہوتا ہے کہ ہم اکثر ملنے رہتے ہیں مجھے نواب صاحب کا مسکراتے ہوئے
 سجدہ کی سے گفتگو کرنا بہت اچھا لگتا ہے اُن کی خوش بھائی اور خوش مذاج
 کا میں محظرف ہوں۔ ادبی محفلوں میں قدیم حیدرآباد کے مخصوص لباس شہزادانی
 میں لباس رہتے ہیں۔ نواب صاحب اپنی گھر بلو مسرور فیات سے بے نیاز
 ہیں صلح اولاد لے انہیں نہایت آرام سے رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ نواب
 صاحب ذہنی سکون اور دلجمعی کے ساتھ اپنا علمی و ادبی کام کر رہے ہیں شہر
 کے بعض عتق نقاش طور پڑا کر ڈاؤڈ اشرف جیسے اہل قلم سے ان کے خاص
 مراسم ہیں۔ نواب نور الدین جیسے باصلاحیت اچھے انسانوں کی ہمارے
 شہر میں کمی نہیں ہے لیکن ایسے معتبر لوگوں کا تلاش ضرور ہے ایسے لوگوں
 سے مل کر ان لوگوں کو بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جو دیانت داری، سادگی
 اور ایماندار کے ساتھ معاشرہ میں سانس لیتے ہیں۔ نواب نور الدین صاحب
 بھی ہمارے شہر کے نامور محققین میں ایسا نمایاں مقام رکھتے ہیں جن کے علمی و
 ادبی خدمات کا اعتراف فراخ دل کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

مستود متین

(اُردو فیسٹول کے مرکز نگاہ منجمد بھٹو ریادوں کے امین، بہترین دوست)

میرے پہلے محوِ کلام گل تازہ میں میری غزل کا ایک شعر ہے
اگر یادیں بھی ہم سے چھین لو گے یہ ہماری زندگی میں کیا رہے گا
ایک شعر یہ بھی ہے۔

دیارِ دل میں آپ آئیں نہ آئیں : حیرانِ آرزو جلتا رہے گا
بچہ جنتوں کا قافلہ چلتا رہے گا "وَعِزْرُهُ وَغَيْرُهُ -
میرے بعض ایسے بھی دوست ہیں جو میری زندگی کے خوشگوار دنوں
کا حاصل ہیں۔ اُن کی دوستی ایک خاص ماحول میں ایک خاص تعلق خاطر
کے پس منظر میں پروان چڑھتی رہی۔ ۱۹۵۹/۶۰ کے بین کلیان کی اُردو
نیشنل نے تو میری زندگی کا رخ ہی بدل دیا۔ کئی ایسے دوست اُس
بٹول کی یادگار ہیں جنہیں میں کبھی نہیں جھٹا سکتا اور جو زندگی کی آخری
سانسوں تک رگِ جاں کی طرز پر میرے ساتھ رہیں گے ایک ایک پل

کے گذرتے رہنے سے عمر کا ایک ایک پل ڈھلتے ہوئے سورج کی طرح
گھٹسا چلا جاتا ہے لیکن یادیں زندگی کی ایک انمول سوغات ہیں
لا قیمت، جذبات محبت کا اثاثہ بھی ہوتی ہیں۔ اردو فیڈل سے میری
ادبی زندگی میں بھی ایک نیا موڑ آیا۔ یہ وہی زمانہ ہے جب میں محفل شعر
کے کالم کی وساطت سے سیاست اخبار سے وابستہ ہو گیا تھا۔ اور نیشنل
اردو کانٹن کی طالب علمی اور اُس دور کی شعری و ادبی سرگرمیوں کی گہما گہمی،
نئے نئے دوستوں سے ملاقاتیں، ملنے اور کچھڑنے کی وارداتیں اور نہ جانے کس
کس طرح کے حادثات سے سابقہ پڑا اور پہنچنے پونچنے کی طرح سب کچھ
گزر رہا تھا۔ اُس دور کے کچھ لوگ آج بھی گرم گرم خون رواں کی
طرح دل کی دھڑکنوں کا ایک اہم حصہ بنے ہوئے ہیں۔ کیسے کیسے لوگ
تھے کیسے کیسے دوست تھے۔ کچھ لوگ نہ جانے کہاں کہاں تھیں۔
اُس دور کے کچھ لوگوں سے ملاقات ہو بھی جاتی ہے اور کچھ لوگوں سے
نہیں بھی۔ زندگی کی دھوپ چھاؤں کے منظر کا ایک ایک لمحہ میری
سانسوں کی ڈور سے بندھا ہوا ہے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ترک وطن
کر چکے ہیں اور ہزاروں میل دور ایک نئی دنیا میں بس گئے ہیں۔ ایسے
لوگ زیادہ یاد آتے ہیں جو ہزاروں میل دور کہیں بھی دلی کے قریب
ہیں اور خن کی یادیں نشتر کی طرح پیوستہ لگا جاتی ہیں۔
مسعود میتھ، ہاشم حسن سعید کی طرح میری زندگی کے یادگار لمحوں کے سلسلے
کے ایک بہترین دوست ہیں۔ اُس زمانے میں مسعود میتھ مردانہ حسن کا

ایک شاہکار تھے۔ نہایت جاڈ نظر شخصیت تھے۔ اُن کا پُرکشش اپنی طرف متوجہ کرنے والا چہرہ سب سے الگ تھا نہ جانے اُن کی آنکھوں کی موہنی نے کتنوں کو مسحور کیا ہوگا۔ اُس دور کی دو شخصیتیں اس قدر پُرکشش تھیں کہ ہر شخص اُن سے دوستی کرنا چاہتا تھا۔ ایک تو مسعود میتن تھے دوسرے ڈاکٹر صادق نقوی جو نظام کلج کے ایک ذہین طالب علم اور کلج کے نرجان "طلوع" کے مدیر تھے۔ یاشم حسن سعید کی مقبولیت بھی کچھ کم نہیں تھی پامسٹ کی حیثیت سے انہوں نے کئی ہتھیالوں کی تقدیر جگادی۔ چاندنی سونے کی رنگت والی ہتھیالیں کسی دست سوال کی طرح ہاشم کے سامنے پھیلی ہوئی رہتی تھیں۔ ہم برس سے زائد عرصہ ہو گیا ہے لیکن اس دور کی بعض یادیں آج بھی گلستانِ آرزو میں گل تازہ کی طرح نہک رہی ہیں۔ گل تازہ کی خوشبو میری ہانٹوں میں کچھ اُس طرح بسی ہوئی ہے کہ کبھی کبھی میری زندگی پیراہن گل کی طرح ٹپکنے لگتی ہے۔ اُردو فیٹول نے نہ جانے کتنے طلباء و طالبات کو نزدیک سے نزدیک اور دور سے دور کر دیا ہوگا۔ اُس گلستانِ اُردو فیٹول میں کئی رنگ کے پھول تھے لیکن ہر پھول بنی القزادیت کے ساتھ اپنے وجود کا احاس دلاتا رہا۔ مسعود میتن فیٹول کے میر کاروان تھے۔ میر مجلس تھے، سربراہ سلطنتِ عشق تھے۔ مرکزِ حسنِ بٹال اور محورِ عشقِ طرحداراں تھے۔ صدر نشین اُردو فیٹول تھے دوسرے زیادہ متحرک اور رواں دواں

تھے۔ نہ تو میں زندگی بھر مسعود متین کو قبول کر سکتا ہوں نہ اس
دور کے بعض خاص دوستوں کو خاص طور پر ہاشم حسن سہید اور دیگر
وغیرہ کو۔ میں ان دنوں اور نیٹیل اردو کالج میں بی اے کا
طالعہ پڑھ رہا ہوں اور ادب کا صدر نشین بھی تھا۔ اس وقت میں
کلیاتی اردو فیڈرل کے صدر و معتمد کے انتخاب کا مسئلہ درپیش تھا
ایک شام اردو فیڈرل کے صدرانی عہدہ کے امیدوار کی حیثیت سے
مسعود متین اور ہونے والے جنرل سکریٹری الطاف حسین بیگ کالج
آئے۔ مجھ سے خواہش کی کہ میں ان دونوں کے انتخاب کے لئے نہ
صرف خود ووٹ دوں بلکہ دیگر کالجس کے صدور و معتمدین کو بھی
آمادہ کروں۔ میں نے ان دونوں کو اپنے تعاون کا بھرپور یقین دلایا۔
الیکشن میں یہ دونوں منتخب ہوئے۔ پھر کیا تھا آؤں کالج جامعہ عثمانیہ
میں ایک جشن کا منظر تھا اس الیکشن میں وہیمینس کالج (کلیہ انارٹس)
کی بعض طالبات نے بھی بہت سائقہ دیا تھا۔ پروفیسر عبدالقادر سرداری
صدر شعبہ اردو فیڈرل کے مشیر اعلیٰ تھے سارے پیرہ گرام بالراست ان
کی نگرانی و سرپرستی میں طے پاتے تھے۔ اس زمانے میں پروفیسر محمد
عبدالقادر آؤں کالج کے پرنسپل تھے جن کا تعاون بھی اردو فیڈرل کو
حاصل تھا اکثر حفیظ قیصل مایہ کے امور کے انچارج تھے عثمانیہ یونیورسٹی
اور ملحقہ کالجس کے شعبہ اردو کے تمام صدور و معتمدین کے وقتاً فوقتاً
اجلاس ہوتے تھے تیاری کمیٹیاں سرگرم عمل ہو گئیں۔ ہر شعبہ کی ذیلی

کھینچیاں بنائی گئیں۔ سہ روزہ فیٹول کا آخری دن کل ہند مشاعرہ کا تھا۔
 حسن اتفاق سے میں بلا مقابلہ مشاعرہ کا کنوینر منتخب کیا گیا۔ کنوینرس گے
 انتخاب کا اجلاس پیر و فیروزہ عبدالقادر سروری کے دولت خانہ و افح حمایت
 نگر پر ہوا تھا۔ جہاں فیٹول کا آفس تھا فیٹول کی سہ روزہ تقاریب
 اہم بیوٹی تھیں پہلے دن شام تمیشیل (ڈرامہ) دوسرے دن شب نغمہ
 اور تیسرے دن کل ہند مشاعرہ۔ ڈاکٹر حمید شطاری شام تمیشیل کے مشیر
 تھے۔ پیر و فیروزہ معنی شب نغمہ کے اور منظور احمد منظور مشاعرہ کے۔
 ان دنوں پیر و فیروزہ معنی تبسم اور منظور احمد اردو کانج کے طلباء کو بھی پڑھاتے تھے
 اردو فیٹول کی تمام تقاریب نظام کانج گراؤنڈ پر ہوتی تھیں۔ اس
 اردو فیٹول کا افتتاح بی گویاں ریڈیو کمری وزیر فیہانس نے کیا تھا۔ کل ہند
 مشاعرہ میں فراق گورکھپوری، ساحر لدھیانوی، جاں نثار اختر، اختر
 الہیاج اور دیگر شاعروں نے شرکت کی تھی۔ میں ان دنوں شہر کے تمام
 کالجس کے مشاعروں میں شریک رہتا تھا۔ ہر کالج میں معیاری
 مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ شہر کے نامور شعراء کے علاوہ مختلف کالجس
 کے طلباء بھی اپنا کلام سناتے تھے۔ بعض کالجس کے طلباء مشاعروں کے
 جلسے میں مجھ سے تعاون حاصل کیا کرتے تھے۔ مسعود متین نے دوران فیٹول
 سے کئی تعاون کیا۔ مشاعرہ کے جلسے میں کبھی راجت جہیں کی مجھے آواز کا
 ساتھ مشاعرہ کے اہتمام و انتظام کا موقع دیا اور دو فیٹول کے زمانے
 ڈاکٹر مصطفیٰ کمال سے میری پہلی ملاقات ہوئی۔ وہ نیزہ سائینس کالج

نادائیں گودہ میں پڑھنے تھے۔ مشاعرہ کی صدارت شاید مدد علی صاحب نے
 کی تھی۔ مسعود مین کو شعر و ادب سے بے حد لگاؤ ہے لیکن انہوں نے کبھی
 بھی ان دونوں شعبوں میں عملاً حصہ نہیں لیا۔ انتظامی امور میں
 ماہر تھے اور ڈسبٹول کی تمام سرگرمیوں سے نہایت مددگی کے ساتھ
 عہدہ بڑا کر بیٹھے۔ ہر قسم کی ہنگامہ آرائیوں پر قابو پانے کی قدرت رکھتے
 تھے۔ اچھے بیٹے طلباء کو مطمئن کر دیتا اور سمجھے ہوئے طلباء کو ایسے بہتر
 خلوں سے متاثر کرنا روز کا مسئلہ تھا۔ بہت کچھ منافع اور غیر متوقع
 دشواریوں کے باوجود مسعود مین صبر آزما امتحان سے مسکراتے ہوئے
 گزرتے رہے۔ مسعود مین نے ہر مرحلہ پر جرات، حوصلہ و محنت سے
 کام لیا۔ طلباء و طالبات کی دوستیوں میں کبھی حائل نہیں ہوئے۔ فہیڈل کے
 دوران خاص طور پر طلباء و طالبات کی آپسی رشتہ نشیں کاری کی پی دوشیاں
 مسائل پر کرتی رہیں لیکن مسعود مین نے کسی بھی ناخوشگوار واقعات
 کی صورت نگری کا موقع نہیں دیا۔ اسی فہیڈل کے دوران کئی راستانوں
 نے جنم لیا اور کئی داستانوں کے گمزاروں نے ہمدردی کی پادشاہی
 کی۔ اُس دور کے کچھ طلباء و طالبات کو میں بہت قریب سے جانتا ہوں جنہوں
 نے وہیں سے اپنی نئی زندگی کے سفر کا آغاز کیا۔ فہیڈل کے وسیلے سے ہی ان
 کی آرزوؤں اور امتگوں کی دنیا سوز گئی۔ اُس دور کے اہم کردار آج ماری دنیا
 میں پیسے ہوتے ہیں۔ ۴۰ برس انوکھا کہ زندگی میں بہت مہینے ہیں۔
 ۴۰ برس کی یادیں زندگی کی بہت بڑا سرمایہ ہوتی ہیں۔ ان میں اگرچہ کچھ لوگ

آج باقی نہیں ہیں لیکن ان کی یادوں کے چراغ آج بھی روشن ہیں۔ اور جو
 باقی ہیں وہ اپنی یادوں کو اپنے جسم و جاں کا ایک ناقابلِ فراموش حصہ
 بنائے بیٹے اپنے سینے سے لگا لے پھر رہے ہیں۔ ان ۲۴ برسوں میں
 بعض اچھے اچھے دوست جو اس دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں ان میں سے
 ایک دوست آرڈو فیسٹول کے بے مثال جرنل سکویئر الیاف حسین
 بھی ہیں۔ ان کے والد محمد حسین صاحب برگ آرمیوس کے بہت بڑے تاجر
 تھے الیاف حسین کی موت کا ٹھیکے اب تک بھی صدمہ ہے وہ انتہائی
 بالغ و پیار شخصیت کے مالک تھے جب کبھی سر راہ ملاقات ہوتی تو وہ اپنی
 میز پر روک کر مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ خوش گواریاں دیتے تھے
 گفتگو کرتے تھے۔ اکثر دفعہ جب میں اور ہاشم حسن سعید بعض گزشتے
 ہوئے دنوں کا جائزہ لیتے ہیں تو مسعود مینن کی شکل ایک کامیاب
 ہیرو کی طرح بردہ ذہن پر ابھر کر آ جاتی ہے۔ بڑے ہی اچھے انداز میں
 مسعود مینن کا ذکر چنار ہوتا ہے۔ میرا ایسا خیال ہے کہ آرڈو فیسٹول کے
 دور کے ساتھیوں میں مسعود مینن اور ہاشم حسن سعید آپس میں بہت
 گہرے دوست ہیں۔ دونوں کی دوستی مثالی ہے۔ ہاشم حسن سعید اس دور
 میں مجلہ عثمانیہ کے مدیر اعلیٰ تھے اور جامعہ عثمانیہ بمبئی میں پہلی بار
 مسعود مینن کو بجا کرنے کا کوشش کی۔ ہاشم حسن سعید نے اپنے
 نثرین افسانہ پر متبادل افسانہ نگاری میں حصہ لے کر پریم چند ایوارڈ
 حاصل کیا تھا۔ بیت بازی اور دیگر علمی و ادبی سرگرمیوں میں بھی مصروف

رہتے تھے۔ صدر بزمِ اردو جامعہ عثمانیہ کی حیثیت سے مسعود مبین کا وقار انداز میں
 تھا۔ کالجس کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں میں مکمل تعاون کرتے تھے۔
 بزمِ اردو جامعہ عثمانیہ کی سرگرمیوں کو بہت آگے بڑھایا تھا مسعود مبین
 ایک ذہین طالب علم اور ایک باشعور اڈمنسٹریٹر کی طرح جامعہ عثمانیہ سے ملحقہ
 تمام کالجس کے اردو باحوال کو زندہ رکھنے میں دلچسپی لیتے تھے۔ اُس زمانے میں
 ہر کالج میں مختلف نوعیت کی ادبی سرگرمیوں جاری تھیں۔ جیسے بیت بازی
 تحریری، تقریری مقابلے، مقابلہ شعر و سخن، مقابلہ افسانہ نگاری وغیرہ۔
 اُس دور میں مختلف کالجوں کے مشاعروں کے انفرادی سلسلے میں متعلقہ
 صدور و معتمدین مجھ سے تعاون حاصل کرتے تھے اُس دور کے طلباء شاعروں
 میں ڈاکٹر صادق نفوی، ڈاکٹر اشرف رفیع، سیدہ حمیدہ، طالب خوند میرا
 اور سید علی خیال نمایاں تھے۔ اکثر شعری مقابلوں میں ہمارا سامنا ہوتا تھا
 نظام کالج میں بین کلیاتی مقابلہ شعر و سخن میں، میں نے بھی حصہ لیا تھا
 اُس مقابلہ شعر و سخن میں مجھے انعام اول ملا تھا۔ شبیلہ میرے حصہ میں آئی۔
 اردو کالج کے لیے یہ پہلی شبیلہ تھی جو سجاد میموریل شبیلہ کے نام سے موسوم
 تھی۔ ہاشم حسن سجد نے ایم اے کرنے کے بعد کالج آف انگوینجیس سے اپنا رشتہ
 جوڑ لیا اور پرنسپل کی حیثیت سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے
 ان دنوں وہ انڈین کونسل آف سوشل ویلفیئر ٹریننگ سنٹر کے ڈائریکٹر
 ہیں۔ مسعود مبین نے سرکاری ملازم کی حیثیت سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا ۱۹۶۷ء
 میں پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ ٹیکس آفیسر مقرر ہوئے اور ڈپٹی

کا خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کیا اور اپنی حکمت علی سے اُلجھے ہوئے
 مساعی کو سلجھایا۔ اتنے بڑے فیڈول کی کامیابی کی ذمہ داری قبول کی اور
 نہایت کامیاب صدر فیڈول ثابت ہوئے۔ اُس دور سے ہی کامیابی
 کے ساتھ میرے شعری و ادبی سفر کا آغاز ہوا۔ میں یا قاعدہ شہزی و ادبی
 محفلوں کا ایک حصہ بن گیا۔ میں آج بھی مسلسل سفر میں ہوں۔ میری
 زندگی کا سفر آج بھی خوشیو کے سفر کی طرح جاری ہے۔ ہمارے دور کا اردو
 فیڈول جس کے صدر نشین مسعود دین تھے اردو کا واحد انسائبر ایشن تھا مگر جس
 کی نظیر ہا موشمانیہ کا شعبہ اردو آج تک نہیں پیش کر سکا۔ اس طرح اردو
 فیڈول کی رعنائیاں ہمارے دور تک رہیں اور ہمارے ساتھ ختم ہو گئیں
 فیڈول کے حوالے سے جب میں اپنے ماضی کے اوراق الٹا ہوں تو اکثر
 صفحات پر مسعود دین بھی نظر آتے ہیں ہاشم حسن سعید کی طرح اور کچھ
 مانوس و نامانوس چہرے بھی نظر آتے ہیں دوستوں اور محسنوں کی طرح
 سچ ہی تو کہا کسی نے کہ یادیں زندگی کا عظیم سرمایہ ہوتی ہیں
 اور میں پوری دیانت داری اور ایمانداری کے ساتھ یادوں کے اس
 عظیم سرمایہ کی دل و جان سے حفاظت کر رہا ہوں۔

پروفیسر قادری سلیم

قابل مقرر روشنی دماغ خاتون، لائق ماہر تعلیم

پروردگار عالم ہر انسان کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق اپنی نعمتوں اور اپنے رحم و کرم کی فضیلتوں سے سمجھ اس طرح نوازتا ہے کہ وہ اپنی قابلیت سے جس شعبہ حیات سے بھی وہ تعلق کیوں نہ رکھتا ہو استفادہ کرتے ہوئے کچھ اس انداز سے اپنی سرگرمیوں کا اظہار کرتا ہے کہ معاشرہ میں رنگ و نور کی بارش ہونے لگتی ہے۔ وہ لوگ واقعتاً مہذب معاشرہ کے لئے اہم ہوتے ہیں جو اپنے فکر و خیال کی روشنی سے معاشرہ کے تمام گوشوں کو منور کرتے رہتے ہیں۔ صلاحیتوں کا اظہار ہر انسان کے عمل سے ہوتا ہے ظاہری صلاحیتیں اپنا رنگ ضرور دکھاتی ہیں لیکن نامعلوم صلاحیتیں زیادہ عرصہ تک منہمک رہیں غیر مری صلاحیتوں کا استعمال بھی ایک باخبر دانشور و صاحب کمال شخصیت کا مرہون منت رہتا ہے۔ آٹھ دن کچھ ایسے لوگ بھی مرکز نظر رہتے ہیں جو اپنے

وجود کا احساس دلانے کے لیے بے چین نظر آتے ہیں۔ پھر بھی ایک بات تو واضح ہے کہ اگر وہ سائل ہر بان پر ہیں تو ایک باشعور و باجبر انسان سو سائٹی کی نظروں میں ہمیشہ نمایاں رہتا ہے۔ جو شخص اپنی بہترین صلاحیتوں کے باوجود بھی کسٹری سے کام لیتے ہوئے اپنی چار دیواری کا حصہ بن رہا ہے وہ نہ صرف خود اندھروں کے حوالے ہو جاتا ہے بلکہ وہ اپنے وجود کے ساتھ بھی کھلی نا انصافی کرتا ہے۔ بہترین صلاحیتوں کو رو بہ عمل لانے سے سارے ماحول میں خوشیوں کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ایک ہر تہایت ہی خوشگوار شکل میں زندگی اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔

اس نمبر پر پس منظر کے زیرِ بحث مٹیاں پیر و فیروز قادری بیگم جی شخصیت بھی اپنے حیرانغ علم و آگاہی کے دل و دماغ کو روشن کرتی رہتی ہے۔ پیر و فیروز قادری بیگم دخترِ جامعہ عثمانیہ ہیں۔ لپٹنے تعلیمی سفر کے دوران اپنی عمدہ صلاحیتوں کی وجہ سے تعلیمی میدان میں امتیازی مقام کی حامل رہی۔ اپنی تعلیمی و علمی سفر کے دوران شعبہ درس و تدریس کے مقدس پیغمبر سے وابستہ رہ کر بحیثیت پرنسپل و مینس کلج جامعہ عثمانیہ ۱۹۸۵ء میں سبکدوش ہوئیں۔ وہ ۱۹۸۲ء میں پرنسپل مقرر ہوئی جنھیں پرنسپل صاحبہ جامعہ عثمانیہ میں سینٹ کی رکن بھی رہیں۔ اپنی بہترین انتظامی صلاحیتوں سے و مینس کلج کے ادراستی شائق تہذیبی اور عمری ماحول کو گنگا جمنی تہذیب کے روپ میں ڈھلنے ہوئے نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس پیر و فیروز قادری بیگم کو شعری و ادبی محفلوں کی وساطت سے

جانتا ہوں۔ میرا پہلا تعارف ممتاز شاعرہ نایاب سلطانہ کی محفلت ہوا۔ محفل خوانین کی چائیں سے آج سے ۵ سال پہلے غزلوں کی رات کی سالانہ تقریب کا اہتمام پیش نظر تھا۔ صدر محفل خوانین محترمہ عظمت عبدالقیوم کی یہ خواہش تھی کہ اس سال محفل خوانین کی سالانہ تقریب ویکس کالج کوٹھی میں منعقد کی جائے۔ اجازت کا مسئلہ درپیش تھا اس سلسلے میں نایاب سلطانہ نے مکمل تعاون کیا اور اپنی ہم جماعت و بہترین دوست پردیس قادری قادری بیگم سے اجازت حاصل کر لی۔ محفل خوانین کی وہ سالانہ تقریب اعلیٰ پایا نہ پیر منعقد ہوئی۔ پردیس قادری بیگم کو ادبی اجلاس کا صدر مقرر کیا گیا تھا۔ میں نے پہلی بار ان کی تقریر سنی بلکہ حد متاثر ہوا۔ پردیس قادری بیگم آدب کے ہر موضوع پر اظہار خیال کا ملکہ حاصل ہے۔ محفل خوانین کی اس تقریب میں انہوں نے محفل خوانین کی سرگرمیوں پر پیرائے انداز میں اظہار خیال کیا تھا۔ اس تقریب کے بعد پردیس قادری بیگم محفل خوانین سے وابستہ ہو گئیں۔ انہوں نے اکثر ادبی تقاریب کی صدارت کی۔ صلاح کی حیثیت سے بھی محفل خوانین کے ادبی جلسوں میں شریک رہا کرتی ہیں۔ پردیس قادری بیگم کالج اور خوانین کی محفلوں میں اپنی تقریر کا جادو جگاتی رہیں۔ جب وہ کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی کے سالانہ جلسوں میں اپنے خطاب سے نوازے لگیں تو شہر کی بعض ادبی انجمنوں کو یہ احساس ہوا کہ ایک قابل ترین قانون کار ادبی تحفوں میں اضافہ ہونے والا ہے تو میں نے اپنے ناشر محمد علی جامہ

پہنانے کے لیے پرو فیئر قادری بیگم کو اپنے سے ذیہاد ادبی اہلیوں
 میں مدعو کرنا شروع کیا۔ چنانچہ پرو فیئر صاحبہ نے ادارہ میرا کی ریسیٹ لوگ
 کے بیشتر ادبی جلسوں میں شرکت کی ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ پرو فیئر قادری
 بیگم اعلیٰ درجہ کی مقرر ہیں۔ بہترین اذیب بھی ہیں۔ ان کے کچھ مضامین خوش
 کام سفر میں شائع ہو چکے ہیں۔ علم و ادب سے ان کی گہری دلچسپی کو
 تقویت پہونچانے میں ان کے گھر کا علمی و ادبی ماحول معاون رہا۔ مذہب
 گھر لانے کے بہترین ماحول نے انہیں شائستگی کا پیکر بنادیا۔ شہر کی
 برگزیدہ خواتین میں اعلیٰ قدر و منزلت باعلا حیثیت خاتون دانشور کی حیثیت
 سے شہرت رکھتی ہیں۔ علمی، تعلیمی، ادبی و تہذیبی امور موضوع پر کھل کر
 علما نے انداز میں مخاطب کرتی ہیں۔ ان کا لب و لہجہ پیر اثر کیفیات کی ممکن
 تر جانی گرتا ہے اپنے مشاہدات اور تجربات کو کبھی مقرر کی حیثیت سے
 تو کبھی اذیب کی حیثیت سے منظرِ عام پر لاتی ہیں۔ پرو فیئر قادری بیگم
 سہما بیت پرو وقار لائق و فائق خاتون ہیں۔ ان کا کردار لب و لہجہ سامعین
 کو متوجہ کرنے میں کلیدی رول ادا کرتی ہے۔ جلسوں میں ہمیشہ وقت کی
 پابندی کرتی ہیں۔ با اصول زندگی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ وعدہ کی پابند رہتی
 ہیں اور چاہتی ہیں کہ سوسائٹی کا ہر فرد وعدہ کا پابند رہے اور خدا کی
 عطا کردہ صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کرے۔ پرو فیئر قادری بیگم
 مجلس خاتون ہیں جب وہ کسی موضوع پر لب کشائی کرتی ہیں تو محسوس
 ہوتا ہے کہ وہ ایک بہت ہی موٹی زندگی ہیں۔ کبھی ہی جلی جاتی ہیں تاہن تشنگی

ہر مغربی سے انصاف نہ کریں۔ اس سلسلہ تقریر جاری رکھتی ہیں۔ قادری بیگم
 صاحبہ کو دینی علوم و فنون سے بھی گہری دلچسپی ہے چنانچہ وہ مذہبی
 اور دینی محفلوں میں بھی اپنی ہنرمندی کے جوہر دکھاتی ہیں۔ اپنے
 معلومات آفریں خیالات سے سامعین کو پوری طرح مطمئن کر دیتی ہیں
 صدر کل ہند اردو تعلیمی کمیٹی جناب جلیل یا شاہہ نقیسی کشی کے ہر سالانہ جلسے
 میں قادری بیگم کی خدمات کے ذریعہ بھرپور تعاون حاصل کرنے ہیں تعلیمی کمیٹی
 کے سالانہ جلسوں میں شجرہ خوانین کی درجی انجارج و سربراہ رہتی ہیں
 انہوں نے اپنی نگرانی و سرپرستی میں کل ہند تعلیمی کمیٹی کے سالانہ جلسوں
 میں کئی کامیاب محفلوں کا اہتمام کیا۔ وہ ہمیشہ کالج کی پرنسپل کی حیثیت
 سے ان کا انتظام یہ مثالی رہا ہے ان کی زندگی میں باقاعدگی اور ڈسپلن
 کا بڑا دخل ہے۔ انتہائی بااخلاق، مہذب عاتق ہیں جسے ہی محفل
 میں داخل ہوتی ہیں اگر جدار آواز میں اسلام علیکم کہتی ہیں نصاری
 محفل متنو حیر ہو جاتی ہے اور عزت و احترام کے ساتھ انہیں مخصوص
 نشست تک لے جایا جاتا ہے۔ پروفیسر حبیب ضیاء کی طرح پروفیسر
 قادری بیگم بھی خاص طور پر ادارہ مہار شہر میرے لوگ کے ادبی جلسوں
 کے لیے ناگزیر ہو گئی ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ حاضرین محفل پروفیسر
 قادری بیگم کی دل و جان سے قدر کرتے ہیں ان کا احترام سونے میں
 ہیں اور ان کے خطاب کو پوری توجہ سے سماعت کرتے ہیں پروفیسر قادری
 بیگم جس محفل میں بھی رونق افروز ہوتی ہیں اس محفل میں ایک خوشگوار

لہر دہڑجاتی ہے یہ بات درست ہے کہ ہر معاشرہ میں کچھ ہی مشہور
 شخصیتیں ہوتی ہیں جنہیں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ جن کی
 مشنویت کا اچھا اثر معاشرہ کے مختلف گوشوں پر پڑتا ہے۔ ادبی
 حلقوں میں ان کی پذیرائی کے لیے منظر کا بے محفل چشم بہرا رہتے ہیں۔
 علمی و ادبی حلقوں میں بھی ان کا چراغ روشن رہتا ہے پروفیسر قادری
 بیگم نہایت ملنسار، خوش اخلاق، معتد و پیر و خاتون ہیں جبکہ آباد
 کو ہمیشہ اس بات کا فخر رہے گا کہ ہر دور میں صاحب کمال مرآت
 دانشوروں کے ساتھ ساتھ قابل خاتون دانشوروں کی قدر افزائی
 بھی ہوتی رہی ہے پروفیسر قادری بیگم اپنی لیاقت، ذاتی صلاحیتوں
 اور خدا کی ہر برائیوں سے علمی و ادبی معاشرہ میں نمایاں حیثیت کی
 حامل ہیں۔ ہم جان دول سے اس معتد دانشور خاتون کی قدر کرتے
 ہیں اور ہمیشہ ان کے معلومات آفریں خطاب کے منتظر رہتے ہیں
 ہم دعا گو ہیں کہ خدا پروفیسر قادری بیگم کی عمر دراز کرے تاکہ ہم ان
 کے علم کی روشنی سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے رہیں۔

پروفیسر حبیب ضیاء

دیدہ پُر نعم و لب خنداں کی ادیبہ زرفشان محترمہ خاتون

ممتاز طنز و مزاح نگار، نامور صاحب طرز ادیبہ، جدید آباد قمر خندہ بنیاد
کی وضع دار، باوقار و پُر اثر شخصیت پروفیسر حبیب ضیاء کا میں شاکر و
بابا ہوں۔ پروفیسر صاحبہ اور نیشنل اردو کانج میں ایم۔ او۔ ال (جو ایم)
اردو کے محافل ہے) کے طلباء و طالبات کو تنقیدی و تفصیلی ادب پڑھانی
تھیں۔ کانج کے پرنسپل ڈاکٹر حبیبی شاہد کی ہدایت تھی کہ طلباء پرانے کے ساتھ اپنی
جامعات میں حاضر رہیں۔ اُس زمانہ میں اردو کانج کا تعلیمی معیار بہت بلند
تھا۔ کانج کو قابل اساتذہ کی خدمات حاصل تھیں۔

میں پروفیسر حبیب ضیاء کو آج بھی نہایت احترام کے ساتھ ان کے
پُر سے وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے مخاطب کرتا ہوں۔

پروفیسر صاحبہ ۱۹۶۲ء میں جامعہ عثمانیہ سے "ہمارا جہ سرکشن پرشاد حیات اور کارنامے"
کے زیر عنوان ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۷ء میں ان کا یہ حیثیت

پچھر اردو کالج میں تقرر ہوا۔ حبیب ضیاء نے ایک قابل مثالی استاد کی طرح نہ صرف اردو کالج میں ہی اپنا نام کمایا تھا بلکہ ویمینس کالج (جامعہ عثمانیہ) کی استاد کی حیثیت سے بھی نہایت ہی عمدگی اور ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہوئیں۔ ملک کی مختلف یونیورسٹیوں میں وہ انگریزی اور اکیسپرٹ کی حیثیت سے مامور رہی ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اردو کے بورڈ آف اسٹڈیز کی بھی چیر پرسن رہی ہیں۔ حیدرآباد میں یقیناً بہت سے قابل ترین خاتون اساتذہ رہی ہیں اب بھی ہیں۔ لیکن ہر دور میں کچھ ایسے اساتذہ اور استانیات بھی رہی ہیں جو اپنی قابلیت و صلاحیت کی وجہ غیر معمولی شہرت رکھتی ہیں۔ اور بنیٹس اردو کالج کے طلباء و طالبات کی طرح ویمینس کالج کی بیشتر طالبات بھی ایسی رہی ہیں جو پروفیسر صاحبہ کے طریقہ درس و تدریس سے بے حد متاثر تھیں۔ اور ایسے طلباء و طالبات بھی جو پروفیسر صاحبہ کے شاگرد خاص ہونے کا اعزاز حاصل کرنا چاہتے تھے۔ پروفیسر حبیب ضیاء طنز و مزاح کی صف بول کی ادیبہ ہیں ان کی شگفتہ و شستہ مزاحیہ تحریریں اور ان کا طنز آمیز لب و لہجہ قاری و سامع کو یکساں طور پر متاثر کرتا ہے ان کی زبان، ان کا انداز بیان اور ان کا اسلوب مستند و نامور طنز و مزاح نگاروں کی یاد دلاتا ہے۔ طنز و مزاح کی اعلیٰ نحویریں، پروفیسر صاحبہ کے قلم کی سحر کاری کا ایک اہم کرشمہ ہیں۔ پروفیسر صاحبہ ایک مشہور ادیبہ کی حیثیت سے اردو دنیا میں پورے اعتماد کے ساتھ اپنے ہونے کا احساس

دلانی رہتی ہیں۔ پروفیسر صاحبہ کی تاحال چھ کتابیں دکنی زبان کی قواعد، جہاز، سکرشن پیرشاد شاد، شاد و نہار، گویم مشکل نہ گویم مشکل، انیس بیس اور جو مٹر گاں اٹھائے شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی تقریباً تمام کتابوں پر انعامات مل چکے ہیں۔ پروفیسر صاحبہ لطافت و نفاست، شرافت و نجابت، صداقت و مروت اور حسن نظر اور فکر و خیال کا سرچشمہ ہیں وہ ایک ایسی پُر وقار شخصیت کی حامل ہیں کہ جن کی تحریروں میں شعلہ و شبنم کا امتزاج ہے پروفیسر صاحبہ حیدرآباد کے ادبی حلقوں میں اپنی شائستگی، بردباری، میانہ روی، صاف گوئی، نرم گفتاری اور سنجیدہ طبیعت جیسی نمایاں خصوصیات کی حامل ہیں۔ پروفیسر صاحبہ کا تعلق حیدرآباد کے ممتاز علمی و ادبی گھرانے سے ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت مشرقی ماحول میں ہوئی، گھر کا سارا ماحول خالص شرقی ہے۔ پروفیسر صاحبہ حیدرآباد کی تعلیم یافتہ خواتین کی ادبی انجمن محفل خواتین کی نائب صدر ہیں جبکہ ممتاز شاعرہ، عربیہ، اردو، سبھا، معتمدہ عمومی اور نامور شاعرہ مظفر النساء ناز شریک معتمد ہیں۔ شہر کی بعض ادبی انجمنوں، ترقی پسند معنفین، زندہ دلان، حیدرآباد وغیرہ سے بھی پروفیسر صاحبہ وابستہ ہیں۔ نہایت سادہ مزاج، پُر وقار اور محتاط رویوں کو اپنانے والی ادیبہ ہیں۔ پروفیسر حبیب فیض، قصع، بنادٹ اور ظاہری محمود و نمائش سے دور بیت ہی دُور رہتی ہیں۔ نہایت سادہ لباس میں ملبوس رہتی ہیں سادگی نے پروفیسر صاحبہ کی شخصیت کو بہت زیادہ نکھار لیا ہے اور پُر وقار بنا دیا ہے ڈاکٹر صاحبہ ادبی جلسوں میں

بہ پابندی شرکت کرتی ہیں۔ کسی نے بھی کبھی بھی انہیں بناؤ سنگھار کے
 ساتھ شوخ لباس میں نہیں دیکھا ہوگا۔ ان کا انداز گفتگو، طرزِ تکلم
 مخاطب کو اس لئے بھی متاثر کرتا ہے کہ ان کا لب و لہجہ صاف سخرا،
 پرکشش اور پیراثریوتا ہے۔ سلجھا ہوا طرزِ مخاطب ان کا وہ پتھر ہے
 ادبی حلقوں میں اپنی شرافت، خاندانی و جامت اور اپنی اعلیٰ صفات کی
 وجہ سے مقبول ہیں۔ ایک شاگرد کی حیثیت سے میں ہی نہیں سہی پروفیسر
 صاحبہ کے قدر داں ہیں۔ میں بطورِ خاص ان کا احترام کرتا ہوں۔ میری
 یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ ادبی حلقوں میں زیادہ سے زیادہ اپنے افکار
 عالیہ سے تشنگانِ علم و ہنر، دانشورانِ فکر و خیال اور زبان و ادب کے
 شیدائیوں کو فائدہ پہونچاتی رہیں۔ جو کچھ پروفیسر صاحبہ سے بے انتہا
 عقیدت ہے اس لئے میری یہ دلی خواہش رہتی ہے کہ وہ شعر و ادب
 کی دنیا میں بلند ترین مقام حاصل کریں۔ حیدرآباد کا تعلیم یافتہ طبقہ ان کے
 فن اور شخصیت کا معترف ہے پروفیسر صاحبہ کے مزاجیہ مضامین ہلکے
 پھلکے مگر طنز کے آمیزہ دار ہوتے ہیں ان کے طنز کی دھار بہت تیز ہوتی
 ہے۔ خالص ادبی مزاج کی حامل اہل تحریروں میں شگفتہ و تروتازہ
 چھوٹوں کی سبب خوشبو شامل رہتی ہے ڈاکٹر صاحبہ کو الفاظ کے
 استعمال کا بہت اچھا سلیقہ حاصل ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کے مضامین پڑھنے
 کا انداز بھی سامع کو متاثر کرتا ہے۔ کیا ہی ہنسنے ہناتے والا جملہ کیوں
 نہ ہو وہ پڑھتے ہوئے ہناتو دُور کی بات زیر لب مُکراتی بھی نہیں۔

پروفیسر صاحبہ ایک کامیاب طنز و مزاح نگار ہیں ان کے طنز و مزاح کے مضامین ادبی رسائل کی زینت بن گئے ہیں روزنامہ سیاست میں بھی ان کی طنزیہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ طنز و ظرافت کا سیاری رسالہ زندہ دالان حیدر آباد کاتر حجام شگوفہ میں بھی ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں جس کے باصلاحیت مدیر ڈاکٹر مصطفیٰ اکمال ہیں۔ ڈاکٹر حبیب حیات کے شوہر محترم رحیم الدین توفیق بھی طنز و مزاح میں مضامین لکھتے ہیں۔ شگوفہ میں ان کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ سال گذشتہ اردو اکیڈمی کی جزوی اعانت سے ان کی کتاب "میں دکھاہے" شائع ہو کر ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل کر چکی ہے ڈاکٹر حبیب حیات طنزیہ و مزاحیہ مضامین کے علاوہ سنجیدہ ادبی و تحقیقی و تنقیدی مضامین بھی لکھتی ہیں۔ ادب کے مختلف موضوعات پر ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ شاعروں اور ادیبوں کی کتابوں کے لئے دیباچے بھی لکھتی ہیں۔ پروفیسر صاحبہ حیدر آباد کے تقریباً تمام اہم ادبی جلسوں میں شرکت کرتی ہیں محفل خوانین 'زندہ دالان حیدر آباد اور ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے جلسوں میں نہایت پابندی سے شرکت کرتی ہیں میرا شہر میرے لوگ کے کئی ادبی جلسوں کو مخاطب کر چکی ہیں ڈاکٹر صاحبہ کو ادارہ میرا شہر میرے لوگ سے دلی وابستگی ہے ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی شاید ہی کوئی ادبی تقریب ہوگی جس میں ڈاکٹر صاحبہ نے شرکت نہ کی ہو۔ ان جس قدر ڈاکٹر صاحبہ کا احترام کرتا ہوں وہ بھی اپنے شاگرد کا

اتنالی کا ظر رکھتی ہیں۔ محفل خوانین اور شاداں کلج کی بانی محترمہ عظمت
عبد القیوم کی یاد میں سالانہ مستحق کی جلسے والی تقریریں تمام تقاریب
میں میری درخواست پر مضمون پیش کیے ہیں۔ پروفیسر صاحبہ کے اعتراف
خدمات کے سلسلے میں ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے آجائوں کے
مسافر کے زیر عنوان اعلیٰ ایڈیٹر نے پیرا دینی تقریب مستحق کی گئی تھی پروفیسر
صاحبہ محفل خوانین سے وابستہ خاتون ادیبوں اور شاعرات کے علاوہ
شہر کے دوسرے اہل فہم خوانین اور اپنے ساتھی اساتذہ ہیں کافی مقبول
ہیں طالبات بھی ان کی فیکر کشش شخصیت سے بے حد متاثر تھیں
اور ان کے پیروی کا بے حدی سے انتظار کرتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحبہ خاموشی
کے ساتھ لیپنے علمی و ادبی کاموں میں مصروف رہا کرتی ہیں ڈاکٹر صاحبہ
کا ادبی سفر جاری ہے میری خواہش ہے ڈاکٹر صاحبہ نے کئی شاعروں ،
ادیبوں کے فن اور شخصیت پر مضامین لکھے ہیں۔ پڑھیں۔ پروفیسر صاحبہ
میری مشہور ہوں بہن صالحہ الطاف مدیر خاتون دکن کی بہت اچھی دوست
رہی ہیں ڈاکٹر صاحبہ نے صالحہ الطاف صاحبہ کے ساتھ ارتحال پر نہایت
پُر اثر مضمون لکھا ہے جو میری مرتب کردہ کتاب ”صالحہ الطاف فن اور
شخصیت“ میں شامل ہے جس کے معاونین ڈاکٹر اختر سلطانہ اور ڈاکٹر طاہر
سجید ہیں۔ اسی طرح عظمت عبد القیوم فن اور شخصیت میں شامل ان کا
مضمون قابل مطالعہ ہے۔ پروفیسر صاحبہ کا گھریلو ماحول خالص ادبی ہے
ان کے مشہور محترم رحیم الدین توفیق صاحب کی رفاقت ان کے لئے بہت پُر

سرمایہ دہی توفیق صاحب ان کے علمی و ادبی کاموں میں ہمیشہ معاون رہا کرتے تھے پروفیسر صاحبہ کی ازدواجی زندگی نہایت کامیاب رہی نہ ہی تو ڈاکٹر صاحبہ کا ادبی کام بغیر کسی الجھن کے جاری رہا۔ ان کا زور قلم مسلمان رعنائیاں بکھیر رہا ہے۔ ان کی تحریریں ادب کے سرمایے میں اضافہ ثابت ہو رہی ہیں ڈاکٹر صاحبہ ادبی جلسوں میں وقت پر شرکت کرتی ہیں کسی بھی جلسے میں درمیان سے جاتے ہوئے کسی نے بھی انہیں نہیں دیکھا ہوگا ادارۂ ادبیات اردو کے ادبی جلسوں میں بھی ڈاکٹر صاحبہ مضامین سناتی ہیں ان کے مضامین بہت مختصر مگر پیرائے شیریں ہوتے ہیں۔ سننے پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ نے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے ڈاکٹر صاحبہ مذہبی جلسوں کو بھی مخاطب کرتی ہیں ملک کی کئی یونیورسٹیوں کے سمینار میں شرکت کر چکی ہیں۔ پوری توجہ کے ساتھ ڈاکٹر صاحبہ کی تقریروں اور تحریروں کی پذیرائی ہوتی ہے۔ شہر کے صفِ اول کے قلم کاروں میں ان کا شمار ہوتا ہے شہر میں اسے دن بہت سی ادبی تقاریب ہوتی ہیں لیکن ڈاکٹر صاحبہ اپنے معیار کو متاثر ہونے نہیں دیتیں۔ شہر کے تمام صاحبانِ فکر و فن سے واقف ہیں ڈاکٹر صاحبہ کا اندازِ مخاطب پیرائے شیریں ہوتا ہے اپنے مخصوص لہجے میں گفتگو کرتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ کے سنجیدہ و ادبی مضامین کالب و لہجہ بھی متاثر کن ہوتا ہے۔ ایک اچھے استاد کی طرح ان کا یہ وتیرہ ہے کہ اپنے اساتذہ کے احترام میں بھی کوئی کسر باقی نہیں رکھتیں اس طرح سینئر قلم کاروں کی عزت کرنا بھی اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتی ہیں

اُردو کے فروغ کے لئے کام کرنے والوں کی قدر کرتی ہیں چاہے وہ کسی بھی
 محکمہ خیال سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں۔ انھیں اس سے مطلب نہیں
 رہتا کہ کونسی ادبی انجمن کس ادبی مسلک کی ترجمان ہے وہ صرف یہ دیکھتی
 ہیں کہ اُردو زبان و ادب کو تہذیب کے تحفظ و بقا کے لئے کون کونسی انجمنیں
 اور کون کونسی شخصیات سرگرم عمل ہیں وہ ان کے ساتھ ہمیشہ تعاون
 کرتی ہیں ان کی ہم زبان بھی ہوتی ہیں اور ان کے ہم قلم بھی رہتی ہیں۔
 علمی و ادبی مباحثہ میں بھی حصہ لیتی ہیں۔ ان کی گفتگو دلائل کی آئینہ دار
 ہوتی ہے۔ علمی و ادبی معاملات میں نہایت ذمہ داری سے اپنا کام انجام
 دیتی ہیں کسی بھی موضوع پر کیوں نہ ہو جب قلم اٹھاتی ہیں تو قلم کار
 سے بھی انصاف کرتی ہیں اور اُس کی تخلیق سے بھی۔ ان کا لب و لہجہ
 اثباتی پہلوؤں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ان کا ناقدانہ انداز کھانا ہوتا ہے
 چار حمانہ نہیں۔ صرف اشاروں کنایوں میں اپنی بات کہہ جاتی ہیں
 یہ ایک ایسا وصف ہے جو ڈاکٹر صاحبہ کا علمی بصیرت کا غماز ہے
 میں بھی چاہوں گا کہ میری استاد کی شہرت باہر عروج تک پہنچے۔

عزیز النساء صبا

دکن کی کئی ہندو شہر یافتہ شاعرہ شائستہ خاتون

اردو شعر و ادب کا تہذیبی ماحول اُن باشعور قلم کاروں کی
ہمیشہ حوصلہ افزائی کرتا رہا ہے جو اردو زبان اور اردو تہذیب کی
دل و جان سے لگا کر رہتے ہیں اور جو اپنے فکر و خیال کے نگہے ستھرے
اور شائستہ رویہ سے معاشرہ کے غلو خال میں کچھ اس طرح رنگ بھرتے
ہیں کہ ان کا رنگ و روپ فنروں تر ہو نا چلا جاتا ہے۔

کوئی بھی فن کیوں نہ ہو وہ چاہتا ہے کہ اس کی خون جگر سے
آبیاری کی جائے اور اس کو اس انداز سے برتنا جائے کہ اس کے چہرہ
کی رنگت میں کبھی نہ آنے پائے۔ فن چاہتا ہے کہ اس کا حسن و جمال
کھڑکھڑایا جاتا ہے جن فنکاروں کے خیالات میں جولانی ہوتی ہے
جذبات میں پاکیزگی، مشاہدات میں سچائی اور محسوسات میں شدت
ہو تو اسے ایسے فن کار بھی کاغذ و قلم کا آبرو کو متاثر ہونے نہیں دیتے
بلکہ برعکس جن فنکاروں کے قلموں میں قلم تھما دیا

ہے ان سے کبھی ایسا لفظ جہنم نہ لے جو اپنی مائیت کھو بیٹھے۔ زندگی کے مختلف رنگوں میں ایک ایسا رنگ بھی ہوتا ہے جو ہر موسم میں ٹکھڑا چلا جاتا ہے۔ ہر اچھے شاعر کی ہر چھٹی تخلیق پھولوں کے گلے کی طرح اپنے ماحول کو مہکاتی رہتی ہے۔

غزل کی شاعری ہر مہذب شاعر کا خیر مقدم کرتی رہے گی۔ جو تخلیق کار دیانت داری کے ساتھ اپنے شاعرانہ منصب کا جائزہ لیتا ہے وہ اپنے تجربات و مشاہدات اور دلی کیفیات کو پُر اثر انداز میں پیش کرتا رہتا ہے اس کا فن اور اس کی شخصیت دامن شعر و ادب کو ہمیشہ مہکاتی رہتی ہے۔ ایسی ہی شائستہ و شگفتہ خصوصیات کی حامل شاعرہ عزیز النساء صاحبہ بھی ہیں۔

شہرِ حیات حیدر آباد کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں ہر دور میں عدا جہانِ فکر و نظر کا بول بالا رہا ہے ہر شعبہ حیات میں اپنی صلاحیتوں کا احساس دلانے والے ہنرمندوں نے سرزمینِ گوہر شناس کو سرچشمہ حیات اور اس کو اپنے وجود کا ایک حرمہ بنایا ہے۔ اس سرزمینِ مروت نواز کو بے شمار باکمال لوگوں نے اپنے ذہن و فکر کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ حیدر آباد کا دامن ہمیشہ علوم و فنون کی دولت کا نرونج و اشاعت اور اس کی برتری کے لئے کٹاواں رہا ہے۔ ماں کے دامن کی طرح۔

آج بھی اس شہرِ دنوازیں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔

عزیز النساء ہمارے شہر کی ایک معتبر، باوقار اور قابل احترام شاعرہ کی حیثیت سے جانی پہچانی جاتی ہیں جن کی شاعری دل و دماغ کو ہمکاتی رہتی ہے۔ میں عزیز النساء صبا سے اور ان کی شاعرانہ صلاحیتوں سے اس وقت سے واقف ہوں جب وہ پوری توانائیوں کے ساتھ محفل شعر و ادب کا ایک حصہ بنیں۔ حیدرآباد کی شعری محفلوں نے عزیز النساء صبا کا پرتیاک غیر مقدم کیا۔ رفتہ رفتہ ان کی شاعرانہ شہرت سارے ملک میں پھیل گئی۔ صبا صرف حیدرآباد کے مشاعرے ہی نہیں پڑھتیں بلکہ ملک بھر کے مشاعروں میں ان کے کلام کی دل کھول کر پذیرائی کی گئی۔ مجھے صبا کے ساتھ کئی کل ہند مشاعرے پڑھنے کا موقع ملا ہے۔

میں نے دیکھا کہ انہیں ہر مشاعرہ میں بھرپور داد و تحسین سے نواز جاتا رہا۔ رباعیت نے صبا کو ظاہری و باطنی حسن و جمال سے نہایت فراخ دلی کے ساتھ نوازا ہے ان کی شخصیت کا سارا اثر ان کی شاعری میں ملتا ہے۔ جو فنکار جس قدر شائستہ و برگزیدہ ہوتا ہے اس کی تخلیقات اتنی پُر اثر اور پُر کشش ہوتی ہیں۔ صبا خوش نصیب ہیں کہ انہیں شاعرہ کی حیثیت سے اچھی خاصی شہرت ملی۔ صبا جس محفل میں بھی جاتی ہیں وہاں ان کی شاعرانہ عظمت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ صبا کا اندازِ گفتگو مقابل کو متاثر کرتا ہے ان کی شرم گفتاری ان کا اپنا وصف ہے ذاتی شرافت اور طبیعت کی

لفافہ سنتے انہیں اور بھی مغیر بنا دیا ہے ان کا مقصد طرزِ تکلم لطیف
 ان کے سامنے نہ تھا نہ جہان رہا کرتا ہے سیکھی ہوئی شاعرہ کہونے کی وجہ
 سے وہ شاعری کل مسک پہ عمل پیرا ہیں۔

صبا زائد از ۲۵ برس سے شعر کہہ رہی ہیں۔ زیادہ تر غزلیں ہی ہوتی
 ہیں بہت کم شعرا ایسے ہوتے ہیں جن کی شاعرانہ محفلات کا اعتراف ان کی
 ابتدائی شاعری کے زمانے ہی سے ہوتا ہے اور آخری دم تک نواز سے
 جاتے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ صبانے مختلف اصنافِ سخن میں شعر
 کہے ہیں لیکن صنفِ غزل سے انہیں گہری وابستگی ہے۔ ان کے کلام میں
 کلاسیکیت کے تمام اقدار کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے سلگتے ہوئے موضوعات
 کی بھی بھرپور عکاسی مل جاتی ہے ان کا سحر انگیز نظم ان کے شاعرانہ انداز
 کا غماز ہوتا ہے شعر سناتی ہیں تو ساری محفل کو مسحور کر دیتی ہیں ان کے
 نکھرے سفرے لب پہ لہجے سے ایک خوشگوار کیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔
 صبا حیدر آباد کی ایک بہت ہی اعلیٰ درجہ کی ادبی انجمن
 محفلِ خواتین کی بانیوں میں سے ایک ہیں محفلِ خواتین کی سرگرمیوں کو
 بامِ شہر و ز پر پہونچانے میں ان کی سعی و دلیلی کو فراموش نہیں کیا جائیگا
 ان دنوں وہ محفلِ خواتین کی جزل سکریٹری کی حیثیت سے نمایاں خدمات
 انجام دے رہی ہیں۔ انہیں خاص طور پر محفلِ خواتین کی ناسورِ شاعرہ
 مظفر انسا ناز کا محفل تعاون حاصل ہے۔

ادبی رسائل میں بھی ان کی تخلیقی سوانحات کی پذیرائی ہوتی

ہے۔ گذشتہ کئی برسوں سے آئی انڈیا ریڈیو اور دور درشن کے ذریعہ
 بھی ہم ان کے کلام سے محفوظ و مستفیض ہو رہے ہیں۔ وہ نہایت
 خوش اخلاق، ملنسار، رسم و راہ کو سلیقے سے برتنے والی شگفتہ
 مزاج، شائستہ و تہذیب شاعرہ ہیں۔ ان سے جو کوئی بھی ملتا ہے وہ
 ان کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ صبا اپنے ساتھی
 شعرات میں مقبول ترین شاعرہ سمجھی جاتی ہیں۔ ہم حیدر آبادیوں
 کو یہ فخر حاصل ہے کہ صبا ہمارے شہر کی ایک ایسی شاعرہ ہیں جن
 کے فکر و فن کے نذرانے ہمیشہ چمکتے رہیں گے اور جن کی شاعری و
 شخصیت کی خوشبو پھر موسم میں اپنا بھرپور احساس دلانی رہے گی۔

ڈاکٹر اختر سلطانہ

شائستہ گھرانے کی نیک، خانوں، صاحب طرز ادیبہ

ڈاکٹر اختر سلطانہ میری مدد بولی بہن ہیں۔ صالحہ الطاف سے رشتہ کے
سے نے کی ایک روشن علامت۔ صالحہ آپ کے گھرانے کے تمام لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ
ہیں۔ صالحہ آپا بھامو عثمانیہ کی گرامر جوئیٹ تھیں۔ ایک ادبی رسالہ خانوں دکن کی مدیر
تھیں بہت سے علمی، ادبی، تعلیمی و تہذیبی موضوعات پر مضامین لکھ چکی ہیں ایک
کتاب ”آؤ قبال سے ملیں“ شائع کیں۔ ڈاکٹر اختر سلطانہ، صالحہ الطاف کی
چھوٹی بہن ہیں۔ دوسری بہنیں شہینہ سعید (مرحوم) ڈاکٹر صابرہ سعید اور
عذرا سعید ہیں۔

میں جب رسالہ خانوں دکن سے وابستہ ہو گیا تو ڈاکٹر اختر سلطانہ کے
صرف نام سے واقف تھا ان سے نہ تو ملاقات ہوئی تھی اور نہ ہی انہیں میں
نے کہیں دیکھا تھا۔ ڈاکٹر اختر سلطانہ اپنے سسرال میں رہتی تھیں۔ صالحہ
انطاف صاحبہ کے گھر پر خانوں دکن کا آفس تھا صالحہ انطاف اپنے والدین

اور بجائی بیہوش کے ساتھ ان کے گھر واقع محلہ مگر کی باؤلی میں رہتی تھیں۔
 سوا سے ساختر سلطان کے تمام افراد خاندان سے میری ملاقاتیں ہوتی رہتی
 تھیں۔ ڈاکٹر اختر سلطان کو اردو ادبیات سے کافی لگاؤ تھا ان کے مشہور
 جناب محبوب علی سنگ سیلو کے مشہور تاجر ہیں۔ سکریٹریٹ کے
 قریب علی گڑھ کلب سے متصل ان کا مکان تھا وہاں مجھے ۳، ۴ دفعہ
 جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ عذرا سعید ان کی چھوٹی بہن میں جو ایک بہت
 ہی عمدہ آرٹسٹ ہیں ان کی پینٹنگ کے سلسلے میں اخبار سیاست کے
 لئے معمول اٹھاتا تھا عذرا سے ملنے کے لئے جاتا تھا جب ڈاکٹر صاحبہ سعید نے
 جامع عثمانیہ سے اردو میں افسانہ نگاری کے زیر عنوان پی ایچ ڈی کی ڈگری لی
 تو اس سلسلے میں ایک نہایت تقرب ڈاکٹر اختر سلطان کے گھر پر منعقد ہوئی
 تھی۔ جہاں بہت فیسر سنی تبسم، پروفیسر گیان چند جین، ڈاکٹر غلام عمر خان
 اور دیگر اصناف — — — بھی مدعو تھے۔ ایک اور تقریب میں
 بھی مدعو تھا اس تقریب میں مشہور کرکٹر جناب غلام احمد صاحب بھی
 مدعو تھے ڈاکٹر اختر سلطان ان دنوں ادبی محفلوں میں شاید ہی شرکت
 کرتی تھیں۔ انہیں ایک ادیب کی حیثیت سے شعروادب کی دنیا سے
 واسطہ رکھنے کا شاید کبھی خیال بھی نہ آیا ہو۔ ویسے ان کے مطالعہ میں
 شعروادب سے متعلق مختلف مکاتیب خیال کے دانشوروں کی کتابیں
 رہتی ہوں گی اردو کے علاوہ انگریزی ادبیات کا بھی ان کا گہرا
 مطالعہ۔ پھر شیو کا سفر میں مسافین کے لئے اختر سلطان سے فون پر گفتگو ہوتی

رہی۔ جب ان کے مضامین مجھ کو ملتے تو انھیں پڑھ کر مجھے حیرت ہوتی کہ ایک ایسی
 خاتون جو کسی شعری و ادبی محفل میں دکھائی نہیں دیتی۔ سینا ریا سمیعوزیم
 میں حصہ نہیں لیتی وہ کس طرح اتنی عمدہ تقریروں کی خالق ہیں۔ اختر سلطانہ
 کے مضامین نہ صرف ادب کے موضوع پر ہی ہوتے ہیں بلکہ تہذیبی اور
 اصلاحی موضوعات پر بھی ملتے رہے۔ انہوں نے دوسری زبانوں کے
 قلم کاروں کی اکثر تخلیقات کا ترجمہ کیا ہے کچھ ترجمہ شدہ کہانیاں
 ”خوشبو کا سفر“ میں چھپ چکی ہیں۔ ماہنامہ ”سب رس“ میں بھی اختر سلطانہ
 کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اختر سلطانہ سے میری پہلی
 شخصی ملاقات صالحہ الطاف کے تقریبی جلسہ میں ہوئی تھی جو ادارہ میرا شہر
 میرے لوگ کی جانب سے مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ میں منعقد
 ہوا تھا۔ دوسری ملاقات صالحہ الطاف کی زیر اہت کتاب ”صالحہ الطاف
 فن اور شخصیت“ کے سلسلے میں الطاف بھائی (الطاف حسین) کی رہائش گاہ
 پر ہوئی تھی ڈاکٹر صابرہ سعید بھی اُس وقت موجود تھیں۔ کتاب کی
 اشاعت کے سلسلے میں ہم تینوں کو آپس میں مشورہ کرنا تھا۔ ویسے خوشبو
 کا سفر کے سلسلے میں فون پر گفتگو ہوا کرتی ہے۔ ڈاکٹر اختر سلطانہ
 کالبود لہجہ انتہائی شائستہ، متوازن، پُر اثر و باوقار رہتا ہے۔
 اندازِ گفتگو سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ مہذب معاشرہ کی پُر وقار شائستہ و
 با سلیقہ خاتون ہیں۔ ڈاکٹر اختر سلطانہ نے ہی مجھے صالحہ الطاف کے انتقال
 کی خبر دی تھی۔ صالحہ الطاف کی کتاب کی اشاعت کا جب میں نے مصمم ارادہ

کر لیا تو سب سے پہلے میں نے الطاف بھائی (سید الطاف حسین) سے ذکر کیا
 انہوں نے کہا کہ بہت ہی اچھا خیال ہے۔ کتاب شائع کیجئے۔ میں نے کہا
 تھا کہ صالحہ آپا کی خدمت میں میرا یہ نذرانہ عقیدت ہو گا۔ کتاب کی صورت
 گری کا آغاز ہوا۔ کتاب میں اُن کے مضامین، سفر نامے، افسانے، خطوط
 اور دیگر نثریہ نثریہ کے علاوہ ان سے متعلق شاعروں، ادیبوں اور اُن کے افراد
 خاندان کے مضامین شامل کیے گئے۔ اگرچہ میں اس کتاب کا مرتب ہوں
 لیکن میں نے ڈاکٹر اختر سلطانیہ اور ڈاکٹر صابرہ سعید کے نام معاون مرتب
 کی حیثیت سے شامل کیے ہیں۔ چونکہ میں نے کتاب کی ترتیب کے دوران
 دونوں ہندسے تعاون حاصل کیا تھا اس کتاب سے ان دونوں بہنوں
 کا جذباتی تعلق برقرار ہے۔ ڈاکٹر اختر سلطانیہ نے صالحہ الطاف کے نثری
 جلسہ میں بہت ہی پُر اثر مضمون پڑھا تھا جو قرائع عقیدت کے سلسلے
 کی ایک پُر اثر نثریہ تھی۔ ڈاکٹر اختر سلطانیہ نے "قرۃ العین حیدرہ جیات
 اور کارنامے" کے زیر عنوان سنٹرل یونیورسٹی حیدرآباد سے ڈاکٹریٹ کی
 ڈگری حاصل کی ہے وہ ایک گھریلو خاتون ہیں اپنی ذمہ داریوں کو پوری
 طرح نبھاتی ہیں پھر زبان و ادب کی طرف متوجہ ہوتی ہیں ڈاکٹر اختر سلطانیہ
 صاحبان فکر و فن کے حلقوں میں توفیق کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں صرف
 خواتین کی ادبی محفلوں میں شرکت کرتی ہیں محفل خواتین سے ان کی
 وابستگی ہے انہوں نے محفل خواتین کے جلسوں میں صدارت بھی کی اور مضامین
 بھی پڑھے۔ ادارہ ادبیات اردو (شعبہ خواتین) کے زیر اہتمام ہونے

وہی مغللوں میں بھی شرکت کرتی ہیں اور اپنی عمدہ مخمریوں سے اپنی صلاحیتوں کا احساس دلاتی ہیں عام تقاریب میں شرکت کرنا انہیں پسند نہیں ہے ان کا زیادہ ترفعت اپنے گھر ہی میں اچھی اچھی کتابوں کے مطالعہ میں گزرتا رہتا ہے یا پھر شوہر اور بچوں کی خدمت میں لگی رہتی ہیں اختر سلطانہ کا گھر بھی صالحہ الطاف کے گھر کی طرح پُر سکون ہے گھر کے تمام افراد شائستگی اور اعلیٰ اقدار کے حامل ہیں۔ ذاتی شرافت، طبیعت کی پاکیزگی، پاک و صاف ذہن اور شفاف آئینہ کی طرح ان کا دل ایسی باتوں کو کبھی قبول نہیں کرتا جو معاشرہ کے لئے سوالیہ نشان بنا رہا ہے۔

ڈاکٹر اختر سلطانہ کے بارے میں ان کی قابلیت اور ان کی ادبی صلاحیتوں اور تحقیقات کے بارے میں صالحہ الطاف اور ڈاکٹر صاحبہ سعید سے اکثر فون پیر بات ہو کر کرتی تھی۔ اختر سلطانہ، صالحہ الطاف کا بے حد احترام کرتی تھیں صالحہ الطاف ان کی بڑی بہن تھیں ان کے مرتبہ کا ہمیشہ خیال رکھتی تھیں یہ جو بھائیوں پر بے حد مخلص و پیار ہے صالحہ الطاف کے انتقال کا اختر سلطانہ کو بھی بے حد صدمہ ہے وہ اپنی ایک شفیق بہن، اچھی دوست سے محروم ہوئی ہیں۔ صالحہ الطاف، اختر سلطانہ، صاحبہ سعید جیسے شائستہ گھرانے شہر میں بہت کم رہ گئے ہیں جہاں خیر و برکت کی بارش ہوتی رہتی ہے یہ گھرانے ان کے اپنے بزرگوں کی روایات کے امین ہیں یہ لوگ اپنے والدین اور اسلاف کی دعاؤں کے زیر سایہ خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔ خدا ان گھرانوں کو ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھے۔

منظف النساء تاز

حیدر آباد کی پُر وقار خاتون سلیج ہوئی شاعرہ

احاطہ سکریٹریٹ میں محکمہ قانون سے وابستہ ایک برقع پوش لڑکی
پر جب پہلی دفعہ میری نظر پڑی تو میں ایک لمحہ کے لیے رک گیا۔ اس کے علاوہ
محکمہ تعلیمات سے وابستہ ایک لڑکی شمشیر بھی تھی۔ یہ دونوں جی۔ اے۔
ڈی اور محکمہ تعلیمات کے موٹر پر محو گفتگو تھیں۔

اُن دنوں سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی سرگرمیاں شروع
پر تھیں۔ آل انڈیا ریڈیو اور دیگر ادبی و شعری پروگرامس کے سلسلے
میں مجھے سکریٹریٹ میں کام کرنے والے باصلاحیت فنکاروں کی تلاش
اور ادیبوں کی تلاش تھی۔ سکریٹریٹ میں بہت سی ادب دوست
لڑکیاں کام کرتی تھیں۔ یاد نہیں کہ محکمہ النساء تاز سے میرا تعارف کہا
اور کس جگہ ہوا اتفاقاً البتہ اتنا یاد ہے کہ محکمہ قانون سے وابستہ ایک
اکدھرائی ڈرامہ آرٹسٹ عبد الغفور نے تعارف کرایا تھا اور مظفر النساء تاز

سے تعارف کے بعد میں نے اُن سے سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی سرگرمیوں میں شامل ہونے کی خواہش کی۔ مظفر انسا ناز سکریٹریٹ کی دیگر لڑکیوں کے ساتھ شریکِ ایجن ہو گئیں۔ میں نے مظفر انسا ناز کو شوہرِ خوانین کا انچارج بنایا۔ سکریٹریٹ کی جن لڑکیوں نے اُردو اسوسی ایشن سے وابستگی اختیار کی اور پیروگرامس میں حصہ لینا شروع کیا، اُن میں۔ مظفر کے علاوہ شمسہ شیریں قابل ذکر ہیں۔

مظفر انسا ناز کو شاعری کا بے حد شوق ہے وہ اُن دنوں افسانے بھی لکھ کر تھیں مظفر انسا ناز بیک وقت میری شاگرد بن گئی اور بہن بھی۔ میں نے سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کے مشاعروں کے علاوہ شہر کے بعض اچھے اور ثقہ قسم کے مشاعروں میں کلام سننے کی ترغیب دی۔ جب محفلِ خوانین کا قیام عمل میں آیا تو وہ محفلِ خوانین سے وابستہ ہو گئیں۔ مظفر انسا ناز کے شوہر محضر الدین نیاز بھی شعر کہتے ہیں لیکن وہ مشاعروں میں کلام نہیں سنانے۔ مظفر کے ادبی ذوق کی ترغیب میں نیاز صاحب کا بھرپور تعاون شامل ہے شعرِ ادب کی وساطت سے ہمارے روابط بڑھنے لگے۔ مظفر بلا تکلف میرے گھر آیا کرتی۔ میرے اہلِ خاندان، مظفر کی قرینہ دلی کے ساتھ پذیرائی کیا کرتے۔ جب تک مظفر انسا ناز سکریٹریٹ میں رہی، اسوسی ایشن کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہی۔ جب ان کا نغز الکڑ سٹی بورڈ دیدت سودھا میں ہوا تو انہوں نے وہاں کی بزم

اُردو کی سرگرمیوں میں دھیمی لہنی شروع کی۔ مظفر انساں ناز کے شعری ذوق کو محسوس کرتے ہوئے میں نے صدرِ محفلِ خواتینِ عظمتِ عبدالقیوم سے خواہش کی تھی کہ مظفر انساں ناز کو محفلِ خواتین کا رکن بنائیں۔ محترمہ عظمتِ عبدالقیوم نے نہ صرف رکن ہی بنایا بلکہ شریکِ محترمہ و خازن کی ذمہ داری بھی سونپ دی۔ مظفر ایک اچھی شاعرہ ہی نہیں ایک اچھی آرگنائزر بھی ہیں۔ محفلِ خواتین کے لئے مظفر کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ مظفر انساں ناز حیدرآباد کی شاعرات میں اپنے مزاج کی شائستگی، طبیعت کی پاکیزگی، سلیقہ شکاری اور وضع داری کی وجہ سے اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہیں۔ مظفر نے شہر کے مشاعروں کے علاوہ اضلاع کے بعض خاص خاص مشاعرے بھی پڑھے ہیں۔ محفلِ خواتین کی سرگرمیوں کے سلسلے میں ہم عظمتِ عبدالقیوم کی رہائش گاہ خیابان، امیر سیٹ میں اکثر ملا کرتے تھے۔ عظمتِ عبدالقیوم مظفر کو بہت چاہتی تھیں۔ محفلِ خواتین کی سرگرمیوں میں ان پر بھروسہ کرتی تھیں۔ عظمتِ عبدالقیوم کے نفویض کردہ ہر کام سلیقہ سے انجام دیا کرتی تھیں۔ وہ آج بھی محفلِ خواتین کی شریکِ محترمہ اور خازن ہیں اور پُر اعتماد فضاء میں کام کر رہی ہیں۔ مظفر انساں ناز مشرقی ماحول کی ایک — ہندو خاتون ہیں۔ خاموشی، کم سخن، پُر دباری اور بزرگوں کا احترام ان کی طبیعت کا خاصہ ہے

بانیانِ محفلِ خواتین میں ایک اہم نام مظفر انساں ناز کا بھی ہے

جو قیام محفل خوانین (۶۱۹۷۲) یعنی ۳۳ برسوں سے محفل خوانین کی شریک
معتد رکھان کی ذمہ داریوں کو بہانیت خوش اسلوبی، دیانت داری
اور فرض شناسی کے ساتھ نبھا رہی ہیں۔ شعری ادب سے مظفر انارناز
کی والہانہ دلچسپی اس بات کا ثبوت پیش کرتی ہے کہ وہ اردو ادب اور
اردو تہذیب کی پیروندہ ہیں۔

مظفر انارناز کی خواہش تہذیب بران کے شعری ذوق کو ملحوظ رکھتے
ہوئے میں نے مشورہ سخن کے لئے سرپرستی قبول کی۔ مظفر انارناز ایک
باصلاحیت، شرف نازہ دل و دماغ کی حامل شاعرہ و ادیبہ ہیں۔ انہیں
اردو شاعری سے والہانہ وابستگی ہے ان کا شعری سفر جاری ہے خوشبو
کے سفر کی طرح۔ مظفر انارناز کا کلام روزنامہ سیاست کے علاوہ خوشبو کا
سفر میں بھی شائع ہوتا رہتا ہے۔ سیدھے سادے پیرائے خیالات سے
مزین ان کی شاعری دلچسپی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ مظفر انارناز کے قاتل
تین شعری مجموعے بات پھونوں کی (۶۱۹۸۶) روشنی (۱۹۹۸) اور کتنا روشن میرا
گھر ہے (۲۰۰۲) میری زیر نگین شائع ہو چکے ہیں۔ مظفر انارناز ان دنوں
مینو ای۔ سیواسنہ (مہدی پٹنم) حکومت آندھرا پردیش کی حیثیت سے کام
کر رہی ہیں۔ اگر انسانی رشتوں کو بنیاد پر لے لوٹ خلوص، پاکیزہ جذبات اور
شرافت نفس کی آئینہ دار ہونو ایسے رشتے کبھی نہیں ٹوٹتے بلکہ جیسے جیسے
دن گزرتے جاتے ہیں۔ ان رشتوں کی تازگی اور شگفتگی میں اضافہ
تو جاتا رہے۔

یوسف بکیتا

(شعری محفلوں کی برگزیدہ شخصیت - معتبر شاعر)

بعض لوگوں کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ شاعر رست و نثر
 لوگوں کی کمی ہوتی جا رہی ہے۔ یہ بات غلط بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ
 ڈاکھیا نام ہے کہ کچھ شریف لوگ ابھی باقی ہیں۔ ویسے بھی اچھے لوگ
 تم ہی ملتے ہیں۔ جب کبھی کچھ مخلص اور شائستہ اور باکردار لوگوں
 سے ملاقات ہوتی ہے تو کچھ دیر کے لیے ہی اس پاس کا ماحول نکل
 افشاں رہتا ہے۔ محبت و شرافت، نفاست اور مردت کی
 روشنی زندگی کے غم و غمناں میں اس انداز سے رنگ بھرتی ہے کہ اس
 کا وقار بڑھنے لگتا ہے۔ شریف لوگوں کی صحبت کا ایک ایک لمحہ
 نیمہ جادو اس بن جاتا ہے۔ اس طرح کے لوگوں سے ملاقات کرتے
 ہوئے ان سے گفتگو کرتے ہوئے ایک خوشگوار مسرت سرس

ہوتی ہے۔ اگر ہر سوسائٹی میں نفوٹ سے بھی شریف لوگ مل جائیں تو
تو وہ نجات کی ساری لغنائیاں موسم بہاراں کی پہلی سیلابی طرح
خوشی و مسرت کا پیغام لے آتی ہیں۔ اگرچہ سے کوئی کہے کہ میں اپنے
دوستوں میں شامل کچھ منتخب لوگوں کی فہرست بنا دوں تو اس میں
یوسف یکتا صاحب کا نام بھی ملے گا۔ میرے دوستوں کی فہرست میں
کچھ ایسے شریف لوگ بھی شامل ہیں کہ جن کو ایک دوسرے پر فوجیت دینے
کے لیے کئی بار سوچنا پڑتا ہے۔ یوسف یکتا صاحب میرے دیرینہ
شاعر دوست ہیں۔ ان سے میرے شاعرانہ دوستانہ مراسم زائد از
۳۵ برس سے ہیں لیکن ۱۸۵۰ء برس سے میرے بہت نزدیک آگئے ہیں
جب کبھی میرا کسی شخص کی زندگی، شخصیت اور دوستی کے مختلف گوشوں
پر کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے تو تمہیدی عبارت کا آغاز اس مخصوص
شخص کی ابتدائی ملاقات سے کرتا ہوں اور میں جب کسی شخص کے بارے
میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں تو اولین ملاقاتوں سے کچھ لمحے سرگوشیاں کرتے
ہوئے میرے پاس ہی رہتے ہیں۔ یوسف یکتا صاحب سے یہ ملاقات ان کے
ابتدائی آفس محکمہ صنعت و حرفت کے ذمہ دار ہونے پر ایک مشاعرہ کے سلسلے میں
ہوئی تھی۔ ان دنوں نریبہرہ صاحب اس محکمہ کے ناظم تھے۔ اس زمانے میں
یوسف یکتا صاحب کا کلام شہر کے بعض اخبارات میں شائع ہوا کرتا تھا اس
دور کے مخصوص دہائی مشاعروں میں قدیم و جدید شعراء اپنا دارم معانے تھے
یوسف یکتا صاحب سے کاہے کاہے ملاقات ہوئی تھی۔ یوسف یکتا صاحب

ڈپٹی ڈائریکٹر کی حیثیت سے رہنمائی ہوئے۔ یقیناً وہ اپنے آفس
 کے ساتھیوں اور عہدہ داروں میں اپنی شرافت اور اپنی سرنگار سرچ
 طبیعت کی وجہ سے مقبول رہے ہوں گے۔ سکندر آباد میں ہونے والے
 مشاعروں میں بھی ان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ وہاں کی ادبی انجمنوں
 کی سرگرمیوں سے بچتا تھا۔ صاحب کا قہر ہی لگاؤ تھا۔ وہ مشاعروں کے بہترین
 انفراد اور جمعیہ احباب اختیار کرتے تھے۔ ان کے رفقاء کے ساتھ
 میں ان کے اہم خیال ممتاز شاعر شاعری ادیب ہیں۔ سندس بہادری ادبی
 انجمنوں میں ان کی وابستگی کہیں ان کے عہدہ دار کی حیثیت سے اور نہ تو
 کہیں ان کی حیثیت سے رہا کرتی تھی۔ سکندر آباد کے مشاعروں کے علاوہ شہر
 میں ان کے مشاعروں میں ہم نے ساتھ ساتھ شاعر سے پڑھے ہیں
 جب یوسف بیک صاحب ادارہ میرا شہر میرے لوگ سے وابستہ ہو گئے
 تو ان کی شاعرانہ عظمتوں کو سمجھنے کا مجھے زیادہ موقع ملا۔ ہمیں اندازہ ہونے
 لگا کہ اس حشر شکر میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو بعض اساتذہ کرام کی
 خصوصیات ہوتی ہیں۔ میں یوسف بیک صاحب کے انداز گفتگو، ان کے
 رکھ رکھاؤ اور ان کی وضع دارت سے متاثر ہو کر ان کی جانب کھینچا چلا گیا۔ اب
 تیری حالت ہے کہ ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی محفلوں میں ان کی شرکت لازمی
 ہو کر رہی ہے اس کے علاوہ سونامی، نظر، خورشید احمد جانی میو ریل اکیڈمی
 میوزم چمرا اور محبان اردو کے مشاعروں میں شریک ہو کر اپنے بہترین کلام اور
 پختہ تر نظم سے شاعرہ پس چھا جاتے ہیں۔ ان کی شاعری کی عمر آئندہ ہم سال

کہ ہے۔ ان کے دو شعری مجموعے گونگی دُعا (۱۹۹۲ء) اور عنبہ سطرینز (۲۰۰۱ء) شائع ہو چکے ہیں۔ یوسف یکتا صاحب کا کلام شہر کے اردو اخبارات "سیاست" اور "منصف" میں شائع ہونے کے علاوہ ماہنامہ خورشید کا سفر میں بھی شائع ہوتا رہا ہے۔ یوسف یکتا صاحب کو میں نے ہمیشہ متاثر کن ترغیم میں کلام سنتے دیکھا ہے جب وہ کلام سنتے ہیں تو ایک سماں بندھ جاتا ہے اور ساری محفل پر کیف و سرور کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یوسف یکتا صاحب جتنے اچھے شاعر ہیں اتنے ہی اچھے انسان بھی ہیں ان کے اندازِ خطاب سے پتہ چلتا ہے کہ محترمہ صاحبانِ قلم کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ انکساری، بڑوباری، شرافت اور اخوت ان کی شخصیت کے نمایاں پہلو ہیں۔ یہ ایسے بے خلوص انسان ہیں کہ ان سے ملنے اور گفتگو کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یکتا صاحب پرانی تہذیب کے آدمی ہیں۔ ان کی نرم گفتاری، لبک خرامی قابلِ تقلید ہے۔ اپنے دوستوں سے خوش دلی کے ساتھ محو کلام لیتے ہیں۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ہماری فضل کاہر شاعر چاہتا ہے کہ وہ ان کے قریب بیٹھا رہے۔ معاشرہ میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جانا بہت اہمیت کی بات ہے۔ یوسف یکتا ہماری محفلوں کا وقار بڑھانے والے ایک اہم شاعر ہیں۔ میں ایسے شریف لوگوں کو ہمیشہ اپنے قریب پانا ہوں۔ یوسف یکتا صاحب ایک بہترین انسان نفیس دوست اور ایک نامور شاعر کی حیثیت سے ہماری محفلوں کی پہچان بن چکے ہیں۔ میری یہ دلی خواہش ہے کہ ان کی شہیناد و شاعرانہ پہچان ہمیشہ برقرار رہے۔ یوسف یکتا صاحب کو ویلے

جس سخن سازی کا شوق نہیں ہے لیکن جب وہ کسی انجمن سے وابستہ ہو جاتے ہیں
 یا کسی انجمن کی تشکیل ضروری سمجھتے ہیں تو اس بات کے لیے کوشاں رہتے ہیں
 کہ وہ اب تک ان انجمن نہ صرف معقول لوگ ہوں بلکہ انہیں واقعتاً زبان و
 ادب سے دلچسپی ہو۔ یوسف یکتا صاحب اس وقت جن ادبی انجمنوں
 سے وابستہ ہیں ان میں تقریباً ان کے ہم خیال احباب شامل ہیں۔ یوسف
 یکتا صاحب ایرانی اقدار کی ایک باوقار شخصیت ہیں۔ تہذیبی و انسانی
 رشتوں کا دل و جان سے قدر کرتے ہیں۔ نہایت سیدھے سادے شریف
 آدمی ہیں۔ جس کسی سے بھی ملاقات کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ بھرپور
 مسرت کا اظہار کر رہے ہیں۔ یوسف یکتا صاحب بحقیق اصداغ کے مشاعر و
 میں بھی ہمارے ساتھ رہتے ہیں محفل کے آدمی ہیں تخت میں شاید ہی کبھی
 کلام سنایا ہو۔ پھر اثر ترجم سے کلام سنا کر سماں باندھ دیتے ہیں یوسف
 یکتا صاحب مختلف اصناف سخن میں شعر کہتے ہیں ان کے دونوں مجموعوں
 میں غزلوں کے علاوہ دیگر اصناف سخن میں بھی کلام ملتا ہے یوسف یکتا صاحب
 جیسے و صنیع دار لوگ شعری و ادبی محفلوں کی زینت بڑھایا کرتے ہیں شاعروں
 کے اتنے لمبے سفر کے بعد بھی ان کا قلم چل رہا ہے۔ خدا کرے ان کا قلم
 چلتا ہی رہے۔

شاغل ادیب

(رسائل کی دنیا کا شاعر۔ شریف آدمی۔ بہترین دوست)

اب تو ایسا محسوس ہورہا ہے کہ شاغل ادیب کا کھنا پٹر خاص ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا ہو گیا ہے۔ جب کبھی شاغل ادیب سے ملاقات ہوتی ہے تو ان کے ہاتھوں میں کوئی ایک ادبی رسالہ دکھائی دیتا ہے جیسے آجکل تو کبھی شاعر کبھی کتاب نما کبھی انشاء کبھی اردو دنیا کبھی انتساب کبھی شب خون تو کبھی خوشبو کا سفر۔ ملک بھر کے رسائل اس بات کے ضامن ہیں کہ اردو کے تفریبا تمام اہم ادبی رسائل میں ان کی شاعری یا ان کی تحریر موجود رہتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ شاغل ادیب کا یہ حال ان کے رہنا چھوڑنے کے بعد کا ہے بلکہ وہ جس وقت بے سرِ خدمت تھے اُس وقت بھی وہ ادبی رسائل کی سرفرازی اپنی بہترین شاعری اور عمدہ نثر نگاری کا ثبوت دیا کرتے تھے۔

شاغل ادیب ریلوے کا وائس کے صدر دفتر میں اکاؤنٹس آفیسر

کی خدمت انجام دیتے رہے۔ وہ ہیلی (کرناٹک) اور شولاپور (جہاڑ پور) میں بھی رہے۔ سکندر آباد ریلوے آفس میں وہ برسوں رہے۔ سکندر آباد کی علمی و ادبی و ثقافتی سرگرمیوں میں مصروف رہا کرتے ہیں جب تک کہ وہ سرکس میں تھے سکندر آباد کی شہری و ادبی محفلوں سے کچھ زیادہ ہی وابستہ رہے۔ سکندر آباد کی جن ادبی انجمنوں سے وابستہ رہے ان میں بزم اردو سکندر آباد، ساؤتھ سنٹرل ریلوے اردو اسوسی ایشن، کاروان ادب اور بزم عبرت قابل ذکر ہیں۔ رہتے تو ہیں مشیر آباد میں لیکن سکندر آباد میں ان کی ملازمت ہونے کی وجہ سے ان کی پہلی پہچان سکندر آباد کی ادبی محفلوں اور شاعروں سے ہی ہوئی۔ سکندر آباد میں کئی شاعر پڑھے یوسف بیکتا ان کے قریب ترین شاعر دوستوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ شاغل ادیب کی شاعری اور نثر میں تاحال آٹھ کتابیں شائع ہوئی ہیں (۱) ذکرِ اعظم (۲) دریا بہ کرم (۳) حروفِ تابندہ (۴) دیکھوں کا سمندر، سکھوں کا جزیرہ (۵) فیضِ بشارت (۶) ادبی مضامین کا مجموعہ (۷) شاعری حصہ میں آئی ہے (۸) بچپن کے گیت۔ لکھنے پڑھنے کی شریفانہ مصروفیات نے ان کو اپنے دامن سے باندھ رکھا ہے۔ انتہائی خوشگوار اور علمی مصروفیات میں اپنے شب و روز گزار رہے ہیں۔ شاغل ادیب نہ صرف ایک عہدہ شاعر کی حیثیت ہی سے اردو دنیا میں شہرت رکھتے ہیں بلکہ بہترین نثر نگار کی حیثیت سے بھی انہوں نے اپنی پہچان بنالی ہے۔ ادبی مسائل میں کلام کے ساتھ ساتھ ان کے ادبی مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں

اکثر شاعر ایسے بھی ہیں جو نثری ادب سے کم دلچسپی لیتے ہیں۔ لیکن مثلاً
 ادیب نثر و نظم دونوں سے انصاف کرے یہ ہیں جاسوسی و غنائیہ سے بڑا ہے
 اور شیوا جی بونیرسی کو لکھا پور سے امتیازی حیثیت سے ایم۔ نے اردو کا
 کیا۔ شاغل ادیب غزلیں بھی کہتے ہیں اور نظمیں بھی مذہبی شاعری
 میں بھی پوری عقیدت و احترام کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرتے
 ہیں۔ شاغل ادیب کلاسیکی انداز کے شاعر ہیں۔ کلاسیکی شاعری کو
 بنیاد بنا کر عصر حاضر کے تقاضوں پر مشتمل خیالات کو بھی شاعری کا
 لباس پہنا رہے ہیں۔ ان کی بعض کتابوں پر اردو اکیڈمی آئندہ پربش
 اور انٹرنیشنل اردو اکیڈمی نے انعامات سے نوازا ہے۔ کیسا ہی شاعر کیوں
 نہ ہو وہ عصری آگے سے بنے خبر نہیں رہ سکتا۔ اگر کوئی شاعر یہ کہتا
 ہے کہ وہ جدید شاعر ہے تو اسے دعویٰ کرنے کا حق پہنچتا ہے لیکن
 وہ جدید شاعر سے پہلے قدیم شاعر بھی ہے یعنی کوئی شاعر کیوں نہ ہو وہ
 شاعری کی قدیم روایات سے وابستہ رہتا ہے اگر کوئی شاعر ایسا بھی
 ہے جو پوری طرح کلاسیکی انداز سے اپنا رشتہ نہ رکھتا ہو تو وہ ادبی
 فضاؤں میں محلق ہو کر رہ جاتا ہے وہ لاکھ کوشش کے باوجود اپنے
 فن سے باذوق سامعین و ذہین قارئین کے متاثر نہیں کر سکتا۔ اس
 کی شاعری برائے نام رہ جاتی ہے کوئی تاثیر نہیں چھوڑتی۔ شاغل ادیب
 ایک رواں دواں شاعر ہیں ان کا کلام منجر کا ہے وہ زندہ حقیقتوں
 کو اپنی شاعری میں جگہ دیتے ہیں ان کی شاعری میں زندگی کی سرارت ملتی ہے

مشاہدات کی گہری اور جذبات کی نر و تازگی ملتی ہے وہ جو کچھ محسوس کرتے ہیں اور جو کچھ دیکھتے ہیں ان کی غیارت کو لپٹے کلام میں سمیٹتے ہیں، انھیں اپنے کلام کا ایک ایسا حصہ بناتے ہیں۔ ان واردات کو خوبصورت انداز میں شعرا کے روپ میں پیش کرتے ہیں معاشرہ وہ سب کچھ دیتا ہے جس کی فنکار کو ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ شاعر ادیب اپنے فکر و فن کی قدر جانتے ہیں۔ اپنی بات اور اپنے محسوسات کو سلیقہ سے پیش کرتے ہیں اور سامعین و قارئین تک اپنا پیغام پہنچاتے ہیں اچھے شاعر کا یہی نواہیک اچھا وصف ہو تلہ ہے کہ وہ اپنے شعرا سے معاشرہ کے شب و روز کو شفاف آئینہ کی طرح پیش کرتا ہے اور اس کی پیش کشی کو دنیا سے ادب قبول کرتا ہے۔ شاعر ادیب زیادہ چھپنے والے شاعر ہیں مشاعرے بھی پڑھتے ہیں لیکن رسائل کی دنیا سے وہ زیادہ قریب ہیں شاعر ادیب سے میری ملاقات شائد ۱۹۳۱ء میں پہلے پہلی (کرنالنگ) کے مشاعرے میں ہوئی تھی اس کے بعد برسوں ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کبھی کبھی سکند آباد کے مشاعروں میں ملاقات ہو جاتی تھی شہر کے مشاعروں میں کہیں بھی ان سے ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ ادھر گزشتہ ۱۰-۱۲ برس سے وہ شہر کے مشاعروں اور ادبی جلسوں میں دکھائی دینے لگے ہیں۔ شاعر ادیب انتہائی شریف پاک و عارف انسان ہیں۔ ایسے لوگ جن کا ظاہر و باطن یکساں رہتا ہے مجھے اچھے لگتے ہیں۔ جب شاعر ادیب شہر کے بعض محفلوں میں نظر آتے لگے تو میں سنا یہ محسوس کیا کہ یہ شخص تو اپنے ہی قبیلے کا ہے پھر وہ ہمارا

مخفوں میں یعنی ادارہ میرا شہر میرے لوگ، ایوانِ پرنس معظم جاہ شہج سوغات نظر، جاتی میموریل، اکیڈمی اور بزم جوہر میں شرکت کرنے لگے۔ وہ میرا شہر میرے لوگ کی مخفوں میں نسبتاً دوسری مخفوں کے زیادہ اور پابندی سے شریک ہوتے ہیں اور اپنے بہترین کلام سے سامعین کو محفوظ کیا کرتے ہیں آل انڈیا ریڈیو سے ان کا کلام اور مضامین نشر ہوتے ہیں وہ دور درشن سے بھی کلام سناتے ہیں شاغل ادیب نثر نم بھی کلام سناتے ہیں اور تحت المفظ میں بھی۔ پہلے زیادہ تر نثر نم میں اپنا کلام سنایا کرتے تھے لیکن ادھر کچھ عرصہ سے وہ تحت المفظ میں کلام سنارہے ہیں ان کا نثر نم دھیمے سروں سے شروع ہوتا ہے اور اپنی ساری مٹھاس کے ساتھ غزل کے آخری شعر یعنی مقطع تک پہنچتا ہے۔ شاغل ادیب تقریباً تمام اصنافِ سخن میں شعر کہتے ہیں۔ شاغل ادیب ایک متحرک، فعال اور کارکرد فن کار کی حیثیت سے اپنے ادبی سفر کو جاری رکھے ہوئے ہیں وہ ایک ایسی رواں دواں شخصیت کا نام ہے جن کے قدم بڑھتے ہی رہتے ہیں کہ کتے نہیں۔ اور ایسے لوگ جو مسائل سفر میں رہتے ہیں ان کی نگاہ روشن، دل منور اور ان کی فکر تازہ رہتی ہے۔ میں برسوں سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ وہ بادِ صبا کی طرح ادبی مخفوں میں آنے ہیں اور اپنی شعری سوغات ساری محفل پر بچھا دے گئے ہیں بے اس زور و گوشتا عس۔ بہترین دوست اور شریف آدمی سے مل کر یہ حدِ مسرت ہوئی ہے معاشرہ

ہیں ایسے پاک و صاف لوگ جن کا ظاہر و باطن آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہو بہت کم ملتے ہیں۔ جب کبھی شاغل ادیب سے ملاقات ہو تو قلب میں اس شخص شگفتگی کا مظہر پاتا ہوں جس شخص کی زندگی و کھلے آسمان کی طرح باہنیں پھیلا رہی ہو اور جس کی سطر زمین دیدہ دل کی تسکین کا باعث بن رہی ہو وہ سو سائشی کے اہم لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ شاغل ادیب کی شاعری نہ صرف ان کی قلبی واردات کی عکسِ جمل سے بلکہ انہوں نے خارجی کیفیات اور مشاہدات کی تازہ کاری سے بھی اپنی فکر کو پُر اثر بنا دیا ہے کثرتِ مطالعہ نے ان کی شخصیت کے اُن گوشوں کو بھی منور کر دیا ہے جن سے اہل علم روشنی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے فن اور شخصیت میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ فنکار کے فن میں اور اس کی زندگی میں یکسانیت رہے۔ شاغل ادیب محفلوں میں کچھ اس انداز سے آنے ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا۔ نہ آہٹ، نہ سرسراہٹ، بے قدموں آتے ہیں اور بے قدموں جاتے ہیں۔ کم گوی کا یہ عالم ہے کہ ماسی ملک احتیاط سے لیتے ہیں۔ کوئی خاص بات ہو تو زیر لب مسکرا دیتے ہیں۔ میں نے انہیں قہقہہ لگاتے ہوئے بہت کم دیکھا ہے علوم و فنون سے انہیں غیر معمولی دلچسپی ہے شعر و ادب کے تمام رموز و نکات سے واقف ہیں علم و فن کی بار نیچوں اور اس کی رعنائیوں سے فیض یا ہونے رہتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ترقی پسند رجحانات اقدارِ بدست

کی آمیزش ہے۔ ابا شخص سارے معاشرہ میں کامیاب رہتا ہے جو زندگی کی مثبت قدروں کا ترجمان بنا رہتا ہے۔ میں ان کی شاعرانہ عظمت اور ان کی ادیبانہ رفعت کا قائل ہی نہیں ہوں بلکہ ان کی دوستی کا بھی معترف ہوں۔ شاعری ادیب مزاج غزل کے قریب ہیں ان کا کلام تمام فنی خوبیوں سے ملبوس ہے کہنہ مشق شاعر ہونے کی وجہ سے انہیں لفظوں کو برتنے کا سلیقہ ہے استادانہ رنگ میں بھی ان کی غزلیں ہمیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ شاعری ادیب ہندی زبان سے بھی کما حقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ ان کے کلام میں ہندی زبان کے بعض الفاظ نہایت خوبصورتی سے جگہ پانے میں شاعری ادیب بہترین دوست ہیں، بہترین انسان ہیں کسی کی نہ بُرائی کرنے ہیں نہ کسی کی بُرائی سنتے ہیں۔ روشن خیالات کے حامی انسان ہیں۔ ہر اچھی بات ان کے دل و دماغ کا ایک حصہ بن جاتی ہے اجاب سے نہایت خلوص کے ساتھ ملتے ہیں شاعرانہ مراسم کے ساتھ ساتھ دوستانہ مراسم کے بھی قد شناس ہیں غیر معمولی آدمی ہیں۔ معاملے کے کھرے آدمی ہیں وقت کے پابند ہیں۔ اصول پسندی، راست گوئی ان کا مسلک ہے ان کے شاعر دوستوں کی فہرست طویل ہے لیکن کچھ ہی شاعر ایسے ہیں جن سے وہ کھل کر ملتے ہیں۔ میرے حلقے کے تمام شاعر شاعری ادیب کی ترغیب و تارکی سبک روی اور ان کے شریفانہ طرز سلوک کے قائل ہیں۔ شاعری ادیب کو شاعرے پڑھنے کا زیادہ شوق نہیں ہے جہاں کہیں انہیں محبت

سے بلوایا جاتا ہے۔ بہ خوشی ملتے ہیں۔ ہماری انجمنوں کے شعروں
 میں شرکت کر کے ہی جب انھیں تشفی ہو جاتی ہے تو وہ ادھر ادھر کے
 شاعروں کے بارے میں سوچتے بھی نہیں۔ شاغل ادیب ایک ایسے
 شاعر ہیں اور ایک ایسے دوست ہیں جن کے ذکر سے ہی مسرت کی
 زیریں لہریں دل و دماغ کو تروتازگی بخشتی ہیں۔ معاشرہ میں ایسے
 شریف لوگوں کی بے حد ضرورت ہے وہ لوگ واقعتاً خوش نصیب
 ہیں جنھیں شاغل ادیب جیسے پاک و صاف انسان سے روابط
 رکھنے اور روابط بڑھانے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ شاغل ادیب میں
 ایک اچھی بات یہ ہے کہ وہ یک درگیر محکم گیر کے قائل ہیں وہ ذہنی طور
 پر ہمارے اداروں سے وابستہ ہیں۔ ہماری محفلوں میں شرکت کرنا
 کافی سمجھتے ہیں ویسے شہر کے تمام ادبی حلقوں سے اُن کے روابط ہیں
 وہ ایک محبت پسند انسان ہیں اچھی شاعری کرتے ہیں اچھی گفتگو کرتے
 ہیں اور اچھے لوگوں میں رہتے ہیں اور کیا چاہیے ایک ہندو شہر کے
 لئے جو شخص معاشرہ کی نظر میں ارفع و اعلیٰ رہتا ہے یہ ماننا پڑتا ہے کہ
 اس کا وجود کسی بھی شخص کے لئے بار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا وجود دوسروں
 کے لئے فیض رساں رہتا ہے

مومن خان شوق

مہذب انسان۔ معتبر شاعر، قاصد، پسند شخصیت

ہمارا مشاہدہ ہی نہیں تجربہ بھی ہے کہ زندگی گزارنے کے رویہ میں انسان بسا اوقات تضاد کا شکار رہ جاتا ہے۔ ہمارا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ ایک تہذیب یافتہ معتبر انسان کچھ ایسے حالات سے بھی گزرنا ہے جنہیں بعض مقامات پر اس کے قدم لرز کھڑا جاتے ہیں۔ ثابت قدمی اس کے لیے سوالیہ نشان بن جاتی ہے۔ پاؤں کے نیچے سے زمین سرکنے لگتی ہے لیکن ایک ثابت قدم، اعلیٰ روایات کی پاسداری کرنے والا انسان زندگی کے ہر مرحلے پر ہر قدم پر ہر قسم کے حالات کا منکرا نئے ہوئے خیر مقدم کرتا ہے۔ صاف گو، پاک طینت اور سنجیدہ طرزِ حیات سے گزرنے والا انسان زندگی کے ہر لمحوہ پر شادمانی و کامرانی کے ساتھ سفر طے کرتا ہے۔ ایسے ہی ایک معتبر مومن خان شوق ہیں اور مہذب شخصیت جن سے مل کر خوشبو کا احساس ہوتا ہے وہ مومن خان شوق ہیں۔

مومن خان شوق ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جو زندگی کے نرم و گرم حالات کا خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کرتے ہوئے مستقل مزاجی کے ساتھ کاروان حیات کا ایک حصہ بنے ہوئے ہیں۔ جناب شوق بہترین شاعر اور نفیس انسان ہونے کے علاوہ اردو زبان کے خدمت گزار بھی ہیں۔

مومن خان شوق سے میری جان پہچان ادبی رسائل کے ذریعہ ہوئی۔ اکثر دہائیوں بھی ہوا کہ مومن خان شوق کما اور میرا کلام بعض ادبی رسالوں میں ساتھ ساتھ شائع ہوتا رہا۔ غالباً ۳۰ برس پہلے کی بات ہے کہ ان سے میری ملاقات ایوان اردو (ادارہ ادبیات اردو) میں ہوئی۔ میں سکرٹریٹ سے کبھی کبھی منج کے اوقات میں ادارہ ادبیات اردو چلا کرتا تھا۔ جہاں مجھے اردو کے بہت سے رسالے دیکھنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ان دنوں میرا کلام انڈوپاک کے ادبی رسالوں میں بہت چھپتا تھا۔ یہ خواہش ہوتی تھی کہ کسی بھی ادبی رسالے میں اپنا کلام دیکھ لیا کروں ادارہ ادبیات اردو سے میری گہری وابستگی اس لئے بھی ہے کہ مجھے اس ادارہ سے ایک جذباتی نگاہ ہے۔ ڈاکٹر زول مجھے بے حد چاہتے تھے۔ میری ادبی سرگرمیوں سے خوش ہوتے تھے۔ میری حوصلہ افزائی میں انہوں نے ہمیشہ فراخ دلی سے کام لیا۔ میں نے اپنے

حق کی نگین کے لیے ادارۂ ادبیاتِ اردو کے امتحاناتِ اردو عالم اور اردو فاضل، امتیازی حیثیت سے کامیاب کیے۔ محمد قلی قطب شاہ کی سالانہ تقاریر کے علاوہ ادارۂ ادبیاتِ اردو میں وقتاً فوقتاً ہونے والے جلسوں اور مشاعروں میں پابندی کے ساتھ شریک ہوا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس ادارہ میں مجھے پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے والد محترم ممتاز شاعر تلوک چند محروم سے ملاقات کرنے کا موقع ملا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ اس ادارہ کی ایک ادبی تقریب میں ممتاز ترقی پسند شاعر جناب سجاد ظہیر بے بھی مجھے ملنے کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میں نے اس شاعر سے بینک غزل سنائی تھی جس کو صدرِ مشاعرہ جناب سجاد ظہیر نے بہت پسند کیا تھا۔ اس غزل کا ایک شعر یہ بھی ہے

اوپے چلوں کی روشنی کے لیٹے : اجنبی شہر میں غریب جاگے

داد دینے کے دوران ان کا مسکراتا ہوا چہرہ اب بھی میری نگاہوں میں پھرنا ہے۔ اس ادارہ کے سرکنڈا اراء ادبی مجالس اور مشاعروں میں میں نے نہ صرف شرکت کی بلکہ علمی طور پر حصہ لیا ہے۔ ایوانِ اردو میں خواجہ احمد عباس کی فلم "آسمان محل" کے مشاعرہ کی شوٹنگ کے وقت بھی میں موجود تھا اور بحیثیت شاعر میں نے کلام سنایا تھا۔ صدارتِ ممتاز ترقی پسند شاعر جناب علی سردار جعفری نے کی تھی۔

ایوانِ اردو شاعروں اور ادیبوں کے لیے ایک ایسا علمی و ادبی و

تہذیبی مرکز ہے جہاں نہ صرف بیرون ریاست کے دانشور ہی آیا کرتے ہیں بلکہ شہر کے شاعر و ادیب بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ایوانِ اردو کی کٹشش، شہر کے دوسرے اہل قلم کے ساتھ ساتھ جناب مومن خان شوق کو بھی اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔ اشوق صاحبِ ان دنوں زرعی یونیورسٹی کے دفتر واقع ”دلکشا“ میں کام کرتے تھے۔ ان کا آفس ایوانِ اردو کے بالکل قریب تھا۔ ادارہ ادبیاتِ اردو کے دارالمطالعوں سیکشن میں ان سے میری پہلی ملاقات ہوئی۔ کبھی کبھی ایوانِ اردو میں ملاقات ہوتی رہتی۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے انہیں پہلی دفعہ کہاں سنا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جناب مومن خان شوق نے مرکزِ ادب کے ایک سالانہ مشاعرہ میں جو جانشی پرشاد ہال، انوار العلوم کالج میں منعقد ہوا تھا مدعو کیا تھا۔ غالباً میں اور رہنمیس اختر اس محفل کے مہمانانِ خصوصی تھے۔ یہ تقریباً ۲۴ برس پہلے کی بات ہے۔ ویسے سیاست، اخبار اور شہر کے دوسرے اخباروں میں ان کا کلام شائع ہوتا تھا۔ جب میں نے محلہ ملے پٹی میں مستقل سکونت اختیار کی تو اس محلے میں مقیم ممتاز شاعر جناب مومن خان شوق کو یہ معلوم ہوا کہ میں نے یہاں مکان خرید لیا ہے تو انہوں نے بے تپاک انداز میں اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

ملے پٹی سے مجھے ایک دیرینہ نسبت ہے۔ اس محلے میں علامہ حیرت بدایونی کی قیام گاہ اور جناب شاذ تمکنت کی رہائش گاہ پر شاعروں

ادوار بیوں کا آنا جاننا رہنا تھا۔ میں زیادہ تر علامہ حیرت بدایونی کے پاس آتا تھا۔ اُن دنوں علامہ حیرت بدایونی کی صدارت میں نمائش کلب اور شہر کے دوسرے مقامات پر مشاعروں سے ہوا کرتے تھے۔ بعض مشاعروں کی نظامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ بعض مشاعروں میں شرکت کے لیے مجھے بھی یاد فرمایا کرتے تھے۔

شاہد محنت صاحب سے میری ملاقات بہت کم ہوتی تھی کوئی خاص بات ہو یا کسی خاص مشاعرہ کے سلسلے میں اُن سے ملنا ضروری ہوتا تو اُن سے ملاقات ہو جاتی تھی۔

اس محلہ میں ایک ایسی شخصیت سے بھی میری والہانہ وابستگی تھی جو میری شاعری کا مرکز تھی جس کی گلی میں آج بھی رنگ برنگی پھول کھلتے ہیں۔ گلی تازہ کی طرح۔ میری سانسوں کی گہری میرے قدموں کے نشان اُس گلی میں آج بھی میرے ہونے کا احساس دلاتے ہیں۔ اُس ایک خاص کشش نے مجھے برسوں اپنی طرف متوجہ کیا۔۔۔ آج سب کچھ بدل گیا ہے گلیوں میں اور دن ہینے اور سالوں میں بدل گئے ہیں اب کچھ بھی تو نہیں رہا۔ سب کچھ اوراقِ ماضی کی نذر ہو گیا ہے جب بھی اُس گلی سے گزرتا ہوں تو یادِ ماضی کی پیرچھائیاں سائے کی طرح میرے ساتھ ہو جاتی ہیں اور اُس منقار پر میرے لیے سائبان بن جاتی ہیں۔ جہاں جلتی ہمدی رہو پ بھی سا رہ نکل رہتی تھی۔ پاکیزہ رشتوں کی ضمانت کھائیے۔

موسر خان شوق کا مکان "اشرف ولا" ملے پلے کی بڑی مسجد کے
 دروازے پر واقع ہے جن کی قیام گاہ بند کی قربت کی وجہ سے ہر لمحہ نور افشانی
 کی کیفیت سے سرشار رہتی ہے۔ ان کے گھر کا اتول نورانی ہے۔
 تمام لوگ تعلیم یافتہ ہیں مثلاً اکوڑا سے آراستہ اردو لکھنے پڑھنے
 والے بچے عوامن و ان شوقی کا سرمایہ حیات ہیں۔ ان کی سب سے
 نایاب دولت از کے والدہ ہیں۔ ان کی دین دار نیک صفت والدہ محترمہ
 شوقی صاحب کی پاکیزہ زندگی اور نیک اطوار کی ضمانت ہیں۔ ان
 کے والدین نے شوقی صاحب کو زندگی کی ہر جائز خوشی سے سرفراز
 کیا ہے۔ ماں باپ کے قدموں میں پڑے رہتے سے ان کے ہر عمل
 سے شائستگی، شرافت اور محبت ٹپکتی ہے۔ طرز حیات کا بانگین
 طبیعت کی شگفتگی اور زندگی کے معاملے میں دیانتدارانہ رویہ
 یہ سب کچھ ایسی علامتیں ہیں جو ان کی زندگی کے خدوخال ہیں رنگ
 بھرنے کی محرک رہا کرتی ہیں۔

موسر خان شوقی ایک بے دماغ، صاف گو، باکردار نیک
 صفت اور پُر خلوص انسان ہیں جو شخص ایک دفعہ ان کی دوستی
 کی گرفت میں آجاتا ہے وہ پابہ زنجیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ شوقی صاحب
 تیر کام تو ہیں ہی نرم گفتار بھی ہیں۔ ہر ٹکڑا ان کا گفتگو کرنا
 دانشورانہ طرز عمل کی ترجمانی کرتا ہے۔ ہر وہ مسئلہ جو زندگی کی مثبت
 قدروں سے وابستہ رہتا ہے اس پر اظہار رائے کے لیے تحفظ دیتی

ہاں کار نہیں ہوتے۔ ان کے کردار کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ہر شخص کے بارے میں نیکہ تمنائیں رکھتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے احباب زیادہ ہونے کے باوجود یاد رکھنا سیکھنے کے قابل ہیں۔ مجھے مسرت ہوتی ہے یہ کہنے والے کہ میں شوقِ صاحب کا دوست ہوں۔ اگرچہ ہم دونوں کے درمیان تفاوت ہے لیکن ذہنی طور پر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم ایک ہی کشتی میں، ایک ہی منزل کا سفر کر رہے ہیں۔

جن لوگوں کی زندگی صاف ستھری ہوتی ہے وہ کبیر پروردی اور مٹی ٹھنڈات، کچ روئی اور بے راہ روئی سے دامن کشا رہتے ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ خوش رہتے ہیں جو اپنے بہترین مستقبل کی تمنا رکھتے ہیں۔ شوقِ صاحب کے ملنے والوں میں ہر قسم کے خیالات رکھنے والے لوگ ہیں لیکن ان کے پاس شعر و ادب سے آپسی رکھنے والوں کی ایک خاص فہرست ہے۔ شوقِ صاحب سے ہر روز نہ سہی ہفتہ میں ۳، ۴ بار ضرورتاً ملتا ہوتا ہے۔ میں جب بھی ان سے ملتا ہوں تو مجھے خوشگوار مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ جی چاہتا ہے بار بار ملاقات ہوتی رہے۔

ہماری دوستی کی بنیاد صرف اور صرف شاعری ہے۔ ہم نے شاعری کے وسیلے سے ہی اپنے مراسم بڑھائے ہیں۔ میں گزشتہ ۱۲ سال سے ملے جلی میں اپنے ذاتی مکان میں مقیم ہوں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے

کرے گی کے میرے عزیز دوست مومن خان شوق میرے ہم نشین ہیں
 میرے ہم عصر ہیں وہ ایسا ہیرو ہے جس کی سانسوں کی خوشبو، جن کے
 قدموں کی آہٹ اور جن کے حسن سلوک اور بہترین طوطے نے
 بھان کیے ریا، بے عرض اور دالہانہ دوستی میں محصور کیا ہے
 مومن خان شوق کی شاعری کی عمر ۳۲، ۳۳ برس کی ہوئی۔
 اس دوران ان کے چار شعری مجموعے "بدلتے موسم"، "چاندنی کے
 پھول"، "نرن کرن اُجالا"، "اُدُنِ نشاطِ آرزو"، "شعلہ ہو چکے ہیں
 ان کتابوں پر ملک کی اردو اکیڈمیوں سے انعامات ملے ہیں۔
 ان کا کلام آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوتا ہے۔ دورِ درشن سے فیملی کا
 ہونا رہتا ہے۔ روزنامہ "سیاست" کے علاوہ ملک کے تقریباً
 تمام اردو رسائل میں شعلہ ہونا رہتا ہے مومن خان شوق
 سفر لیں بھی کہتے ہیں۔ قطعات، نظمیں اور نعت کلام بھی۔
 مومن خان شوق اپنی ذاتی محنت اور شعروادب سے اپنی شخصی
 دلچسپی کی وجہ سے شعری و ادبی محفلوں میں جس طرح ایک فعال شخصیت
 کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں اُسی طرح اپنے باوقار شاعرانہ
 رویے کی وجہ سے بھی اپنی الگ پہچان کے ساتھ اپنے وجود کو سرخرو
 بنائے ہوئے ہیں۔ مومن خان شوق کا محبوب مشغلہ، شعری و ادبی
 کتابوں کا مطالعہ ہی نہیں بلکہ مشاہدات و تجربات کو اپنے تخلیقی سفر
 کا ایک اہم حصہ بنانا بھی ہے۔ ان کے اشعار میں داخلی و خارجی پہلو اپنی

اپنی جگہ پر اپنا منصب ادا کر رہے ہیں۔ زندگی کے مختلف گوشوں پر ان کی بڑی نظر ہے۔ ان کی شاعری زندگی کی آئینہ دار ہے جو شعاع اپنی پہچان کے لیے باوقار انداز میں اپنے فکروں کی منزلیں طے کر رہا ہے اس کے قدم بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں جو قدم بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں اُن کا سفر کامرانی کے ساتھ گزرتا رہتا ہے۔ مومن خان شوق نے جس سیف کے ساتھ اپنی زندگی کے سفر کو کامیاب راستہ سے روشناس کرتے ہوئے جاری رکھا ہے اس میں اُن کی مستقل مزاجی اور شائستہ روی کا بھی دخل ہے شوق صاحب محفلوں کے آدمی ہیں۔ محفلیں سمجھتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔ اصول پسندی، وقت کی پاسندی اعلیٰ کردار کی پاسداری ان کا ذاتی وصف ہے۔ مومن خان شوق کا کلام ملک بھر کے ادبی رسالوں میں شائع ہوتا رہتا ہے شہر کے اردو اخباروں میں خاص طور پر سیاست میں اُن کا کلام زیادہ ہی شائع ہوتا رہتا ہے۔ ریڈیو، دور درشن سے بھی ان کا کلام ہم تک پہنچ جاتا ہے مومن خان شوق ایک منتظم مزاج شاعر کی حیثیت سے بھی ادبی حلقوں میں مشہور ہیں۔

جناب مومن خان شوق ادارہ میرا شہر میرے لوگ اور ایوان پرنس معظم جاہ کے سکریٹری ہیں۔ ادارہ سوغات نظر اور نگارستان بانو طاہرہ سعید کے جنرل سکریٹری ہیں۔ سہ ماہی ایوان ادب دہلی کے

مختبر برائے حیدر آباد اور ماہنامہ "خوشبو کا سفر" کی مجلس مشاورت میں شامل ہیں۔

مومن خان شوق کو کئی ادبی و فلاحی اداروں اور انجمنوں کی جانب سے اعٹوں ایوارڈز مل چکے ہیں۔ مومن خان شوق کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے راج بھون کے چار مشاعروں میں کلام سنایا۔ محرم کرشن کانت صاحب کی گورنری کے زمانے میں دو مشاعروں میں اور موجودہ گورنر اندھرا پردیش ڈاکٹر سی رنگارا جن کی موجودگی میں "در بار ہال" میں منعقدہ دو مشاعروں میں —

مومن خان شوق کا چوتھا مجموعہ کلام "کرن کرن اُجالا" کو بزم عثمانیہ جدہ نے شائع کیا ہے۔ انھیں "انیکتا میں انیکتا" اندرا گاندھی ایوارڈ شہر کے نامور شخصیتوں کے ساتھ ملا جن میں قابل ذکر ڈاکٹر سی نارائن دیکٹی، نواب شاہ عالم خان، محبوب حسین جگر ڈاکٹر شیام سندرو وغیرہ شامل ہیں۔

ادارہ سو غائب نظر مومن خان شوق کی پہچان بن چکا ہے۔ مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ وہ ادارہ میرا شہر ~~لوگ~~ اور ماہنامہ خوشبو کا سفر کے شیعہ نشر و اشاعت سے متعلق بھی اپنی ذمہ داری کو نہایت عمدگی سے نبھا رہے ہیں۔ میرا شہر میرے لوگ ابوان بیرس معظم جاہ خجیح کے مشاعروں کی کارروائی بھی عمدگی کے ساتھ چلاتے ہیں۔

ہمارے شاعرانہ روابط کا ایک خوشگوار وسیلہ ہمارے اہل جلسے اور مشاعرے ہیں۔ ان جلسوں کے سلسلے میں اور شہر اور اضلاع کے مشاعروں کے بارے میں ہماری ملاقاتیں ناگزیر ہو گئی ہیں۔ میں نے دورانِ گفتگو محسوس کیا ہے کہ مومن خان شوق کسی بھی مسئلہ پر اظہارِ خیال میں محتاط روی کا ثبوت دیتے ہیں۔ صاحبِ رائے شخصیت کے مالک ہونے کی وجہ سے عیسے نئے انداز میں اپنی بات کہتے ہیں۔ گفتگو کے دوران قیمتی الفاظ ضائع نہیں کرتے۔ سی اور مناسب موقع کے لئے اٹھائے رکھتے ہیں۔ یہ ان کی طرزِ تکلم کی خصوصیات ہیں مشاعروں میں اعتماد کے ساتھ کلام سناتے ہیں تحت اللفظ میں شعر سناتے وقت اپنی ساری شخصیت کو شعر کے معنی و مفہوم میں سموتے ہیں۔ ترغیم سے بھی کلام سناتے ہیں لیکن بہت کم۔

شوق صاحب کے کلام سنانے کا انداز پُر اثر ہوتا ہے۔ سامعین متوجہ ہو جاتے ہیں اشعار پر داد دیتے ہوئے قطع تک پہنچ جاتے ہیں شوق صاحب جس طرح زندگی کے دیگر مسائل کو عمدگی اور سلیقے سے انجام دیتے ہیں اسی طرح شوخ و سخن کے معاملات میں بھی وہ ذمہ دارانہ رول ادا کرتے ہیں۔ ہر ادبی کام خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں اور اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔

میری دلی تمنا ہے کہ شوق صاحب کی ساری زندگی باوقار انداز میں اسی طرح گزرتی رہے پھولوں اور خوشبوؤں کے درمیان۔

شفیع اقبال

با کردار انسان - سیر صحنی - با وقار دوست

معاشرہ کے وہ لوگ جو اپنی زندگی کے تانے بانے محنت شاقہ بہترین صلاحیتوں اور جہد مسلسل کے پس منظر میں خوبصورتی اور سلیف کے ساتھ بنتے رہتے ہیں لاکھ الجھنوں اور بے شمار مشکلوں کے باوجود بھی اپنے سفر کو جاری رکھتے ہیں وہ سفر جابہ زندگی کا ہو کہ شعری و ادبی، علمی و معاشرتی، تہذیبی و ثقافتی یا اپنی فہم و ادراک اور اپنے فکر و خیال سے استفادہ کرنے والے لوگوں میں ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جو اپنی زندگی کے ہر گوشے کو ہر نور بنا لے رکھتے ہیں۔ شفافیت ایسے لوگوں کی زندگی کا ایک محور ہوتی ہے جس کے سبب وہ اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو خوشگوار بنالیتے ہیں اور کچھ اس طرح اپنے شب و روز کو آئینہ مثال بنالیتے ہیں کہ ان کی ہر حرکت ہر عمل لائق تحسین و قابل تقلید بن جاتا ہے

ایسے ہی حالات سے گزرنے والے باصلاحیت، باکردار، صاحبِ فہم و ذکا اور
جہدِ مسلسل سے اپنی زندگی کو سنوارنے والے ایک شاعر شفیق اقبال بھی ہیں
شفیع اقبال ہمارے شہر کے نمائندہ شاعروں میں اپنی ایک خاص پہچان
رکھتے ہیں۔ بہترین نثر نگار ہونے کے علاوہ سبھے میوے مقرر باوقار مقامی
اور بہترین منتظم بھی ہیں۔ شعری و ادبی محفلوں میں قدر کی نگاہوں سے
دیکھ جاتے ہیں۔ محفل کے آدمی میرے سنجیدہ بھی ہیں اور بذلہ سخا بھی۔
وعدہ کے پابند بھی ہیں وقت کے قدر شناس بھی ہیں۔ بے شمار خوبوں
کے حامل شفیع اقبال نہایت نرم سکون زندگی گزار رہے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ
کے گریجویٹ ہیں۔ علمی، ادبی، تہذیبی و شعری صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ شہر
کی علمی و ادبی محفلوں میں ان کے رکھ رکھاؤ، ان کی شائستگی، شگفتگی، سلیقہ
مندمی اور ان کے محفلوں کو سراہا جاتا ہے۔ آدابِ محفل اور تہذیبی قدروں کی
پاسداری کرتے ہیں۔ روشن خیال ہونے کے ساتھ ساتھ کلاسیکی اقدار کو بھی
دل و جان کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔ اپنی بہترین شاعری سے شعری و ادبی
محفلوں میں اپنی ایک منفرد شناخت بنا چکے ہیں۔

شفیع اقبال سے میری ملاقات تقریباً ۴۰ برس پہلے ہوئی تھی۔ ہٹل
کیفے سید حبیب نگر (ملے پلے) کے روبرو ان کا ایک جنرل اسٹور تھا۔
اُس زمانے میں وہ ہماری منزل کے نام سے ایک ہفت روزہ جریدہ نکالتے
تھان کی دوکان پر زینہ تران کے ہم خیال شعراء و ادیب دکھائی دیتے تھے
اُس زمانے میں ملے پلے کے ایک خاص دوست کے پاس میرا آنا جانا تھا اکثر

فہم میں اُسی راہ سے گزرتا تھا۔ علیک سلیک ہوتی تھی۔ ہم نے بے شمار مشاعرے ایک ساتھ پڑھتے ہیں۔ اُس دور کے ان کے قریب ترین دوستوں میں رحمن جانی، عزیز بھارتی، برق یوسفی بھی تھے۔ اُس زمانے میں میری اُن سے کوئی خاص رُسم و راہ نہیں تھی۔ صرف معمولی شناسائی تھی دن گزرتے گئے۔ حالات بدلنے رہے۔ مشاعروں میں کبھی کبھی اُن سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ جس زمانے میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی سرگرمیاں عروج پر تھیں اُن دنوں وہ ہنری مارٹن انیسٹیٹوٹ میں منعقد ہونے والے انجمن ترقی پسند مصنفین کے جلسوں اور مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ اُن دنوں انہوں نے ایک ادبی انجمن عصری ادب کی سرگرمیوں کو بھی جاری رکھا۔ اُن کے بڑے بھائی صادق نوید اُس انجمن کے صدر ہیں اور وہ معتمد۔ کچھ عرصے تک عصری ادب کے ادبی جلسے اور مشاعرے ہوتے رہے لیکن پتہ نہیں کیوں کئی برسوں سے اُس انجمن کی سرگرمیاں بند ہیں۔

ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی تشکیل جدید کے بعد سے وہ ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے جلسوں میں بہ پابندی شرکت کر رہے ہیں۔ اس ادارہ کے وہ رکن عامل ہیں۔ خود شید احمد جاتی میموریل کمیٹی اور انجمن مجاہدانہ کے سکریٹری ہیں۔ نہایت عمدگی سے نظامت کے فرائض انجام دیتے ہیں ان کا شاعرانہ و ادیبانہ طرزِ خطاب متاثر کن ہوتا ہے۔ سبکھے ہوئے انداز میں شعری و ادبی، تہذیبی و معاشرتی موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہیں اکثر مذاکروں میں حصہ لیتے ہیں۔ انہیں ہر موضوع پر کھل کر اظہارِ خیال کرنے کا

ملکہ عامل ہے۔ شفیع اقبال وعدہ کے نہایت پابند ہیں۔ ان کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہوتا۔ جو کچھ بھی کہتے ہیں صاف صاف لفظوں میں دو ٹوک انداز میں کہتے ہیں۔ مصلحت کے لئے ان کے ہاں کوئی جگہ نہیں ہے ہندو شہری کی طرح باعمل و باکردار انسان ہیں۔ شہر کے نمائندہ مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں اور اپنے بہترین کلام سے ساری محفل کو مستعار کر دیتے ہیں کلاسیکی انداز سے ان کی شاعرانہ وابستگی نے انہیں کچھ زیادہ ہی پُر وقار بنا دیا ہے۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ جو شاعر اپنی بنیادی قدروں کی اہمیت کو سمجھتا ہے وہ کبھی بھی نہدیسی انداز کے تحفظ میں ماکام نہیں رہتا۔ شفیع اقبال کل ہند مشاعرے بھی پڑھ چکے ہیں۔ خود انہوں نے ۳۰ برس پہلے کاندھی بھون تنقیر میں کل ہند مشاعرے کا اہتمام کیا تھا۔ وہ مشاعرہ نمقت روزہ "ہماری منزل" کی جانب سے منعقد کیا گیا تھا۔ جس میں ملک کے بعض اہم شاعروں نے بھی شرکت کی تھی۔ جناب عابد علی خان مدیر سیاست نے صدارت کی تھی۔ جناب محبوب حسین جگر کی انہیں سرپرستی حاصل تھی۔ شفیع اقبال اضلاع کے مشاعروں میں بھی شرکت کیا کرتے ہیں شہر کے مشاعروں کی طرح اضلاع کے مشاعروں میں بھی اُن کا کلام پسند کیا جاتا ہے۔ اضلاع کے اکثر مشاعرے ہم نے ساتھ پڑھے ہیں اضلاع کے ایسے مشاعرے جن میں، میں شریک رہتا ہوں شفیع اقبال لازماً شریک رہتے ہیں۔ بلکہ ہم ایک ہی کار کے ذریعہ مشاعروں میں شرکت کے لئے جاتے ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں نیشنل نائرا کے نام سے ان کا مجموعہ کلام

مولیٰ ہے۔ اس وقت ان کے ہاں اتنا کلام موجود ہے کہ وہ دو اور مجھے
 شائع مجموعے شائع کر سکتے ہیں۔ نہایت بااخلاق، بامروت، نیک سیر
 انسان ہیں۔ بہت پہلے اگر جبکہ ان کی نشست و برخاست کچھ مخصوص
 شاعروں کے ساتھ رہی لیکن گزشتہ ۸، ۱۰ برس سے ہماری ادبی حلقے
 سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ اور ہماری انجمنوں اور اداروں (ادارۃ میر اشرفیہ
 میرے لوگ، ایوان پرنس معظم جاہ شجاع، سوغات نظر، خورشید احمد جاتی میموریل) کی
 انجمن مجاہد اردو پبلیشرز جوہر میں شامل ہیں۔ شہر کی نامور شخصیتوں سے ان
 کے مراسم ہیں۔ شہر کی بعض نامندہ محفلوں کے علاوہ وہ راج بھون میں منعقد
 ہونے والی ادبی و تہذیبی تقاریب میں بھی مدعو رہتے ہیں۔ ۱۹۹۸ء میں
 راج بھون میں منعقدہ مشاعرہ میں بھی انہوں نے کلام سنایا جس کے دائمی
 گورنر آنندھرا پوریش ڈاکٹر سسی رزکار اجن تھے۔ ۱۹۹۵ء میں راشٹریتی بیلانٹ
 میں منعقدہ مشاعرہ جس کی مہدات صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر شکر دیال شرما
 نے کی تھی کلام سنایا۔ شفیق اقبال ہندی ادیبوں کی محفلوں خاص طور پر
 گیت چاندنی اور ہندی لیکچرنگ سنگھ میں یہ پابندی شرکت کرتے ہیں۔
 ہندی محفلوں میں بھی ان کا کلام پوری توجہ کے ساتھ سنا جاتا ہے شفیق اقبال
 اپنے محلہ فقیرہ کی مسجد محمودیہ کے صدر ہیں۔ دینی مصروفیات میں بھی اپنا کچھ
 وقت گزارتے ہیں۔ فلاحی و اصلاحی معاملات سے بھی انہیں دلچسپی ہے اپنے
 محلہ کی پیس اینڈ ویلفیر کمیٹی (مانٹری کمیٹی) اور ہسپتال کمیٹی کے صدر ہیں
 کئی اہل غرض لوگوں کو ان کا تعاون حاصل ہے اپنے حوصلے کے سربراہ کی حیثیت

سے بھی شہرت رکھتے ہیں اپنے جن دوستوں کو ذہنی طور پر اپنے قریب پاتا ہوں اُن میں شیخ اقبال بھی ہیں۔ شیخ اقبال سمجھ بوجھ رکھنے والے انسان ہیں خاص طور پر ادبی مسائل پر ان کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہے اپنے بہترین مشوروں سے مسائل کی یکسوئی میں معاون ثابت ہوتے ہیں شیخ اقبال کا کلام ملک کے ادبی رسالوں میں شائع ہوتا تھا جو خوشبو کا سفر کے علاوہ اردو اکیڈمی کے زیر اہتمام شائع ہونے والے رسالہ قوی زبان اور محکمہ اطلاعات سے شائع ہونے والے رسالے آندھرا پردیش اور دیگر رسالوں میں بھی ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ شیخ اقبال گذشتہ ۴۰ برس سے آل انڈیا ریڈیو سے اپنا کلام سنارہے ہیں۔ کشمیر ریڈیو سے بھی ان کا کلام نشر ہو چکا ہے جبکہ کشمیر ریڈیو کے ڈائریکٹر نوروز نامہ سیاست میں بھی ان کا کلام پڑھنے کو ملتے دُور روشن سے بھی ان کی شاعری ٹیلی کاسٹ ہو کر نئی ہے شہر کی تقریباً تمام ادبی انجمنوں کے سربراہوں سے ان کے مراسم ہیں مشاعروں میں بھی حصہ لیا کرتے ہیں۔ اپنے پاک و صاف شاعرانہ رویے کے سبب تمام ادبی حلقوں میں پسند کیے جاتے ہیں۔ شیخ اقبال کا شعری و ادبی سفر جاری ہے شعری ادب میں نئے نئے نکل کھڑے رہتے ہیں بہترین نثر نگار اور اچھے مقرر ہیں ان کے کلام میں مسائل کی اشعار کے ساتھ رومانی اشعار بھی ملتے ہیں۔ مختلف اصنافِ سخن میں شعر کہتے ہیں۔ نئی اصنافِ سخن ہائیکو اور ٹکائی بھی اُن کی پسندیدہ اصنافِ سخن ہیں قطعات کے علاوہ معرا و پابند نظمیں بھی کہتے

یہ ان کی مذہبی شاعری (نغمیں، منقبتیں) بھی پسند کی جاتی ہے غزل
 ان کے مزاج سے ہم آہنگ ہے ہمارے شہر کے ایک ہندو شاعر
 کی حیثیت سے قد کی نگاہوں سے دیکھ جاتے ہیں۔ شیخ اقبال
 ایک باشعور صوفی کی حیثیت سے بھی شہرت رکھتے ہیں۔ مشرقی ماحول
 کے پروردہ ہیں۔ پُر سکون زندگی گزار رہے ہیں۔

بشیر احمد

شاعر حسن و جمال و منع دار شخصیت

تخلیقی ادب کے تجزیہ نگاروں، علم و فن کے نبض شناسوں اور
مفسرینِ شعر و ادب کا یہ بھی خیال ہے کہ اعلیٰ اقدار کی پاسداری کرنے
والے صاحبانِ فہم و ادراک کی کھری کھری زندگی کا عکس جمیل نہ صرف
ان کے آئینہ زندگی میں جلوہ افروز رہتا ہے بلکہ ان کے فکر و خیال کی وسیع
کائنات میں بھی کچھ اس طرح پھیل جاتا ہے کہ ان کے فن اور شخصیت
کے تمام پہلو روشن ہو جاتے ہیں۔

جب سچی و منع دار شخصیتوں کا حسن خیال، فکر و آگہی کی
وسعتوں میں ڈھل جاتا ہے تو صالح روایات کی تزجہانی کرنے والی ایک
ایک کرن کو خراج پیش کرنا رہتا ہے جن فن کاروں کی ساری زندگی
سفیرانِ نورِ سحر کی طرح روشنی تقسیم کرتی رہتی ہے تو ان کا ہر تخلیقی
عمل روشن اور منور ہوتا چلا جاتا ہے اور ایسے شاعرِ دایب جن کی

مسانوں میں عطر و عنبر کی دھک ورتاؤں پھونوں کی خوشبو موجود ہو ان کی تخلیق سارے ماحول کو ہلکا کر رہے گی۔ بعض اہل قلم یہ بھی کہتے ہیں کہ شخصیت کے بہت سے نمایاں پہلو تخلیق کار کے فکر و فن کے آئینہ دار ہوتے ہیں جو شاعر سچے جذبات، زود اثر مشاہدات اور شدید واردات قلبی کو شعری پیکر عطا کرتے ہیں تو ان میں روشن لکروں کی تمازت اور پھولوں کی نازکی پائی جاتی ہے۔ پاک و صاف زندگی گزارنے والا فن کار سادگی، شگفتگی اور نفاست کی ایک نئی دنیا بساتا ہے اور اس کا تخلیق کردار باریک مباحی پہلی انگڑائی سے شروع ہو کر سارے گلشن کو شادابی عطا کرنے تک باقی رہتا ہے اور بلا قید و گنتاں رنگ و بو کو نکھارتا رہتا ہے۔

بزرگ و محترم گنہ مشق شاعر بشیر احمد بھی 'ن خوش نصیب قلم کاروں میں سے ایک ہیں جن کا علمی و ادبی، تہذیبی و ثقافتی کی پس منظر بے داغ موسم گل کی طرح فروزاں ہے بشیر احمد صاحب شاعری زندگی کی تابناک شعاعوں کی طرح ادبی و شعری ماحول کو جگمگا رہی ہے۔ ایک دیانت دار، نیک صفت انسان کی طرح شاعری کے ساتھ ان کا تخلصانہ رشتہ ہے وہ خود بھی فن کی قدر و قیمت کو محسوس کرتے ہیں۔ اپنے فن کا احترام کرتے ہیں۔ ان کی شاعری ان کے دلی جذبات کی ترجمان ہے وہ زندگی کی خوبصورتی کو پوری دیانت داری کے ساتھ برنستے ہیں۔ شاعرانہ طرح داری کا

ان کا مزاج ہے۔

بشیر احمد کے تاحال ۴ شعری مجموعے "رنگِ حیات"، "نصویرِ حیات"، "آئینہ حیات" اور "سازِ حیات" شائع ہو چکے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ بشیر احمد کو زندگی کی روشن حقیقتوں اور خوشیوں کی دیرپا مہک سے کافی لگاؤ ہے جو شاعر اپنی شاعری کو اپنی زندگی کی طرح چاہتا ہے تو اس کے شاعرانہ بانگ میں وہ تمام خوبیاں شامل ہو جاتی ہیں جو چمکتے چمکتے گل و گلزار کے کیف اور ماحول کی یاد دلاتے ہیں۔

جہاں تک مجھے یاد ہے بشیر احمد صاحب سے میری پہلی ملاقات ان کی حقیقی بھینچی، میری دلہن بولی بہن ممتاز شاعرہ انجم قمر سوز کی معرفت اُس وقت ہوئی تھی جب اُن کے مجموعہ کلام "سوزِ قمر" کی رسم اجراء تقریب منعقد کی گئی تھی۔

رسم اجراء کی یہ یادگار تقریب انجم قمر سوز کے والد محترم ممتاز عثمانی ریٹائرڈ سیشن جج جناب فصیح الدین صاحب کی رہائش گاہ واقع سالار جنگ کالونی میں انجام پانے والی تھی رسم اجراء کی تقریب سے قبل پُر تکلف عشاء کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سوزِ قمر کی رسم اجراء کی تقریب سابق گورنر ہمارا شرعاً جناب صادق علی کے ہاتھوں انجام پائی۔ جلسے کو شہر کے نامور دانشوروں نے محافلِ طلب کیا تھا مشاعرہ کی صدارت حضرت سعید شہیدی نے کی تھی۔ یہاں ان خصوصیات کی حیثیت سے ڈاکٹر علی احمد جلیلی اور امیر احمد خسرو نے شرکت کی تھی۔ ادنیٰ اجلاس

شاعرہ کی ذمہ داری اچھے سونپی گئی تھی۔ ان شعرائے کرام کے علاوہ جناب بی
قمر الدین قمر، صلاح الدین شیر، انجم قمر سوز، ربیع ختر، ڈاکٹر صادق نقوی
نہیال سنگھ درما، بشیر احمد نے کلام سنایا تھا۔

بشیر احمد صاحب کے بڑے بھائی جناب فصیح الدین کے اہل
نمائند، شعر و ادب اور فن موسیقی سے بے حد دلچسپی رکھتے ہیں۔
انجم قمر سوز کے شوہر محترم ڈاکٹر قمر الدین قمر بھی اچھے شاعر ہیں۔ انجم قمر سوز
کے بھائی نسیم احمد اپنے دور کے مشہور فرزند جامعہ عثمانیہ رہے ہیں ان
کی چھوٹی بہن انجمہ اور صفیہ کو شعر و ادب سے اچھا خاصا لگاؤ ہے۔
ان کی والدہ محترمہ کو فن موسیقی سے بے حد دلچسپی تھی۔ ایک اور چھوٹی بہن
رعینہ حبیب نہایت باذوق، اعلیٰ درجہ کا شعری مذاق رکھنے والی خاتون
دکن ہیں جن کی گفتگو کا ہر جملہ شاعرانہ و دانشورانہ فکر و خیال کا
نرمجان بنا رہا ہے اس طرح کے شگفتہ، شستہ اور نغمہ پرور کیفیات
سے بشیر احمد صاحب کی شخصیت وابستہ رہی ہے اس قسم کے شائستہ
اور خوشگوار ماحول نے ان کے شعری سفر کو جاری رکھنے میں بڑی مدد
کی ہے بشیر احمد صاحب ایک سیدھی سادہ طبیعت کے انسان ہیں۔
وضع دارتی گویا ان کی نس میں نس میں ریح بس ٹھٹھے ہے ان کے لب و لہجے
میں شائستگی کے وہ تمام انداز نمایاں ہیں جو شریف و معزز اعلیٰ طرف
گھرانوں کی پہچان ہوا کرتے ہیں۔ ان کے طرزِ تکلم سے خلوص کی خوشبو آتی
ہے ان کا مخلصانہ رویہ آج کا نہیں ہے برسوں سے ہم انہیں اسی انداز

سے دیکھ رہے ہیں۔ ان کا رکھ رکھاؤ حیدر آبادی تہذیب کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرتا ہی نہیں ان کا مسکراتا ہوا چہرہ بھی مخاطب کو اپنے دائرہ خلوص میں باندھ لیتا ہے۔ ان کے لفظوں کے جادوئی اثر سے کوئی بچ نہیں یا تا۔ نہایت شریف انسان ہیں وقت کی پابندی، وعدہ کی پاسداری کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ ان سے ملاقات کرتی ہو تو ان کے گھر پہنچ کر دستک دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ حیدر آباد کے شرفاء کا مخصوص لباس شروانی زیب تن کئے ہوئے صدر دروازہ کے روپروٹھہلتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ جسم و جاں کو مہکانے والے عطر کے شوقین ہیں۔ ان کے جسم کی خوشبو جہاں دل و دماغ کو مسحور کرتی ہے وہیں عطر حنا، جنت الفردوس کی خوشبو ان کے لباسِ فاخرہ کو مہکاتی رہتی ہے خوش لباسی کی وجہ سے وہ سب کی نظر میں رہتے ہیں۔ صاف ستھری شروانی کے اوپر کے ۳۴ بٹن ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ ان کے سرخی مائل رخسار کو عازہ کی ضرورت ہی نہیں ہے وہ ہر اضافی شے سے بے نیاز ہیں البتہ خوشبودار پان کا استعمال ان کے لبوں کی تراوٹ میں اضافہ کرتا ہے مشاعروں میں ان کا پان کھاتے ہوئے آنا اچھا لگتا ہے ان کی شخصیت کے بہت سے پہلو ہیں جن پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے ان کی شخصیت کا ایک اہم پہلو ان کی شرافت ہے۔ انسان رشتوں سے انہیں والہانہ وابستگی ہے وہ کسی کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتے۔ قبل اس کے کہ

کسی مصیبت زدہ شخص کی آٹھ سے آٹھ نکل پڑیں وہ ان آنسوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتے ہیں۔ سستی اور قابلِ اعانت لوگوں کی اس طرح مدد کرنے میں کہ ایک ہفتہ کی ہمدردی سے ہاتھ کو نہیں ہوتی۔

بشیر احمد صاحب اپنی عمر کی موجودہ منزل پر پہنچنے تک کئی دور دیکھ چکے ہیں۔ وہ ایسے حالات سے بھی گزر رہے ہیں جو بیوقوفوں اور کانٹوں کے درمیان پگھلائی کی شکل اختیار کرتے رہے ہیں۔ ان کی زندگی کا سفر آج بھی پوری متانت اور اصول پسندی کے ساتھ جاری ہے۔ بشیر احمد صاحب کی شاعری اگرچہ غزل کی شاعری ہے لیکن وہ مسائل شاعری سے بھی وابستگی رکھتے ہیں ان کی شاعری کا رنگ بعض اساتذہ سخن کے کلام کی طرح مخصوص فکر کا حامل ہے قاری ہو کہ سامع ان کے اشعار سے فرحت محسوس کرتا ہے اور یہاں تک کہ وہ دیر تک کلام سناتے رہیں ان کے کلام سے جہاں طبع سلیم کو تسکین ملتی ہے وہیں دل و دماغ کو راحت بھی ملتی ہے۔

بشیر احمد صاحب کے شاعر دوستوں کی فہرست پہلے ہی بت گئی لیکن جب سے وہ "ادارۃ میرا شہر میرے لوگ" ایوانِ پرنس منظم جاہ "بیچ" ادارۃ سوغات نظر، خورشید احمد جانی بیسویں اکیڈمی کے مشاعروں میں پابندی سے شرکت کر رہے ہیں فہرست طویل ہوتی جا رہی ہے بشیر احمد صاحب جن مشاعروں کو بہت زیادہ اپنا سمجھتے ہیں ان مشاعروں میں ڈاکٹر علی احمد جلیلی، صلاح الدین نیر، رئیس اختر، ڈاکٹر

ہمارے نقوی، ہنبالی سنگھ، درما، موہن خان شوق، شفیق اقبال، انیسوری،
 شاعر ادیب، ڈاکٹر راہی، ہاشم حسن سعید، رشید جلیلی، یوسف بخت
 قابل ذکر ہیں۔ ادبی محفلوں میں اگر وہ کسی وجہ سے شرکت نہ کر سکیں تو ان
 کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی ہے وہ ایک خوش گفتار، خوش اخلاق، خوش
 مزاج انسان ہونے کے علاوہ ایک مہذب شہری بھی ہیں ایسے صاحبان
 کج کلام، وضع دار لوگ شہر میں بہت کم رہ گئے ہیں۔ بشیر احمد کی شاعری
 ان کے دلی جذبات کی آئینہ دار ہے یہ سید علی سادے لفظوں میں خوبصورت
 بات کہہ جاتے ہیں۔ ان کا شاعرانہ طرز اساتذہ سخن سے ملتا ہے۔ رواں
 دواں بحروں میں شعر کہتے ہیں ان کی زبان سٹھری اور ان کا لب و لہجہ
 شگفتہ ہے چونکہ بشیر احمد صاحب ایک آئینہ صفت پاک و صاف
 دل و دماغ رکھتے والے شاعر ہیں اس لئے ان کے اشعار ان کے
 جذبات و مشاہدات کے سچے ترجمان بن کر صفحہ قرطاس پر بکھر جاتے
 ہیں ان کے شعر سنانے کا انداز بھی منفرد ہے۔ تحت میں شعر سناتے ہیں
 لیکن ادھر کچھ دلوں سے نغمہ میں شعر سنار ہے ہیں ان کا نرم سماعت
 پر گراں نہیں گزرتا۔ بشیر احمد صاحب کے فن اور شخصیت کے مختلف
 گوشوں کی تصویر افشاں کیفیات کا سلسلہ بہت طویل ہے

ڈاکٹر راہی

معتبر قلم کار روشن خیال شاعر۔ حرکیاتی شخصیت

معاشرہ کدوہ کار آمد لوگ ہونے لگے پھر رواں دواں رہنے کو
ایک کار خیر سمجھتے ہیں اور جو اپنی حرکیاتی زندگی سے یہ ثابت کر دکھاتے
ہیں کہ خوشگوار محوں کی قدم و قیمت ان کی عظمت و منزلت کیا ہے
ایسے لوگ نہ صرف خود کے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی ایسا
روشن چراغ بن جاتے ہیں جن کی روشنی میں معاشرہ کا ہر گوشہ پُر نور
دکھائی دیتا ہے۔ خاص طور پر ایسے لوگ جو دوسروں کی فلاح و بہبود
کے لئے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف کر دیتے ہیں وہ ہر دور میں
پسند کئے جاتے رہیں گے۔ اس انتشاری دور میں کتنے ایسے لوگ
ہیں جو اپنی تنہائی کو مصروف زندگی کا ایک اہم حصہ بنا دیتے ہیں۔
کتنے ایسے لوگ ہیں جو پیر ہجوم حالات سے گزرتے ہوئے بھی اپنی
ذات کو مجروح ہونے نہیں دیتے۔ انا کا مسئلہ ہر باشعور شخص کے لئے

ایک کسوٹی کی حیثیت رکھتا ہے جو شخص اپنے آپ کو اپنی ہی نظروں سے گرا دیتا ہے وہ سماج کا بدترین شخص سمجھا جاتا ہے اور وہ شخص جو اپنی شخصیت کی ہر لمحہ حفاظت کرتا ہے وہ معاشرہ میں سرخرو رہتا ہے۔ اپنی غویشیوں کو بانٹنے کا فن ہر ایک کو نہیں آتا۔ جو لوگ خوشیاں تقسیم کرتے ہیں اگر ان کی زندگی میں محرومیاں ہوں بھی تو وہ اپنی محرومیوں میں کسی اور کو حصہ دار نہیں بناتے اور ان کا یہ فلسفہ اپنی جگہ کارفرما رہتا ہے کہ جس کا غم اُس کے ساتھ یہ اس لئے کہ ہر ایک کا دکھ، درد اپنا ہوتا ہے۔ وہ اپنی خود دار طبیعت اور اپنی شائستہ مزاجی کے تحفظ کے لئے خود ہی ہر قسم کی تکالیف کا سامنا کرتا رہتا ہے۔ دوسروں کو شریک غم ہونے نہیں دیتا۔ ایک ایسا شخص جس کی صبح روشنی کی علامت بن کر معاشرہ میں رفتہ رفتہ پھیل جاتی ہے اور وہاں وہاں تک روشنی پہنچاتی ہے جہاں جہاں اندھیرے ہیں تو ایسا شخص ایک کامیاب زندگی کا ضامن سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کے اجالوں اور اندھیروں سے گزرتے والے ایک شاعر ڈاکٹر راہی بھی ہیں جن کی زندگی کا ہر لمحہ صبح صادق کی طرح اجالوں کی بشارت دیتا ہے۔ ڈاکٹر راہی نے ایک سماجی حیثیت سے ہزاروں انسانوں کی خدمت کی ہے (اور کر رہے ہیں) لیکن ایک شاعر اور ایک ادیب و صحافی کی حیثیت سے بھی بے شمار احباب فکر و فن سے خراج وصول کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر راہی پیغمبر کے اعتبار سے

ایک مصروف ترین ڈاکٹر ہیں۔ صبح کی اولین ساعتوں سے لے کر رات کے پہلے حصہ تک وہ مصروف رہتے ہیں مسیحاؑ کا یہ سلسلہ خیر و خوبی کے ساتھ زائداً ۳۵ برسوں سے جاری ہے۔ میں واقف ہوں کہ ان کے مطلب کہاں کہاں واقع ہیں لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مغل پورہ کمان سے متصل کلینک ریڈینٹا بہت قدیم ہے یہاں وہ زیادہ تر شاعروں و ادیبوں کی بھی طبی اعانت کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ مجھے اُن سے ملاقات کے لئے اُن کے مطلب جانا پڑا تو میں نے اکثر دفعہ دیکھا ہے کہ کوئی نہ کوئی شاعر موجود رہتا ہے انہیں اپنے پاس سے دو اشیں مفت دیتے ہیں ڈاکٹر صاحب اپنے دوستوں کے علاج کے سلسلہ میں کوئی فیس نہیں لیتے۔ یعنی اُن سے اپنی خدمت کا معاوضہ نہیں لیتے۔ فرصت ہو تو کلینک میں انڈین میوزسٹریوس کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں۔ شاعر کی حیثیت سے بھی کافی مشہور ہیں۔ ان کی بزم جوہر کی خدمات بھی قابل تحسین ہیں۔ گزشتہ ۱۰ برسوں سے بزم جوہر کی ادبی و شعری سرگرمیاں جاری ہیں۔ ہمراہ نہایت پابندی سے شعر و ادب اور معاشرہ سے متعلق محفلیں ادبی اجلاس منعقد کیا کرتے ہیں میں بزم جوہر کے اکثر جلسوں میں شریک رہا کرتا ہوں۔ بزم جوہر کے اجلاس عاتقہ منزل (قریب مغل پورہ کمان) پر منعقد کرتے ہیں منتخب دانشور ان شعر و ادب ادبی اجلاس اور مذاکروں میں حصہ لیتے ہیں شعرو سخن کی محفل میں بحیثیت شاعر کلام سناتے ہیں بزم جوہر کی

نقص میں شہر کی نمائندہ شخصیتیں مدعور رہتی ہیں جو اپنے فکر و فن کی موتیاں
لٹاتے رہتے ہیں۔ ایسے دانشور شاعر و ادیب بھی شرکت کرتے ہیں
جن کے فکر و فن کی دولت سے ان کا دامن ہمیشہ بھرا ہوا رہتا ہے۔
ڈاکٹر راہی بزم جو ہر کے سالانہ جلسے بڑے اہتمام سے منعقد کرتے ہیں عام
جلسوں کے مقابلے میں سالانہ جلسوں میں کچھ اور نمایاں شخصیتیں شریک
رہا کرتی ہیں یہ ایک ایسی بزم ہے کہ جس کی سرگرمیاں شہر کی ادبی انجمنوں
میں اپنی منفرد کارکردگی کی وجہ سے اہم سمجھی جاتی ہے ڈاکٹر راہی تنہا اس
انجمن کے سب کچھ ہیں سارے انتظامات وہی کرتے ہیں اگرچہ بزم
جوہر کے کچھ اراکین بھی تعاون کا جذبہ رکھتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر راہی
کے کام کرنے کا طریقہ کچھ ایسا ہے کہ وہ اپنا کام خود کرنا چاہتے ہیں تاکہ
کارکردگی میں کسی قسم کا جھول پیدا نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ بزم کے
بانی ہیں جو ہر حال میں اپنے جلسوں کو کامیابی سے ہم کنار کرنا چاہتے
ہیں۔ ڈاکٹر راہی نہ صرف غزل کے شاعر ہیں بلکہ انہوں نے بہت
ہی اچھی اچھی نظمیں بھی کہی ہیں ان کے شعری مجموعوں میں عمدہ عمدہ
نعتیں بھی ملیں گی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ راہی حب رسول پاک
میں ڈوب کر شعر کہتے ہیں ڈاکٹر راہی کے تاحال تین شعری مجموعے ڈسک
تب تک تاب، ہلکے نام سے شائع ہو چکے ہیں نثر میں ان کی ایک کتاب شائع ہوئے
والی ہے جو ان کے ادبی مضامین پر مشتمل ہوگی۔ ڈاکٹر راہی کے کچھ
مضامین ادبی رسائل میں چھپتے رہتے ہیں ڈاکٹر راہی شگفتہ شائستہ نثر

کہتے ہیں۔ بزم جوہر کے جلسوں میں ان کے کلیدی نوٹ کی بھی کافی اہمیت
رہتی ہے ایک جگہ بھی بھرتی کا نہیں ہوتا۔ ان کا نوٹ مبصرین تقریب
کے لئے سرچشمہ موضوع ثابت ہوتا ہے۔

ڈاکٹر راہی سے میری ملاقات کا سلسلہ بہت قدیم ہے۔ میری
ابتدائی شاعری کے زمانے میں جو شعراء مشاعروں میں شرکت کرتے تھے
ان میں سے تقریباً ۵۷ شاعر کہاں ہیں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لیکن ۴۰
برسوں میں جو شعرا اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا احساس دلاتے رہے ہیں
ایسے شاعر کچھ اچھی طرح یاد ہیں۔ ڈاکٹر راہی کو میں گذشتہ ۱۲، ۱۵ برس
سے کچھ زیادہ ہی جاننے لگ گیا ہوں۔ جیسے فقیرا شہر میرے
لوگ سے وابستہ ہو گئے ہیں ادارہ کے جلسوں میں پابندی سے شرکت
کرتے ہیں مجھ سے متعلق اور میرے خاص شاعر دوستوں سے متعلق
جو ادبی محفلیں سرگرم عمل رہتی ہیں ان میں ڈاکٹر راہی موجود رہا
کرتے ہیں جیسے ادارہ میرا شہر میرے لوگ، ایوان پرنس معظم جاہ
شبیخ، سوغات نظر، خورشید احمد جامی میموریل اکیڈمی وغیرہ۔
مسل ملقاتوں نے دوستی اور مراسم کو کافی استحکام بخشا ہے۔ اب تو
یہ حال ہے کہ ہر اہم شاعرہ میں جس میں شرکت کرتا ہوں یا میرے
زیر انتظام رہتا ہے ڈاکٹر راہی بھی شریک رہتے ہیں۔ اضلاع کے مشاعروں
مشاعروں میں بھی ڈاکٹر صاحب سناٹھا رہتے ہیں۔ اضلاع کے مشاعروں
میں تقریباً ۱۲، ۱۵ سال سے شرکت کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر راہی یار باش

بالگردار اصول پسند، صاف گو اور اپنے دوستانہ مراسم میں دیانتدار
 آدمی ہیں جو بات کہتی ہو صاف صاف کہتے ہیں وہ اپنے دوستوں
 کو ہمیشہ خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے مشاعرہ دوست
 انتہائی خوشگوار ماحول میں اپنا شعری وادبی سفر جاری رکھیں اور
 شعر و ادب کی جو اعلیٰ اقدار ورثے میں ملی ہیں ان کی پاس داری کریں
 اور اپنے اسلاف کے کارناموں کو یاد کرتے رہیں۔ نہ صرف اپنی بہتری
 کے لئے بلکہ معاشرہ کی بہتری کے لئے بھی۔ ڈاکٹر راہی صرف ایک شاعر
 ہی نہیں مبصر بھی ہیں اور بہترین نقاد بھی ہیں تمام اصنافِ سخن
 سے انہیں دلچسپی ہے لیکن غزل ان کے شاعرانہ مزاج سے ہم آہنگ
 ہے بڑے سلیقے سے شعر کہتے ہیں تحت، اللفظ میں کلام سناتے ہیں
 ان کا شعر سنانے کا انداز بہت منفرد ہے مشاعروں میں چھا جاتے
 ہیں شعر اس انداز سے پڑھتے ہیں کہ سامع پوری توجہ کے ساتھ
 ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں ایسا شاعر ہمیشہ کامیاب رہتا ہے جس
 کے اشعار کے ساتھ سامعین بھی سفر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر راہی کے ساتھ
 اضلاع کے مشاعروں کا سفر نہایت کامیاب رہتا ہے خوشگوار موڑ
 میں رہتے ہیں۔ سنجیدہ، شائستہ و پُر لطف لطیف کہتے ہیں
 لیکن سننے زیادہ ہیں۔ اضلاع کے مشاعروں میں ان کی ذریعہ کار جلتے ہیں
 کار کا سفر ہمارے لئے سہولت بخش رہتا ہے وقت پر پہنچ جاتے ہیں
 اور آرام سے جلتے اور آتے ہیں مشاعرے کے فوری بود شہر کے لئے

رمانہ ہوتے ہیں ص ۷۶ بجے تک شہر لوٹ جلتے ہیں ساری رات جاگنے
 میں محک جانیے عموماً اضلاع کے مشاعروں میں شرکت کئے ہم دوپہر
 کے بعد اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں۔ میں اور میرے ہم خیال
 مشاعر ہم برس سے اضلاع کے مشاعروں میں شرکت کر رہے ہیں۔
 اضلاع کے مشاعروں میں میرے ہم خیال شاعر زیادہ مدعو کئے جاتے ہیں
 ڈاکٹر راہی نہ صرف مشاعروں کی گھنٹہ گھی سے دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ اردو
 تحریک اور اردو کا زکے بھی کام کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نہ صرف
 شہر کے اور اضلاع کے مشاعرہ میں ہی شرکت کرتے ہیں بلکہ کل ہند
 مشاعروں میں بھی مدعو کئے جاتے ہیں۔ کل ہند مجلس انجاء المسلمین کے
 زیر اہتمام منعقدہ کل ہند نعینہ مشاعرہ میں بھی کلام سُنانے ہیں مشاعرہ میں
 ڈاکٹر صاحب کو میں نے کبھی شیردانی پہننے نہیں دیکھا البتہ کوئی خاص تقریب
 ہو تو شیردانی پہننے میں ڈاکٹر راہی کسی سے دوستی کرتے ہیں تو جسم
 کر کرتے ہیں ان کی دوستی مثالی ہوتی ہے دوستوں کے کام آتے ہیں وہ شہر
 کے والا جا ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر راہی خوش مزاج، نفاست
 پسند، دین دار اور بامروت آدمی ہیں ان کا یہ وصف آج کا نہیں برسوں کا

قاضی محمد اسماعیل

(مسلم معاشرہ کی مہذب شخصیت۔ کہنہ مشق شاعر)

وہ لوگ جو اصلی فذروں، انسانی رشتوں اور تہذیبی افتداری کی پاسداری کرنے ہوئے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو کیف آور، سرسبز و شاداب اور خوشگوار بنانے کا ہنر مانتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی طرح داری، کج کلاہی اور وضع داری کو اپنی بہترین زندگی اور اپنے عمدہ طرزِ حیات کا سرچشمہ سمجھتے ہیں اور وہ لوگ جو محبت و اخوت، شرافت و نجابت، مردت و صداقت، رواداری، روایت پسندی اور تہذیب و ثقافت کو حاصل زندگی سمجھتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے رہن سہن، اپنے طور و طریق اور اپنے رکھ رکھاؤ کے تناظر میں اپنے اسلاف کی روشن علامتوں کے ترجمان ہوتے ہیں اور وہ لوگ جن کا ایک ایک پل معاشرہ کی سرخروئی اور اُس کی بہتری کے لئے سرگرم عمل رہتا ہے اور وہ لوگ جو دوسروں کی سرنیوں کو دو بالا کرنے کے لئے اپنے حصہ کی خوشیاں دوسروں میں بانٹ

دیتے ہیں اور وہ لوگ جن کا مقصد حیات ہی پھولوں کو تازگی بخشنا،
 ماحول کو تروتازہ بنانا، نسیم صبح کی ہر انگڑائی کو اپنا ہم نوا بنانا اور سنا
 معطر فضاؤں کو ساری انسانیت کے لئے چشمِ نگران کا اعزاز عطا کرنا
 ہوتا ہے اور وہ لوگ جن کا دامن ہلکتے ہوئے پھولوں، تازہ ہواؤں
 کرن کرن آجاولوں اور حیاتِ افروز لمحات سے معمور ہوتا ہے ایسے ہی
 دانشورانِ شعور و ادب اور صاحبانِ علم و دانش میں قاضی انجم عارفی کا
 بھی شمار ہوتا ہے۔

ہر انسان کو اپنی زندگی میں کچھ ایسے لوگوں سے بھی بخوار ہو جاتا
 ہے جن کے بارے میں سوچنے، سمجھنے اور غور کرنے سے دل و دماغ جھلکے
 نکلتے ہیں۔ خوش مزاجی و خوش طبعی، دل پذیری و دل آویزی،
 دلچسپی و جُردباری، ملساری و اعلیٰ ظرفی، روابط میں بے ساختگی اور
 معاملاتِ دین و دنیا میں صداقت پسندی، راست گوئی، حق پرستی و
 قدر شناسی انسان کو اعلیٰ و ارفع بنا دیتی ہے۔

قاضی صاحب اپنے عمدہ خصائل، اپنی اعلیٰ فذ و قیمت اور اپنے
 پُر اثر تہذیبی رشتوں کو محسوس کرنے والی شخصیت کی حیثیت سے
 اپنے ہم عصروں میں ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔ شعری و ادبی ذوق
 انہیں ورثے میں ملا ہے اُن کے والدِ محترم قاضی میر سرفراز علی عارف
 ابوالعلائی اپنے وقت کے ممتاز شاعر و ادیب ۱۲ کتابوں کے مصنف /
 مؤلف تھے انجم عارفی صاحب اپنے ورثے کے تقدس کے تسلسل میں اپنے

شعری و ادبی سفر کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی شاعری، ان کی زندگی کی آئینہ دار ہے چاہے وہ مذہبی شاعری ہو کہ غیر مذہبی شاعری غزل گوئی یا نظم نگاری۔ وہ پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ قلم و قسط اس کی آبرو کو باقی رکھتے ہوئے اپنے منصب شاعری پر فائز ہیں۔

قاضی صاحب سے میرے ایک یا دو دن کے نہیں برسوں کے مراسم ہیں۔ ہماری شناسائی کو دوستی کا روپ اختیار کرنے میں کچھ زیادہ دن نہیں لگے۔ ہماری ابتدائی پہچان رفتہ رفتہ دوستی کے زمرہ میں داخل ہو گئی۔ اب ہماری دوستی دوستی کے معیار پر پوری اتر چکی ہے۔ قاضی صاحب سے میرے روابط اس وقت زیادہ استوار ہوئے جب مجھے اپنے رشتے کی ایک بہن کے میریج سرٹیفکیٹ کے سلسلے میں فی الفور اُن سے تعاون حاصل کرنا ضروری تھا (چونکہ میری بہن بیرون ملک جانے والی تھی) مجھے یاد نہیں ہے کہ قاضی صاحب سے میری پہلی ملاقات کب کہاں اور کس سلسلے میں ہوئی تھی البتہ مجھے اتنا ضرور یاد ہے کہ پہلی ملاقات تعمیرِ مکت کے سالانہ جلسہ رحمت للعالمین کے موقع پر ہوئی تھی وہ بھی اُس جلسے میں نعت شریف سنانے والے تھے۔ اُس جلسے میں مجھے بھی نعت کلام سنانے کی سعادت حاصل ہوئی تھی (یہ بات شاید زائد از ۲۵ برس پہلے کی ہے) قاضی صاحب سے جب میرے روابط میں اضافہ ہونے لگا تو میں نے اُن میں وہ تمام خوبیاں پائیں

جو ایک بہترین انسان اور ایک بہترین دوست کی نمایاں خصوصیات سمجھ جاتی ہیں۔ میں نے یہ طے کیا کہ قاضی صاحب جیسے ایک اچھے انسان اور ایک اچھے شاعر کو اپنی محفلوں میں مدعو کرنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے انہیں اپنے ہم خیال حلقوں سے متعلق ادبی جلسوں اور مشاعروں میں مدعو کرنا شروع کیا۔ مجھے اُس وقت زیادہ خوشی ہوتی تھی جب وہ اپنی پوری شخصیت کے ساتھ محفلِ شعر و ادب میں داخل ہو کر تے تھے۔ اور اپنی ایک صاف ستھری غزل سنا کر محفل میں اپنی شاعرانہ عظمتوں کا رنگ جلاتے ہیں۔ مشاعروں کے علاوہ اُن سے دیگر ادبی و تہذیبی علمی و ثقافتی محفلوں میں بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ہر ملاقات میں ان کا انداز گفتگو، ان کی شرافت و محبت اور ان کے بے لوث خلوص کے بہت سے جوہر گھلنے لگے۔

کہا جاتا ہے کہ اچھے لوگوں سے رسم و راہ رکھنے سے زندگی کا زاویہ ہی بدل جاتا ہے۔ لوگ اچھے دوستوں اور اچھے انسانوں کے متلاشی رہتے ہیں لیکن مجھے اچھے دوستوں کی تلاش میں زیادہ محنت نہیں لگنی۔ تازہ پھولوں کی ہلکے طرح مجھے اچھے دوست ملتے رہے اور میں ہر موسم کی تازہ ہواؤں کی طرح ان کا خیر مقدم کرتا رہا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میں اپنے بعض دوستوں پر بہت زیادہ نازاں ہوں جن میں سے ایک دوست قاضی انجم عارف بھی ہیں۔ قاضی صاحب انتہائی پُر خلوص، با اعتماد، پُر فکار، صلح کن، پاکیزہ طبیعت، شائستہ طبیعت اور عمدہ افکار کی ترجمانی کرنے والے

ایک ہمدرد شہری ہیں۔ ان سے جو بھی تائب ہے یا تو وہ اُن کا بن جاتا ہے یا اُن کو اپنا بنا لیتا ہے لیکن زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جو اُن کے بن جاتے ہیں۔ ہماری محفلوں میں قاضی صاحب جب رونق افروز ہوتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ موسم بہاراں کو لا رہے ہیں بہاراں بھر رہے ہیں کہ شخصیت ہر ایک کی نہیں بنتی۔ جن کی بن جاتی ہے اُن کے پیچھے اُن کی شرافت و کردار کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ ہمیں اپنے معاشرہ میں بے شمار لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے لیکن سیکڑوں لوگوں میں سے کبھی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی پہچان کے ساتھ ملنے ہیں۔ قاضی انجم عارفی کو کون نہیں جانتا۔ شہر کے تمام علماء و مشائخین ہی انہیں تکریم و تائید تمام شاعر و ادیب اور مختلف علمی و ادبی اداروں سے وابستہ اصحاب بھی اُن کے قدر و ثمن سے ہیں۔

قاضی صاحب نے وقف بورڈ کی اپنی خدمات کے ذریعہ لوگوں کی برکت و مدد کی ہے (آج بھی کہہ رہے ہیں) میں یہ بات بھولا نہیں ہوں کہ جناب عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر (سیاست) قاضی صاحب کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ وقف بورڈ سے متعلق اگر کوئی کام تھا تو مجھ سے فرمانے کہ قاضی صاحب سے کہہ دو کہ ہم سے مل لیں۔ قاضی صاحب فی الفور دفتر سیاست آتے اور انتہائی سعادت مندی کے ساتھ تفویض کردہ کام بہ حسن و خوبی انجام دیتے۔ شہر میں بہت سے ایسے صاحبانِ علم و فن و فنون کے قاضی صاحب سے تعاون حاصل کرتے ہوں گے۔

ہر شخص کی زندگی میں اپنے دوستوں کی ایک فہرست ہوتی ہے۔
 کسی کی فہرست بہت طویل ہوتی ہے تو کسی کی بہت مختصر۔ لیکن قاضی صاحب
 اپنے فرائض دل واقع ہوئے ہیں کہ ان کے دوستوں کی ایک بہت بڑی
 فہرست ہے۔ قاضی صاحب کو میں نے ہمیشہ شگفتہ موڑ میں پایا۔ نہ تو
 وہ دملنے کی شکایت کرتے ہیں اور نہ ہی دملنے والوں کی۔ انجم عارفی
 جیسے مہتمم لوگ بہت کم ہوتے ہیں اپنے ہر کام کو اللہ کی مرضی پر چھوڑنے
 والے لوگ ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوتی
 ہے کہ وہ ایک سایہ دار درخت کی طرح صد خاندان کے فرائض نہایت
 معتبری اور وضع داری کے ساتھ نبھا رہے ہیں نیک اولاد ہر ایک کے
 نصیب میں نہیں ہوتی۔ پتہ نہیں کونسی نیکیوں نے قاضی صاحب کو اپنے
 تمام اہل خاندان سے اس قدر جوڑ رکھا ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ خدا
 کی ہر بات کے ساتھ ساتھ ان کے والدین کی دعائیں بھی ان کے ساتھ ہیں
 تہذیب یافتہ یا ادب بیٹوں کے تذکروں سے وہ اس طرح خوش ہوتے
 ہیں جیسے انہیں دنیا کی ساری دولت مل چکی ہے۔ اپنے شاہرہ بیٹے
 قاروق عارفی ہی نہیں بلکہ تمام بیٹوں (قاضی سلیم عارفی، قاضی ساجد عارفی
 قاضی باوید عارفی اور قاضی خسرو عارفی) پر ان کا دست شفقت ہمیشہ
 رہتا ہے (تجلی تو تمام بیٹے تہذیبی اقدار کے پاسدار ہیں) قاضی صاحب
 کے گھر کا ہر فرد معطر فضاؤں اور نوز و نعمات کی برکتوں سے مالا مال ہے
 ان تمام پر رحمت خداوندی سایہ فگن ہے۔ اور جس گھر پر خدا کی خاص

دربانی جوتی ہے وہاں کا حال ہی کچھ اور ہوتا ہے سارے گھر میں روشنی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ جس طرف بھی نظر پڑا اٹھائیے اجالا ہی اجالا نظر آئے گا۔

انجم عارفی ایک شاعر دوست کی حیثیت سے بھی اپنی شاعر برادری میں انہیاں یثیت رکھتے ہیں۔ میں نے انہیں معاشرہ کی ہر اونچی سطح پر دیکھا ہے چلے وہ سرکاری ماحول ہو کر غیر سرکاری ماحول قاضی صاحب اپنے شناساؤں اور اپنے وسیع حلقہٴ احباب میں گھرے ہوئے رہتے ہیں۔ علماء و فضلا کی مجالس ہو کر شاعروں، ادیبوں، صحافیوں کی مجلسیں ہوں بے حد پسند کئے جاتے ہیں۔ میں نے قاضی صاحب کو جہاں راسٹر ٹی بیلائٹ میں سابق صدر جمہوریہ ہند اکٹر شنکر دیال شرما اور راج بھون میں سابق گورنر آندھرا پردیش (موجودہ نائب صدر جمہوریہ ہند) جناب کرشن کانت کو شعر سناتے ہوئے دیکھا ہے وہیں انہیں چھوٹی چھوٹی شعری محفلوں میں بھی کلام سناتے ہوئے دیکھا ہے بزرگوں نے کہا ہے کہ بہترین انسان اپنے بہترین فن کا مظاہرہ کرتا ہے اور ایک اچھا انسان اپنے گھرے گھرے خیالات سے معاشرہ کے تمام گوشوں کو فیض پہنچاتا رہتا ہے۔ عارفی صاحب شہر کی خاص خاص ادبی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں ادارہ میرا شہر میرے لوگ، البوان پریس معظما جاہ شجاع، سوغاتِ نظر، بزمِ جوہر، نور شیدا صدیقی، میو ریل اکبڈمی کے ادبی جلسوں اور مشاعروں میں پابندی سے شرکت کرتے

میں ان کی شاعری جہاں کلاسیکل اسکول کی نمائندگی کرتی ہے وہیں
 عصر حاضر کے رجحانات کی بھی عکاس ہے۔ عارفی صاحب بنیادی طور
 پر غزل کے شاعر ہیں لیکن انہوں نے موضوعاتی اظہیں بھی کہی ہیں
 ان کا نعتیہ کلام عقیدت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے مجلس اتحاد المسلمین
 کے سالانہ کل بنہ نعتیہ مشاعروں میں وہ لازماً مدعو کئے جلتے ہیں۔
 گزشتہ ۲۰۱۵ سال سے میں انہیں سن رہا ہوں۔ جب رسول میں
 سرشاران کی شاعری عاشقانِ رسول پاک کے قلب کو تسکین پہونچاتی
 ہے ان کی مغز لبیبہ شاعری بھی انسانی رشتوں کے اظہار کا موثر ذریعہ بنی
 ہوئی ہے۔ عارفی صاحب کی شاعری پوری توجہ کے ساتھ پڑھے جانے کی
 منتقاضی ہے یا شعورِ فارسی اور صاحبِ نظرِ سراج سے داد و تحسین
 حاصل کرتی رہتی ہے۔ قاضی انجم عارف ایک دیدہ و دانسان ہیں۔ ان کے
 اعلیٰ کردار کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ایک یارِ بخش آدمی ہیں
 لیکن اپنے رکھ رکھاؤ اور روابط میں کبھی کبھی فاصلہ کی اہمیت کو بھی
 پیشِ نظر رکھتے ہیں ہر ایک سے کھل کر ضرور ملتے ہیں لیکن خاص خاص
 لوگوں سے اپنے روابط کو اولیت دیتے ہیں۔ وہ فطرتاً خوش طبع
 خوش مزاج انسان ہیں۔ انہیں میں نے ہر موڑ پر کھرا اور سیدھا پایا۔

افتخار احمد اقبال

(بہترین شاعر - نامور ادیب، عمدہ انسان)

اگر کسی گھر میں تمام کے تمام لوگ نائق و فائق ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ ”اس خانہ سیم آفتاب است“۔ چاہے ان کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے کیوں نہ ہو اور اگر کسی گھر کا سارا ماحول علمی و ادبی سرگرمیوں کا آئینہ دار ہوتا ہے تو وہاں کا ہر فرد اپنے اپنے ذوقِ سلیم کے مطابق اپنی صلاحیتوں کے بہترین اظہار کے موقف میں رہتا ہے۔ خاص طور پر ایسے گھرانوں کے لوگ جو علمی و ادبی مجلسوں سے وابستہ رہ کر معاشرہ کے لیے قابل قبول ہوتے ہیں وہ اپنی انفرادیت کے ساتھ خوشگوار زندگی گزارتے ہیں اس طرح کے لوگوں میں بہترین استاد اردو، نامور شاعر و ادیب جناب افتخار احمد اقبال بھی شامل ہیں جن کے اسلاف نے علم و ادب کے چرچہ جلاسنے میں اپنی عمر گزار دی۔ افتخار احمد اقبال ممتاز شاعر، کرام محمد شید احمد جانی اور امیر احمد خسرو کے چھوٹے بھائی ہیں۔ افتخار احمد اقبال صاحب

کا لفظ پیشہ درس و تدریس سے رہا ہے۔ وہ نہ صرف ایک عمدہ شاعر
 ہیں بلکہ ایک نامور ادیب بھی ہیں جن کی نثر کا بہترین مظاہرہ روزنامہ
 'منصف' میں شائع شدہ تحریروں سے ہوتا رہتا ہے۔ افتخار اقبال
 کی تحریروں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انھیں نہ صرف کسی خاص موضوع پر
 اظہار خیال کا ملکہ حاصل ہے بلکہ وہ بہترین انشائیہ پرداز اور خاکہ نگار بھی
 ہیں۔ ہر نئے اور اچھوتے موضوع پر اس طرح خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ محسوس
 ہوتا ہے کہ وہ ایک صاحبِ طرز ادیب ہیں۔ انہوں نے چوں کہ کئی بہت
 سی انھیں کبھی ہیں جو بہت پہلے حیدر آباد کے بعض اخبارات میں شائع ہوتی
 رہی ہیں۔ اقبال صاحب عمدہ نظمیں، غزلیں، رباعیات و قطعات بھی
 کہتے ہیں۔ ان کی شاعری سے خاص طور پر شعرائے کرام اور مختلف مکاتب خیال
 رکھنے والے سچے خود شنید احمد جانی، مجبور علی اکیڈمی کے شاعروں میں
 شرکت کرتے ہیں۔ ان کے انداز ہوتے ہیں اگرچہ ان کی شاعری کلاسیکی
 شعری ادب کا بہترین نمونہ ہے لیکن عصری رجحانات سے بھی وہ لاعلم
 نہیں ہیں۔ شعرتخت میں بھی سناتے ہیں اور نثر غم میں بھی۔ ان کا نثرم
 جانگر اسکول کے شاعروں کی یاد دلاتا ہے۔ افتخار احمد اقبال کو ہیں
 تقریباً ۲۵، ۳۰ برسوں سے جانتا ہوں۔ ان سے میری اکثر ملاقات
 اس وقت ہو کرتی تھی جب میں امیر احمد خسرو صاحب سے ملاقات کے
 لیے ان کے دولت خانہ پر پہنچتا تھا۔ اقبال صاحب 'خسرو صاحب' کے
 مکان امیر اکاؤنٹن سلطان پورہ میں رہتے ہیں، نہایت مختص اور

نفس انسان ہیں۔ خورشید احمد جانی میموریل اکیڈمی کے صدر رہے ہیں۔ جبکہ
 میں اس اکیڈمی کا مشیر ہوں۔ رئیس اختر صاحب متعدد عمومی اور شغف اقبال
 سمند، شارق خسرو خازن ہیں۔ خورشید احمد جانی میموریل اکیڈمی کے
 ادبی اجلاس و مشاعرے ہمراہ پابندی سے ہوا کرتے ہیں۔ اس اکیڈمی
 کے بانی جناب امیر احمد خسرو تھے۔ اکیڈمی کا افتتاح بڑے پیمانے
 پر ۱۹۹۶ء میں گاندھی بھون میں ہوا تھا افتتاحی جلسہ کے بعد کچھ مہینوں
 تک اکیڈمی کی ادبی تحفیں ہوتی رہیں لیکن خسرو صاحب کے انتقال کے
 بعد اس کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ لیکن اکیڈمی میں نے افتخار احمد اقبال
 سے کہا کہ جس انجمن کی بنیاد امیر احمد خسرو صاحب نے ایک خاص مقصد کے لیے
 رکھی تھی اس میں کسی قسم کا بھی تحطل مناسب نہیں ہے میری توجہ دہانی
 کے بعد اکیڈمی کی سرگرمیوں کا احیاء ہوا اور الحمد للہ یہ اکیڈمی
 گزشتہ تین برسوں سے انتہائی پابندی کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کو جاری
 رکھے ہوئے ہے۔ اکیڈمی کے اجلاس ادبی و سماجی، تہذیبی و ثقافتی
 موضوعات پر ہوا کرتے ہیں۔ مذاکرہ کا ہر موضوع اچھوتا اور چونکا
 دینے والا ہوتا ہے۔ تاحال بیسیوں مذاکرے ہو چکے ہیں۔ اجلاسوں
 میں منتخب شعراء اپنا کلام سناتے ہیں۔ صدر اکیڈمی افتخار احمد اقبال
 انتہائی خلوص کے ساتھ میزبانی کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ افتخار احمد
 اقبال کا تاحال ایک مجموعہ کلام بھی شائع نہیں ہوا۔ لیکن میں نے سنا ہے
 کہ وہ اپنا مجموعہ کلام ترتیب دے چکے ہیں جو بہت جلد زیر طباعت ہے

بہترین بہتر انداز میں آراستہ ہوتے والے۔ اختیار احمد اقبال
 ایک ایسے مقرر بھی ہیں ان کے علمی و ادبی، سیاسی و سماجی معلومات
 قابلِ تحسین ہیں۔ ہر مضمون پر کھل کر اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ شعری ادب
 کی جو کہ قشری ادب ان کا مطالعہ گہرا ہے بہت ہی عمدگی کے ساتھ اپنا
 مافی الضمیر ادا کرتے ہیں۔ ۱۹۹۶ء میں نامور شاعر خورشید احمد جاتی نے
 حقیقیہ کلام کو توجیہ کر کے ایک ضخیم مجموعہ ”انتخاب کلام جاتی“ کے نام سے شائع
 ہو چکا ہے جس کے مرتب جناب رئیس اختر ہیں اس کتاب کی ترتیب و
 ترتیب اور اشاعت کے مراحل میں افتخار صاحب کی شخصی دہی کا بھی
 بہت بڑا دخل رہا ہے۔ افتخار احمد اقبال کے بعض قویٰ رشتہ داروں
 میں نامور مزاح نگار رشید قریشی اور عزیز قریشی پیر و گرام انگریزیوں کی
 انڈیا ریڈیو بھی شامل ہیں جو اب ہم میں نہیں رہے۔ افتخار صاحب
 کو علمِ عروض سے بھی اچھی خاصی واقفیت ہے جب تک شتاس انسان ہیں
 دورانِ گفتگو یہ احساس ہوتا ہے کہ ان میں حسنِ مزاج بھی موجود ہے
 مذاکرہ کے دوران ان کی گفتگو اگرچہ طویل رہتی ہے لیکن بامعنی ہوتی ہے
 وہ ایک چمکے ہوئے شاعر و ادیب کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں شہرت
 رکھتے ہیں وہ اگلے تیسرے سنتی رہتے ہیں کہ ایڈیٹیو سسر میاں پیر احمد از میں جاری ہیں
 اور ارتقائی منزل طے کرتی رہیں۔ زمانہ ایسے لوگوں کو ہمیشہ اچھی لگا ہوا ہے دیکھتا ہے
 جو اپنے بزرگوں کی یاد کو زندہ رکھتے ہیں لاکھپائی کے ذریعہ خورشید احمد جاتی اور امیر احمد خسرو کی
 یاد کو زندہ رکھنا رہا ہے خورشید قریشی توفیق کا خزانہ ہے کہ ہم ہمیشہ اپنے بزرگوں کی اعلیٰ

روایات کو باقی رکھیں اور ان کے نقش قدم پر گامزن رہیں۔
 افتخار احمد اقبال کو میں نے خورشید احمد جاتی میموریل اکیڈمی کے قیام
 سے پہلے کبھی کسی مشاعرے میں کلام سناتے ہوئے نہیں دیکھا تھا شکیلا انہیں
 مشاعروں میں شرکت کرنا اور کلام سنانا پسند نہیں۔ بعض شاعر ایسے ہوتے ہیں
 جو صرف اپنے مخصوص اجاب کو ہی کلام سناتے ہیں۔ افتخار احمد اقبال اپنے
 شاعرہ بھائیوں خورشید احمد جاتی اور امیر احمد خسرو کی بہت عزت کرتے تھے
 افتخار احمد اقبال فارسی زبان پر بھی عبور رکھتے ہیں ان کے کلام میں اردو کے
 ساتھ ساتھ فارسی اور ہندی کے بہت سے الفاظ ملیں گے۔ افتخار احمد اقبال
 صاحب ہندی زبان سے بھی اچھی طرح واقف ہیں ان کے کلام میں ہندی
 کے مانوس لفظ بڑی خوبصورتی کے ساتھ استعمال کیے گئے ہیں۔ ان کا
 کلام شہر کے اخباروں میں بھی شائع ہونا چاہیے اور ادبی رسالوں میں بھی۔
 ”خوشبو کا سفر“ میں ان کا کلام شائع ہونا بہت مناسب ہے افتخار احمد اقبال کا
 رکھ دکھاؤ بھی ان کے بزرگوں کی اعلیٰ روایات کی ترجمانی کرتا ہے خوش
 مزاج، شائستہ طبیعت اور معقول انسان ہیں۔ افتخار احمد اقبال سے کسی
 بھی محفل میرا ملاقات ہوتی نہیں کیونکہ وہ ادبی و شعری محفلوں میں
 شرکت کرنے سے گریز کرتے ہیں البتہ خورشید احمد جاتی میموریل اکیڈمی
 کی ادبی تقریب میں ان سے لازماً ملاقات ہو جاتی ہے یہ دیکھ کر بڑی مسرت
 ہوتی ہے کہ وہ اپنے بھائی امیر احمد خسرو کی قائم کردہ ادبی انجمن خورشید احمد جاتی
 میموریل اکیڈمی کی بہتر سے بہتر سرگرمیوں کے لیے تھپی لیا کرتے ہیں۔

رشید جلیلی

(خانوادہ جلیل کا ایک اور چراغ۔ ایک اچھے شاعر)

اُردو شعروادب کی تاریخ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ بعض شاعر و ادیب اپنے اسلاف کے کارناموں کا عکس جمیل بن کر ابھر چکے ہیں۔ اور اب بھی اس طرح کے قلم کار و فن کار ملتے ہیں جو اپنے باکانت پرکھوں کی روایت کے امین ہیں جن شعروں کو شاعری ورثے میں ملی ہے ان کے نام شعری و ادبی محفلوں میں چھپی روایتوں کے حوالے سے پلے جاتے ہیں ایسے بھی بہت سے شاعر و ادیب گزرے ہیں اور موجود ہیں جن کے اسلاف میں کوئی ایک بھی صاحبِ قلم نہیں تھا حیدر آباد کا ایک کہنہ مشوق شاعر جناب رشید جلیلی کا تعلق اس اہمید کے پہلے حصہ سے ہے اس لیے میں نے خانوادہ جلیل کا ایک اور شاعر لکھا ہے خانوادہ فصاحت جنگ جلیلی کے سب سے روشن و مستند شاعر ادیب و نقاد اکر علی احمد جلیلی ہیں۔ رشید جلیلی کی شاعری کا

کارشہ بھی دھات بنگ جلی کے فکر و فن کی پرچھائیوں اور رعایتوں کا ایک تسلسل ہے جنہیں ڈاکٹر علی احمد جلی سے شرفِ تلمذ حاصل ہے رشید جلی کی ملازمت کا تعلق محکمہ ٹیلی ٹیلیو نیکیشنز سے رہا ہے۔ ان کی ملازمت کا آغاز ۱۹۶۵ء سے ہوا اور ۱۹۹۸ء میں یہ حیثیت اسٹنٹ انجینئر ٹیلی کمیو نیکیشنز وظیفہ پر سبکدوش ہوئے۔ ملازمت کے سلسلے میں رشید جلی صاحب کو ملک کے کئی مقامات (احمد آباد، سورت، ممبئی وغیرہ) پر جانا پڑا۔ جہاں بھی وہ رہے شعر و ادب سے دلچسپی لیتے رہے۔ کئی مشاعروں میں حصہ لیتے رہے۔ رشید جلی نے جامعہ عثمانیہ سے اردو میں ایم اے کیا۔ جل پور (مدھیہ پردیش) سے ٹیلی کمیو نیکیشنز انجینئرنگ کا ڈیپلوما لیا۔ رشید جلی سنگاریڈی میں بھی اسٹنٹ انجینئر ٹیلی کمیو نیکیشنز کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ سنگاریڈی میں شاعروں کا اہتمام کیا۔ منتظربین مشاعر کے ساتھ تعاون کیا۔ جب رشید جلی کا تبادلہ حیدرآباد ہوا تو وہ مشاعروں سے دلچسپی لینے لگے اور جب ہمیں معلوم ہوا کہ رشید جلی ڈاکٹر علی احمد جلی کے شاگرد ہیں تو ہم نے انہیں اپنی کفول میں شرکت کی دعوت دی۔ "میرا شہر میرے لوگ" "صوفاتِ نظر" خورشید احمد جانی میموریل اکیڈمی یزم جوہر اور حبان اردو کے مشاعروں میں شرکت کرنے لگے۔ رشید جلی غزلیں بھی کہتے ہیں اور نظمیں اور قطعات بھی۔ نعتیں اور منقبتیں بھی کہتے ہیں۔ کلامِ نعت میں سناتے ہیں داد و تحسین سے نوازے جاتے ہیں۔ غنقریب ان کا مجموعہ کلام "آبروئے قائم"

کے نام سے شائع ہونے والا ہے۔ رشید جلیلی نہایت منکسر المزاج ،
 وضع دہراور نیک صفت انسان ہیں۔ ان کی شخصیت کچھ اس طرح
 کہے کہ ان سے ملنے والا پہلی ملاقات ہی میں ان سے متاثر ہو جاتا
 ہے۔ بہت ہی پاک و صاف ، بااخلاق ، مخلص آدمی ہیں۔ آداب
 محفل کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اختتام محفل تک شریک محفل رہتے
 ہیں جو ان کی شائستگی اور ان کے اخلاق کی دلیل ہے۔ ادبی و شعری
 محفلوں میں وقت پر آتے ہیں۔ پوری توجہ کے ساتھ تقریریں بھی سنتے
 ہیں اور شعر بھی سنتے ہیں۔ اچھے شعر سن کر داد دینے کا انداز بھی باوقار
 ہوتا ہے۔ خندہ پیشانی اور خوش دلی کے ساتھ اپنے احباب سے ملتے
 رہتے ہیں۔ ان کے چہرہ پر دوران ملاقات مسکراہٹ نمایاں رہتی
 ہے۔ وعدہ کے پابند اور ایک با اصول انسان ہیں۔ ہماری محفلوں
 میں پابندی سے شرکت کرتے ہیں کبھی کبھی غزل سنانے سے قبل
 قطعات بھی سنانے ہیں۔ کچھ معلوم ہے کہ وہ اپنے حلقے کے بہت
 سے شاعروں و ادیبوں کو ٹیلیفون ڈپارٹمنٹ کی بعض کارروائیوں کے
 سلسلے میں تعاون کرتے ہیں میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ وہ دوسروں کی
 مدد کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ وعدہ خلافی کے لئے ان کے ہاں کوئی جگہ نہیں
 ہے۔ نہایت کھرے اور سیدھے سادے انسان ہیں۔ میرے بہت
 سے شاعر دوستوں کی طرح رشید جلیلی بھی اپنے مزاج کی شگفتگی ،
 طبیعت کی نفاست اور جذبہ دوستی کو محفوظ رکھنے ہوئے مجھ سے

ملتے ہیں۔ رشید جلیلی کا کلام آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوتا رہتا ہے
 روزنامہ سیاست کے علاوہ "خوشبو کا سفر" میں بھی اشاعت پذیر
 ہوتا رہتا ہے۔ پاپنڈھوم و صلوٰۃ ٹیک انسان ہیں۔ مجھے یقین
 ہے کہ خانوادہ جلیل کے ایک معزز شاعر کی حیثیت سے شعری و ادبی
 حلقوں میں اپنا نام روشن رکھیں گے۔ اور ان کی شاعری شعری و
 ادبی حلقوں میں پسند کی جاتی رہے گی۔

سردار نانک سنگھ نشتر

(صاف گو - نیک سیر انسان، شاعر و ادیب)

سید آباد میں سکھوں کی تعداد بہت کم ہے، پارسیوں، بدھ متیوں اور حین منہ کے ماننے والوں کی طرح۔ زیادہ تر سکھ، تجارت پیشہ ہیں۔ کچھ سکھ ملازم سرکار بھی ہیں۔ ان ہی سکھوں میں سے ایک کا ہمارے قہر کی انھوں میں بہت زیادہ شہہ ہے جو بنیادی طور پر ایک ادیب، شاعر، مقرر اور فلمی کاموں میں مصروف رہتے والے سیکولر انسان ہیں اور جن کا نام آج سے دن اخبارات میں کبھی شاعر اور کبھی مقرر کی حیثیت سے لکھا جاتا ہے۔ معاشرہ کی وہ نامور شخصیت سردار نانک سنگھ نشتر ہیں۔ نشتر صاحب اپنے مذہب کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کا بھی احترام کرتے ہیں۔ کافی فراخ دل، روشن خیال اور دیانت دار آدمی ہیں۔ وحدانیت کے قائل ہیں۔ میں اپنے تجربات کا رکھنا نہیں یہ کہنا چاہوں گا کہ وہ اپنے مذہب کے بعد مذہب اسلام سے بہت قریب ہیں۔ دیگر

مذاہب کے سلسلے میں بھی اُن کی معلومات قابلِ تحسین ہیں۔ نشتہ صاحب
 ہر موضوع پر اظہارِ خیال کی طاقت رکھتے ہیں۔ اصلاحِ معاشرہ کی محفلوں
 اور مذہبی جلسوں میں انہیں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے۔
 کھلا ذہن روشن دل، پاک و صاف اور تہذیبِ فکر و خیال کے
 آئینہ دار ہیں۔ مزاج میں بردباری، رواداری، محبت و آشتی
 پائی جاتی ہے۔ بذلہ سیخ اور ظریف انسان کی حیثیت سے بھی اپنے
 احباب میں مشہور ہیں۔ انہیں بے شمار لطیفے یاد ہیں ہر موضوع پر
 بہترین لطیفے سنانے کے موقف میں رہتے ہیں۔ اپنے لطیفوں سے محفل
 کو خوشگوار بنا دیتے ہیں۔ بے ساختہ ہنسی کا سامان فراہم کرتے ہیں
 معاشرہ میں پھیلے ہوئے مسائل اور بعض شخصیتوں پر ان کے طائف
 بر جہتہ ہوا کرتے ہیں خوب ہنستے ہیں اور خوب ہنسانے بھی ہیں نشتہ صاحب
 جب علمی و ادبی، سیاسی و تہذیبی موضوع پر گفتگو کرتے ہیں تو بہت
 سنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ نہایت فحصر، اچھے دوست، اصول پسند
 نفیس انسان اور تہذیبِ شخصیت کے حامل ہیں۔ ہمارے شہر کے معززین
 میں اُن کا شمار ہوتا ہے شہر کے مختلف علمی و ادبی اداروں اور فلوجی و
 تہذیبی تنظیموں سے وابستہ ہیں۔ نشتہ صاحب کے زیادہ تر دوست مسلم
 ہیں شہر کے مسلم اداروں کے اربابِ مجاز کی نظروں میں رہتے ہیں ہر
 اہم موقع پر نشتہ صاحب کو اپنی محفل کا ایک حصہ بنا لیتے ہیں۔ نشتہ صاحب
 عام مشاعروں میں اپنا کلام نہیں سناتے۔ الٹا ادارہ میرا شہر میرے لوگ

ایوان پرنس معظم جاہ شہیجہ سوغات نظر کی ادبی عقلوں میں شریعت کرتے ہیں ان اچھنوں سے ہٹ کر کبھی کبھی خاص خاص عقلوں میں وہ کلام سناتے ہیں چنانچہ انہوں نے لائبریری میں منعقد ہ متاعرہ میں بھی کلام سنایا جبکہ صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر شنکر دیال شرما تھے۔ آل انڈیا ریڈیو اور دور درشن سے شاعری کے علاوہ ان کی تقریروں سے اہل اردو استفادہ کرتے ہیں۔ حال ہی میں ان کی ایک کتاب انگریزی زبان میں KHS IN PRESENT CONTEXT اور انگریزی کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

سردار نانک سنگھ فیسٹر سے میری پہلی ملاقات ۲۰ سال پہلے ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کے دولت خانہ پر ہوئی تھی ان دنوں وہ اردو فاضل کا امتحان کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر زور اس ہونہل سردار کی اردو دوستی اور ان کی اردو زبان و روایات سے دلچسپی کو سراہتے رہے۔ اُس پہلی ملاقات کے بعد کئی برسوں تک ہماری ملاقات کبھی نہیں ہوئی البتہ سیاست اخبار میں وہ جب کوئی مضمون اشاعت کے لئے دینے آتے تو ملاقات ہو جاتی تھی۔ جگر صاحب فیسٹر صاحب کو مضامین لکھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے فیسٹر صاحب کے سیاست میں کئی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ گذشتہ ۶۵ سال پہلے ہمارے ملاقات کی کچھ اس طرح تجدید ہوئی کہ ہماری ملاقات دوستی میں بدل گئی۔ اب تو یہ حال ہے کہ وہ مجھ سے متعلق ہر ادبی محفل و

مشاعرہ میں شرکت کرتے ہیں اور اپنے کلام اور اپنے خطاب سے
 ڈالتے ہیں۔ غالباً حیدر آباد کے شاعر دوستوں میں ہیں ان کا قریبی
 دوست ہوں۔ کبھی کبھی وہ میرے غریب خانہ پر زینب لانے ہیں
 سیاسی، غیر سیاسی ادبی انجمنوں اور اردو کے مسائل، موضوع گفتگو
 رہتے ہیں۔ شاعروں میں رئیس اختر، مومن خان شوق سے بھی ان
 کے اچھے مراکم ہیں۔ مدینہ ایجوکیشنل سنٹر کے زیر اہتمام منعقد ہونے
 والے جلسوں میں (جس کے داعی جناب کے ایم عارف الدین ایڈیٹر عوام
 رہتے ہیں) شرکت کرتے ہیں۔ راج بھون کی تہذیبی و ثقافتی محفلوں
 میں بھی وہ مدعو رہتے ہیں۔ نیشنل صاحب ایک محبت کوٹے والے
 یار باش آدمی ہیں۔ شہر کی اعلیٰ سوسائٹیوں کی محفلوں میں بھی مدعو
 رہتے ہیں۔ راج بھون کی تہذیبی و ثقافتی تقاریر میں بھی
 پابند گفت شرکت کرتے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل ہیں۔
 اہل اردو کی ڈگری رکھتے ہیں۔ سماجی طور پر متحکم ہیں، خاندان پسند ہیں
 خوش رہتے ہیں اور دوسروں کو خوش رکھنے کے آدرو مند رہتے
 ہیں نیشنل صاحب اضلاع کے مشاعروں میں بھی مدعو رہتے ہیں ان کی
 موجودگی سے اضلاع کے مشاعروں میں کار کا سفر نہایت خوشگوار
 ماحول میں طے ہوتا ہے۔ کھل کر تہفہ لگانے کے عادی ہیں اپنی گفتگو
 سے ساری محفل کو متوجہ کرتے ہیں ان کے مزاج میں انکساری، روایت
 پسندی اور رواداری ہے۔ نیشنل صاحب گزشتہ طمانہ کے عادی ہیں

کتابوں سے انھیں عشق ہے ہر اچھی کتاب کا مطالعہ دل لگا کر کرتے
 ہیں۔ سوانحیات کا خزانہ ہیں۔ ان سے ہر موضوع پر گفتگو کی جا سکتی
 ہے۔ وہ اپنی دلیل گفتگو سے کسی کو بھی مایوس نہیں کرتے۔ انہیں علمی و
 ادبی سوانحیات میں شرمندگی کا منہ دیکھنا نہیں پڑتا۔ شہر کے مہذب
 شہر یوں ہیں اپنی ذاتی پہچان کے ساتھ شرکت کرتے ہیں۔ ہر طبقہ
 کا فرد ان سے مل کر خوش ہوتا ہے انتہائی مسیکولر کے مہندوستانی
 ہیں لیکن ساری کائنات کے انسانوں سے رشتہ رکھتے ہیں انسانی
 رشتوں کے قدردان ہی نہیں انسانی مسائل کے حل میں دلچسپی رکھتے ہیں
 ظلم و استبداد، جھوٹ، فریب، مکر، رباکاری کے ماقول سے برسرِ کار
 رہتے ہیں۔ ان کے ہاں مصلحت کو نشی، مفاد پرستی کی کوئی گنجائش
 نہیں ہے جو بات بھی کہی ہو تو ہے صاف صاف کہہ جاتے ہیں وہ کسی
 کی دل آزاری نہیں کرتے مستحق لوگوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے
 سرگردان رہتے ہیں۔ اصلاح معاشرہ میں جن لوگوں کو خاصی دلچسپی ہے
 ان میں سے ایک اہم نام سردار نانک سنگھ نشتر کا بھی ہے نانک سنگھ
 نشتر کی مادری زبان اردو نہیں ہے لیکن محفلوں میں صرف اور صرف
 اردو بولتے ہیں۔ وہ انگریزی ادبیات سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں لیکن
 ان کی گفتگو میں انگریزی کا ایک لفظ بھی نہیں ہوتا۔ اردو کے مشکل
 اور آسان لفظ ان کے دماغ میں محفوظ ہیں۔ لفظوں کا صحیح استعمال
 کا سبق رکھتے ہیں۔ اپنے اندازِ گفتگو سے مخاطب کو متاثر کرتے

ہیں۔ دوسروں کی بات کو بھی پوری توجہ سے مینٹے ہیں کسی کی گفتگو
 کے دوران نہ تو دخل دیتے ہیں اور نہ ہی ان کے لئے مسئلہ بن جاتے
 ہیں۔ آداب محفل کا خیال رکھتے ہیں۔ گردوارہ گزرتی گزرتی نہیں گئے
 صدرائین رہ چکے ہیں۔ ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے رکن خاتم ہیں
 سکھ بزرادری میں بڑی عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں
 ان کے مسائل سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ میرے بہت ہی با اعتماد محفل
 ترمین دوستوں میں سے ایک ہیں۔ تمام شاعر دوست ان کی عزت
 کرتے ہیں ان کی اردو خدمت کو نہند دل سے خراج پیش کرتے ہیں
 نشتر صاحب ملک کی مختلف زبانوں کے محفلے میں کھلا دامن رکھتے
 ہیں۔ انسانی ہم آہنگی ان کا مزاج ہے۔ تمام مذاہب کے لوگوں سے
 ان کا رابطہ ہے۔ ہر ایک کے دکھ سکھ میں شریک رہتے ہیں۔
 زندہ دل انسان ہیں۔ تمام لوگوں کو خوش رکھنا چاہتے ہیں ان کی
 زندگی کا مقصد خوش رہو اور خوش رہنے دو ہے جو شخص
 دوسروں کو ہمیشہ خوش رکھتا ہے یقیناً اس کا دامن بھی خوشیوں
 سے بھرا رہتا ہے

SIKHS IN PRESENT CONTEXT سکھ ان پریزنٹ کا ٹکٹ
 جولائی ۲۰۰۰ میں دہلی سے شائع ہوئی جو مختلف سیماروں میں پیش کردہ
 مضامین پر مشتمل ہے جس میں سکھ مسلم تعلقات پر بھی ایک مضمون ہے دوسری کتاب
 SELECTIONS FROM GRANTH SAHIB سکھ شخص فرم گرو گرتھ صاحب
 اس میں گرو گرتھ صاحب کے منتخب اشعار کا آسان انگریزی میں ترجمہ ہے
 جولائی ۲۰۰۱ میں حیدرآباد میں شائع ہوئی ۷

ایم۔ یالیا

(گنگا جمنی تہذیب کی منفرد شخصیت بہترین افسانہ)

ہمارے شہر حیدر آباد کی بنیاد ہی محبت، شرافت، رواداری اور اہلسی
 بعلی چارگی پر رکھی گئی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نہ صرف ہمارے اسلاف نے ہی اپنے
 حیدر آبادی ہونے پر فخر محسوس کیا بلکہ آج کے بکھرے ہوئے ماحول میں سانس لینے
 والے لوگ بھی اپنے حیدر آبادی ہونے پر ناز کرتے ہیں۔ حیدر آباد کی قدیم تاریخ
 خاص طور پر علی وادبی تہذیبی ثقافتی تاریخ نمایاں خصوصیات کی حامل رہی
 ہے۔ مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے حیدر آبادیوں نے ہر دور میں
 اپنے بہترین کارناموں کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ صدائے روایات کے
 تسلسل میں جو لوگ اپنے اپنے زمانے میں سرگرم عمل رہے ہیں اور ان
 کی خوبیاں اور ان کے اعلیٰ کارناموں کا تذکرہ مشہر کی مختلف محفلوں
 میں ہوتا رہتا ہے۔ آج بھی ہم جس ماحول میں

اور جن حالات میں جی رہے ہیں ان میں بہت سے روشن دماغ اور قابل قدر و منزلت شخصیتیں موجود ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنے اپنے طریقوں سے ملک و قوم کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ہمارے شہر کے اساتذت دوستوں، بامروت شہریوں اور محبت شناس لوگوں کی فہرست میں ایک نمایاں نام ایم بالیا کا بھی ہے جن کی نیک نامی، انسان دوستی اور رواداری کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

حیدر آباد کے غیر مسلم سیکولر ذہن و فکر کے حامل لوگوں میں بالیا صاحب کا نام بھی سرفہرست ہے۔ ہمارے شہر میں اچھے لوگوں کی آج بھی کمی نہیں ہے تب ہی تو شہر محبت نواز حیدر آباد فرخندہ نیلا کا دامن آج بھی پھیلے دور کی طرح کٹا رہا ہے۔ ایم بالیا کو میں تقریباً ہم برس سے جانتا ہوں۔ حیدر آباد کے کانگریسی قائدین میں نمایاں حیثیت کے حامل قائد ہیں۔ پرانے شہر کے محلہ علی آباد میں اپنے آبائی مکان میں سکونت پذیر ہیں۔ بالیا صاحب آج بھی کانگریس سے وابستہ ہیں لیکن انہوں نے ملک کی مختلف سیاسی پارٹیوں میں بہت کچھ ایسا پایا ہے کہ وہ ان دنوں سیاسی سرگرمیوں سے بہت کم دلچسپی رکھتے ہیں بالیا صاحب ایک عوامی خدمت گزار کی حیثیت سے ابھی زیادہ مشہور ہیں وہ کانگریسی حکومت کے زمانے میں (۱۹۸۲ء) ایم ایل سی رد چکے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں ہڈا کے صدر منتخب ہوئے۔ خاص طور پر پرانے شہر

کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں فذر کی نگاہوں سے دیکھ جاتے ہیں
ان دونوں ساؤتھ زون حلقہ کی پیس اینڈ یونیورسٹی کے صدر نشین
ہیں جس کے جواں سال عوامی خدمت گزار قابل ذکر غلام صادق الدین
جزی سکریٹری ہیں۔ ایم بالیا کا ذریعہ تعلیم اردو رہا۔ وہ اردو زبان اور
اردو شعروں شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں مشاعروں میں بڑے شوق
سے شرکت کرتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ انھیں صاف دل اور روشن دماغ
انسان پایا۔ جس زمانے میں وہ ایم ایل سی تھے اُس زمانے میں بھی انہوں
نے مسلمانوں کے لئے غیر معمولی کام کیئے۔ ضرورت مندوں کی مدد کرنے
میں ہمیشہ پیش پیش رہا کرتے ہیں۔ کچھ برس پہلے تک پیرائے شہر میں
مختلف اوقات میں فادات ہوتے رہے۔ فادات کو فرو کرنے
کے سلسلے میں بالیا صاحب نے اپنی جان کی پروا کیئے بغیر مسلمانوں
کی مدد کی۔ وہ مسلمانوں میں بے حد مقبول ہیں ان کی مقبولیت کا
یہ حال ہے کہ بعض اُن کے بے تکلف دوست انہیں شیخ یا لیا کہتے
ہیں وہ بے خوف، بے لاگ اور باحوصل انسان ہیں ان کی سیاسی و
غیر سیاسی زندگی نہایت پاک و صاف ہے۔ سابق وزیر داخلہ حکومت
آندھرا پردیش نواب میر احمد علی خان کی حب الوطنی اور ان کی قیادت
سے بہت متاثر تھے۔ نواب میر احمد علی خان، بالیا صاحب کی بہت
قد کر رہے تھے جناب عابد علی خاں، محبوب حسین جگر صاحب سے بھی
بالیا صاحب کے بہت اچھے دوست تھے اخبار سیاست اُن کا چندیدہ

اجا رہے۔ پیرائے شہر کے مسلم دوستوں میں غلام صادق الدین سے ان کے
 نہایت قریبی روالیہ ہیں۔ پیرائے شہر کے اکثر نژادی معاملات کو
 ختم کرنے کے لئے ہمیشہ بھرپور تعاون کیا کرتے ہیں۔ حیدر آباد میں
 اردو تحریک سے ہمیشہ جڑے رہے۔ اردو کے اچھے بولنے والے مسائل کی
 یکسوئی کے سلسلے میں انہوں نے ہر زمانے میں حکومت سے نمائندگی
 کی۔ انجن ترقی اردو آندھرا پردیش کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر
 حصہ لیا کرتے تھے اب بھی انہیں اردو زبان و تہذیب سے دلی لگاؤ
 ہے اردو کے جلسوں میں بڑے شوق سے شریک ہوتے ہیں بالیا صاحب
 ہر مسئلہ پر چلے وہ بیاہی ہو کہ غیر بیاہی دو ٹوک انداز میں گفتگو کرتے
 ہیں۔ انہیں شہر حیدر آباد کی گرتا جھتی تہذیب سے دلی لگاؤ ہے
 ان کے دوستوں میں زیادہ تر مسلم حضرات ہی دکھائی دیتے ہیں۔
 بہترین مقرر ہیں ہر موضوع پر گفتگو کرنے کا سیلف رکھتے ہیں ان
 کے مزاج میں انتہائی سادگی ہے تو طبیعت میں شگفتگی۔ بذراستی
 ان کے مزاج کا ایک اہم حصہ ہے بالیا صاحب جس محفل میں بھی لپٹے
 ہیں ساری محفل کو اپنی گفتگو سے زعفران زار بنادیتے ہیں بالیا
 صاحب آداب محفل کا خاص خیال رکھتے ہیں حیدر آبادیت ان کے
 مزاج میں رچ بس گئی ہے۔ نہایت باوقار، معتبر اور پُراثر
 شخصیت کے مالک ہیں بالیا صاحب نے اپنا زندگی کا بڑا حصہ سرگرم
 لوگوں کے لئے وقف کر دیا ہے انہوں نے ہر اس شخص کی مدد کی جو محنت

تھایا بالیا صاحب لسانی ہم آئینگی کے دلدارہ ہیں۔ اُردو بڑی روانی سے
 بولتے ہیں ان کی تقریر اُردو ہی میں ہوتی ہے چلے وہ ادبی چلے
 ہوں کے عوامی و سیاسی چلے ہوں حکومت کے سربراہوں سے ملتے ان
 کے اچھے مراسم ہے شہر کے ہر طبقہ کے لوگوں میں وہ گھس گھس کر رہتے
 ہیں ان کے ہاں چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں ہے ہر وہ شخص جو
 معاشرہ کے لئے روشنی کا پیغام دیتا ہے اس کی وہ دل و جان سے قدر
 کرتے ہیں۔ بالیا صاحب سے میرے گہرے مراسم ہیں اگرچہ ان سے
 میری ملاقات بہت کم کم ہوتی ہے لیکن جہاں کہیں بھی ان سے ملاقات
 ہوتی ہے وہ نہایت گرم جوشی کے ساتھ ملتے ہیں ان کے بیویوں پر
 ہمیشہ مسکراہٹ رہتی ہے ادبی جلوں سے انہیں کسی حد تک رکھنا
 میں ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ ۱۹۷۶ء میں میرے دوسرے
 کلام انٹرنیٹ کے کلاب کی رسم اجراء تقریب اعلیٰ پیلے نے میرا اردو ہاں میں
 منعقد ہوئی تھی۔ بالیا صاحب بھی مدعو ہیں میں شامل ہوں دوران جلسہ
 اچانک برقی فین ہو گئی۔ بالیا صاحب شہ نشین سے اٹھے انجن کے
 آفس گئے اور وہاں سے سہ ماہیوں کے آفس اور تمام بتیاں
 روشن کیں۔ اس واقعہ نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ بالیا صاحب جس
 وقت ہڈا کے زیرِ پیر تھے ان کا آفس حمایت نگر میں تھا ایک دن
 مجھے انہوں نے ملاقات کے لئے فون کیا۔ ان دنوں وہ چاہتے تھے کہ
 صندلوں کے لئے ہڈا کی جانب سے زمین الاٹ کی جائے۔ لیکن یہ

تجویزِ مہر و گری کی منزلی پر ہی ختم ہو گئی۔ بالیا صاحبہ پر اپنے
 شہر کی اکثر مخصوص محفلوں میں خاص طور پر غلام صادق الدین
 کے جانب سے منعقدہ محفلوں میں ملاقات ہوتی رہتی ہے غلام صادق
 الدین پرلے شہر میں سال میں دو تین دفعہ بیسی کہنی کے خصوصی جلسوں
 میں لازماً شاعرہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ مثلاً مکے سے ملے میں حج کے تعاون
 حاصل کرتے ہیں اور میں مکتوب شاعروں کو شرکت کے لئے مدعو کیا کرتا
 ہوں اس طرح کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حیدر آبادی
 تہذیب اور حیدر آباد کی اعلیٰ اقدار کے تحفظ کے لئے بالیا صاحبہ تاحیات
 سرگرم عمل رہیں گے۔ بالیا صاحبہ کی فطرت ہی اعلیٰ تہذیبی روایات
 اور انسانی رشتوں کی طرف دار ہے۔ جب تک بالیا صاحبہ جیے ان روایت
 کے علمبردار لوگ حیدر آباد میں رہیں گے۔ حیدر آباد کی گنگا جمنی تہذیب
 سرسبز و شاداب رہے گی۔

منظور ظفر

گوکٹنڈہ کا ہیرا۔ عوامی خدمت گزار

ہر اچھا معاشرہ ایسے ہی لوگوں کو سرا کھوں پر بٹھاتا ہے جو اپنی خوشیوں کے مقابلے میں دوسروں کے دکھ درد میں زیادہ شریک رہا کرتے ہیں۔ خوشیوں اور مسرتوں کے ماحول میں تو بے شمار لوگ مل جاتے گئے لیکن معاشرہ میں کم ہی ایسے لوگ ملتے ہیں جو دوسروں کی پریشانیوں اور مشکلات میں ان کے آنسو پونچھنے والے ہوتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ زیادہ تر لوگ اپنی ہی بہتری و ترقی کی فکر میں رہتے ہیں۔ کسی کی درد بھری آواز کوئی سننا نہیں چاہتا۔ اس طرح کے بے حس کے ماحول میں کچھ ایسے لوگ بھی نمودار ہوتے ہیں جن کا ایک ایک لمحہ جھوٹوں میں ٹلنے والا اور روشنی کا سرچشمہ ہوتا ہے جن کا وجود ہیرو کے بے سہارا معاشرہ کے لئے مسیحا کی کا کام کرتا ہے معاشرہ میں اس طرح کے نبض شناس انسانی رشتوں کی آبرو کی حفاظت میں لگے رہتے ہیں والے لوگ بیشتر اوقات میں حالات کی کش مکش سے گزرتے رہتے ہیں

اور ان کا کام بس یہی رہتا ہے کہ دوسروں کے لئے کچھ اچھا کام کر جائیں۔ جب کبھی اس طرح کے بہادر، انسانیت پسند لوگوں کا ذکر ہوتا ہے تو ان میں ایک اہم نام منظور ظفر کا بھی نظر آتا ہے جو گو لکنتہ کے ہیرے کی طرح اپنی جگہ کو باقی رکھے ہوئے ہیں۔ منظور ظفر کو میں گو لکنتہ کا ہیرا اس لئے کہتا ہوں کہ انہیں کسی بھی تاج میں لگا دیں وہ اپنی جگہ ضرور دیں گے چاہے وہ کوئی بھی رت ہو، کوئی بھی موسم ہو، منظور ظفر کے کردار میں یکسانیت ملے گی۔ ان کے کام کرنے کا طریقہ فلاحی ادبی، سیاسی و تہذیبی مصروفیات میں نہایت پاک و صاف آئینہ کی صورت رہا کرتا ہے۔ ان کے کام میں شفافیت ہوتی ہے ان سے وابستہ تمام لوگ ان کی آئینہ مثال شخصیت کا عکس جمیل ہوا کرتے ہیں۔ منظور صاحب کو میں تقریباً ۴۵ برس سے جانتا ہوں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب نواب میر احمد علی خان صاحب ریاستی وزیر داخلہ تھے منظور ظفر اس دور میں جو ان کی بھرپور جوابی کارروائی تھا گو لکنتہ کی سرزمین کو مختلف ادبی، تہذیبی، ثقافتی، سیاسی و غیر سیاسی سرگرمیوں کو مثالی بنانے میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ان ۴۵ برس میں منظور ظفر گو لکنتہ کی سرزمین کے پہلے شخص ہیں جو ان معاملات میں زیادہ متحرک، زیادہ کارگرد اور زیادہ رواں دواں رہا کرتے ہیں۔ گو لکنتہ میں ایک زمانے میں مشاعروں کی فضا اپنے ایک خاص انداز سے عروج پر تھی۔ گو لکنتہ کی ممتاز شخصیت مولانا عبد الغنی کے گھر میں شاید میں نے پہلا مشعرہ پڑھا تھا۔ داعی مشاعرہ

منظور ظفر اور عثمان علی ضیاء تھے بہت ہی شاندار مشاعرہ ہوا تھا جس میں میرے سوا بہت سے شاعروں نے شرکت کی تھی۔ گو لکندہ میں ماب سے بڑا مشاعرہ ایک ایسے فنر میں ہوا تھا جب شہر حیدرآباد میں مختلف مقامات پر اردو کے اہم جلسے ہوا کرتے تھے۔ جس کا افتتاح نواب میرا جملہ عثمان سیر دا خان نے کیا تھا۔ اس مشاعرہ میں سرز سید شہیدی، اوج بعقوبی، تپت ندیم نے شرکت کی تھی۔ اس عظیم الشان مشاعرہ کے لئے میں نے غزلوں کی رات کا نام تجویز کیا تھا جو بہت مقبول ہوا۔ اس نام کی اتنی شہرت ہوئی کہ اس نام سے شہر میں بے شمار تہجدی پروگرامس ہوتے رہے۔ محفل خواتین کی سالانہ تقریب کے موقع پر محفل موسیقی کے پروگرام کا نام غزلوں کی رات سے موسوم رہا کرتا ہے۔ یہ نام میں نے گو لکندہ کی غزلوں کی رات کے پس منظر میں دیا تھا۔ اس مشاعرہ کے بعد گو لکندہ میں کوٹا اور بڑا مشاعرہ نہیں ہوا۔ منظور ظفر اس مشاعرہ کے روح رواں تھے جنھوں نے اپنے رفقاء سے کار عثمان علی ضیاء، حبیب الدین وغیرہ کے تعاون سے مستعد کیا تھا۔ اس شاعرے کے انعقاد کے سلسلے میں منظور ظفر کی پُر اثر شخصیت کا مجھے اندازہ ہوا۔ وہ اشرافیہ دل و دماغ کا ایک اہم حصہ بن گیا ہے اس مشاعرہ کے بعد ہماری ملاقاتیں کم کم سہی مٹ رہی ہیں۔ منظور ظفر صاحب کے زیر انتظام گو لکندہ میں اگر کوئی بڑی تقریب ہو تو مشاعرہ کے سلسلے میں مجھ سے مشورہ ضرور کرتے ہیں۔ اور شاعروں کا انتخاب مجھ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ مجھے یہ بھی یاد

ہے کہ گوگندہ میں عظیم الشان پیانے پر جلد رحمت اللعالمین کا بھی اہتمام
 کیا جاتا ہے بڑے بڑے علماء کو مدعو کیا جاتا ہے جلسے کے دوران نغمہ کلام
 مناجات کے لئے چھ شہسوار کو بھی مدعو کیا جاتا ہے میں نے اکثر جلسہ ہمارے
 رحمت اللعالمین میں تدریس عقیدت پیش کیا ہے گوگندہ میں آج بھی
 منظور ظفر کی شخصی دلچسپی سے ہر سال عالی شان پیانے پر جلد رحمت اللعالمین
 کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور کچھ برسوں سے گوگندہ قلعہ کے باب الداعیہ
 کے قریب بڑے پیانے پر دسہ ہفتہ تقریب ہوتی ہے جس میں منظور ظفر صاحب
 کافی دلچسپی لیتے ہیں یہ تقریب حیدر آبادی گنگا جمنی ماحول کی بہترین
 تقریب ہوتی ہے ہر اوروں ہندو مسلمان اس تقریب میں شریک رہتے ہیں
 شہر کی تمام سیاسی و غیر سیاسی شخصیتوں کو مدعو کیا جاتا ہے کبھی کبھی
 مشاعرہ بھی منعقد کیا جاتا ہے جلسے کے دوران ممتاز سیاسی و تہذیبی
 شخصیتوں کو ایوارڈز دیئے جاتے ہیں مجھے بھی یہ اعزاز حاصل ہے کہ
 ایک جلسے میں میری شاعرانہ خدمات کے سلسلے میں ایوارڈ دیا گیا تھا۔
 سال ۱۹۷۸ء کو ایک خوبصورت مومنٹ دیا گیا تھا۔ منظور ظفر صاحب
 کے مراسم عابد علی خان، محبوب حسن جگر، خدوم محمدی الدین سے بھی ہمت کے
 عالم رہے ہیں خاص طور پر گوگندہ میں منعقد ہونے والے عوامی جلسوں
 اور دل و دماغی محفلوں کے سلسلے میں عابد علی خان اور محبوب حسن جگر
 سے تعاون حاصل کرتے تھے اور بعض جلسوں میں مدعو بھی کیا کرتے تھے
 منظور ظفر فوتی بہتہ شباب کے عالمی ایک مشترک انسان ہیں۔ خدوم

فی الدین اور ڈاکٹر راج بہادر گوڑ کو اپنا قائد مانتے ہیں۔ عوام کا جھلائی کے لئے ممکنہ تعاون کرتے ہیں سماجی مسرود خیالات میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں گو ٹکنڈہ کے بہت سے مسائل جو حکومت کی توجہ چاہتے تھے حکومت کے ذمہ داران کو مسلسل ذبحہ دیا کراچی گوشتوں میں کامیاب رہتے ہیں ۴۰ برس پہلے جس جوش و خروش سے کام کرتے تھے آج بھی ان میں وہ توانائی برقرار ہے منظور صاحب نے نوادیب ہیں اور نہ ہی شاعر لیکن ان کا ادبی ذوق نکھر نکھر رہا ہے اچھی اچھی کتابیں پڑھنے کا شوق ہے گو ٹکنڈہ کے نوجوان شاعروں کی حوصلہ افزائی کرنے میں گو ٹکنڈہ کے ایک استاد شاعر **محمد الدین صاحب** کے بے حد فردانہ تحفے ان کی شاعرانہ عظمتوں کا التزام کرتے تھے اس وقت بھی گو ٹکنڈہ میں بعض نوجوان شعراء ایسے ہیں جن کا مستقبل روشن دکھائی دیتا ہے گو ٹکنڈہ میں ادبی سرگرمیاں جاری ہیں جو ایک خوش آئند بات ہے منظور صاحب نہایت قابل بھروسہ، دیانت دار، فرض شناس اور اثنافی دشتوں سے بے انتہا لگاؤ رکھنے والے انسان ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کو بڑے بڑے لوگوں نے تسلیم کیا ہے چاہے وہ حکومتی سطح کے لوگ ہیں کہ سوسائٹی کے ذمہ دار لوگ ہوں۔ منظور صاحب ان سے اپنا رشتہ رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ معاشرہ کی بہتری کے لئے ندرت سی افراد کے تحفظ کے لئے منظور صاحب کا تعاون ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔ منظور صاحب بنیادی طور پر نثری پسند خیالات کے حامل ہیں لیکن وہ ایک بہترین انسان

لا طرح تمام مکتب خیال کے لوگوں سے اپنا گہرا رشتہ رکھتے ہیں کسی بھی
 سیاسی پارٹی سے وابستہ لوگ کیوں نہ ہوں ان سے مراسم رکھتے ہیں
 ان لوگوں سے تعاون کرتے ہیں جہاں وہ کیمونسٹ قائدین سے اپنا رشتہ
 رکھتے ہیں وہیں مجلس اتحاد المسلمین، کانگریس پارٹی اور دیگر سیاسی
 جماعتوں کے سربراہوں سے بھی رشتہ رکھتے ہیں۔ ان میں اتنا سلیقہ
 ہے کہ ہر اس شخص سے کام لینا چاہتے ہیں جو معاشرہ کی بہتری کے لئے تعاون
 کرتے ہیں۔ منظور ظفر بار بار اش انسان ہیں ان کے دوستوں کا بہت
 بڑا حلقہ ہے گو لکٹڈ میں یقیناً بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو اپنی
 خدمات کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں لیکن جہاں تک میری اپنی معلومات
 ہیں ان ہم یرسوں میں گو لکٹڈ کی صرف ایک ہی شخصیت سے زیادہ
 متاثر ہوں جو باوقار، متحرک، فعال، باکردار شخص ہے اور وہ
 شخص منظور ظفر ہے۔ منظور ظفر صاحب سے اب بھی میری ملاقات
 کہیں نہ کہیں ہو ہی جاتی ہے جب بھی ملاقات ہوتی ہے ان سے مل کر
 خوشی ہوتی ہے۔ میں نے اکثر دفعہ کہا ہے کہ منظور صاحب گو لکٹڈ
 کے بے تاج بادشاہ ہیں میری نظروں میں قابل احترام ہیں۔
 منظور ظفر صاحب گو لکٹڈ کے عوام میں بے حد مقبول ہیں ان کی
 یہ مقبولیت صرف مسلم معاشرہ کی حد تک ہی محدود نہیں بلکہ ہر طبقہ
 میں ان کی مقبولیت یکساں ہے ایسے لوگ جو معاشرہ کی بھلائی کے
 لئے سرگرم عمل رہا کرتے ہیں میری نظر میں وہ قابل احترام ہیں ان

نام اور ان کے کام سے مجھے بے حد مسرت ہوتی ہے۔ خدا کرے کہ
 منظور صاحب جیسے لوگوں کے لئے ہر موسم سزاگار رہے۔ چہ تک کھس
 پاک و صاف دل رکھتے ہیں اس لئے ان کا خوشبو تمام معاشرہ
 کو چمکانی رہتی ہے۔ منظور صاحب کو یوں تو شہر کی بہت سی انجمنوں
 اداوں کی جانب سے عزت افزائی کی گئی ہے لیکن ان کے فلاحی و ادبی
 خدمات کے اعتراف کے سلسلے میں اجالوں کے مسافر کے زیر عنوان ادارہ
 میرا شہر میرے لوگ کے زیر اہتمام خوشگوار فضاء میں ۱۹۹۸ء کو مولانا ابوالکلام
 نیسٹوٹ میں شاندار پیمانے پر تقریب منعقد کی گئی تھی۔ میرا خیال ہے
 کہ ادبی محفلوں کی جانب سے وہ پہلا جلسہ تھا جو ان کی خدمت کے اعتراف
 میں منعقد کیا گیا تھا۔ منظور صاحب کے چلہ مئے واپوں کی ایک کثیر تعداد
 نے اس تہنیتی جلسے میں شرکت کی تھی۔ اس تقریب کے انعقاد کے
 سلسلے میں سب سے زیادہ خوش ہونے والے ان کے عزیز ترین دوست
 غلام صادق الدین تھے۔

غلام صادق الدین

انسانی رشتوں کے طرفدار۔ بامروت انسان ہمدرد شخصیت

بیعزوری نہیں ہے کہ ہر شخص ایک دوسرے کے لئے ناگزیر ہو
اور وہ دوسروں کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے سرگرداں رہے لیکن
معاشرہ کی بنی بنی بگڑتی شکلوں پر نظر رکھنے والے ایسے لوگ بھی
ہماری نظروں میں رہتے ہیں جنہیں ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ بلکہ
اس طرح کے ذمہ دار لوگ اپنے ہونے کا بھہرہ احساس دلاتے ہوئے
ہمارے آئینوں کے سامنے بار بار جلوہ گر ہاتھ دیتے ہیں۔ ہر ایک
کے دکھ درد غموں کو دیکھ کر ہر ایک میں شریک رہتے ہیں۔ انسانی رشتوں
کو مشیت سے جو کس گریہ والے اگر غور سے بہت لوگ بھی مل جائیں تو
انہما اور بگڑا ہوا ماحول سدھر سکتا ہے کتنے ایسے لوگ ہیں جو کسی
کی آہ و بکا سنتے ہی اپنے سارے کام کاج چھوڑ کر اس کی مدد کے
لئے پہنچ جاتے ہیں۔ ہمارے مشاہدہ میں اس طرح کے بہت سے خیر سگالی

رکھنے والے محدود لوگ کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ ایسا سلوم ہوتا ہے جو بہت
 سے لوگ مشورہ معاشرہ کا ایک اعلیٰ حصہ بن سکتے ہیں لیکن ان
 ہی میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں ہم غلام و بیہودہ کہے گا موں
 میں ان کا بہترین کارکردگی کے سبب یاد کرتے ہیں اس طرح کے عوامی
 خدمت گزاروں میں غلام صادق الدین بھی ہیں غلام صادق الدین
 نہ صرف عوامی خدمات سے متعلق کاموں سے ہی خبر لے رہے ہیں
 بلکہ اردو کی بناء اور اس کے ترقی کے لئے بھی کئی برسوں سے سرگرم
 عمل ہیں۔ ہمیں ایسے لوگوں کی دل و جان سے قدر کرنی چاہیے جو
 اپنی زبان اور اپنی تہذیب سے وابہانہ وابستگی رکھتے ہیں۔
 غلام صادق الدین کو اس اردو تحریک سے ان کی وابستگی کے حوالے
 سے تقریباً ۲۰ برس سے جانتا ہوں بلکہ انہیں نواب میر احمد علی
 خان صاحب سے راجن ترقی اردو اور وزیر داخلہ حکومت آندھرا پردیش
 علی علی محمد خان کی سرپرستی میں بھی تھنوں نے اپنی لیے پناہ محبت و ہمدردی
 سے آسانی و تہذیبی رشتوں کو استعمال کیا۔ نواب میر احمد علی خان
 صاحب غلام صادق الدین کی سماجی اور اردو خدمات سے بے حد
 متاثر تھے۔ میرا نے شہر میں اردو گھر کے قیام کے سلسلے میں بھی غلام
 صادق الدین کو ان کی خدمات کے سلسلے میں نہیں بھول سکتے۔ شہر
 کے مہمان اردو کو اچھی طرح یاد ہو گا کہ میرا نے شہر میں غلوں مبارک
 میں ایک بڑی اردو کانفرنس ہوئی تھی۔ اس کانفرنس کے انعقاد کے

ذمہ داری مجھے سونپ دیا کرتے ہیں۔ غلام صادق الدین کی قیادت
 بن اور ان کے تعاون سے شہر کے بے شمار لوگوں کو مختلف تشعبوں
 بن فائدہ پہنچ چکا ہے۔ گزشتہ ۵۰ برسوں سے پیس کیمپنی کے
 اسم کے بعد سے ان کے فلاحی کاموں کا ایک طویل سلسلہ جاری ہے
 ان پور پر پرانے شہر کے ہر قسم کے سماجی مسائل کے لئے حکومت
 بہ دامن سے رابطہ رکھتے ہیں اور مستحق لوگوں کی مدد کرنے میں
 پ رہتے ہیں پرانا شہر کچھ برسوں پہلے تک فرقہ وارانہ فسادات
 شہرت رکھتا تھا لیکن رفتہ رفتہ وہ ماحول ختم ہوتا گیا جس میں
 تعاون کے علاوہ پیس کیمپنی کے ارکان کا بھی کافی دخل ہے
 پیس پیس کیمپنی کے بہت سے لوگ سرگرم عمل ہیں۔ لیکن
 یہ لوگوں کی خدمات بھی ناقابلِ قرا موش ہیں بالبا صاحب
 نام کے لئے جو عوام سے اور حجابان اردو سے تعلق رکھتا ہے
 پیس رہتے ہیں۔ غلام صادق الدین ایک بے لوث حرکیاتی
 ت کے مالک ہیں ہر روز نہ جانے کتنے ضرورت مند لوگوں
 ق خدمات انجام دیتے ہوں گے بعض اپنے ہم خیال اہل کج انہوں نے
 صلاحیت کی بنیاد پر فلاحی کاموں سے وابستہ کر لیا ہے۔ ادھر
 انوں سے غلام صادق الدین کے حوالے سے ایک نوجوان عابد
 ی الدین (مخدوم برادر س) کی فلاحی مصروفیات بھی توجہ کا مرکز ہیں
 گج ہیں جو غلام صادق الدین کے بہت ہی قریب دوستوں میں شامل ہیں

ان کے بعض ایسے ساتھی بھی ہیں جنہیں ان کی بہت زیادہ سرپرستی حاصل
 رہی، معاشرہ میں اپنا مقام بنا چکے ہیں۔ غلام صادق الدین ایک
 ٹیکہ لڑیاک طبیعت کے ہمدرد، مخلص اور بے لوث عوامی خدمت گذار ہیں
 پیسے کیمٹی کے توسط سے انہوں نے اپنی خدمات کے سلسلے میں
 حکومت کے سربراہوں، خاص طور پر پولیس کے عہدہ داروں کی
 نظر میں اپنا ایک منفرد مقام بنا لیا ہے۔ غلام صادق الدین کی ہر ایک
 جانشین سفارش کی پزیرائی کے لئے عہدہ داران پولیس نے ان کا
 ساتھ دیا۔ نواب میر احمد علی خان صاحب، غلام صادق الدین کو
 بہت چاہتے تھے ان کے کام کی قدر کرتے تھے۔ غلام صادق الدین نے
 بھی نواب میر احمد علی خان صاحب کی عزت و توقیر میں کبھی کوتاہی
 نہیں کی۔ اکثر ادبی جلسوں میں نواب صاحب کے ساتھ رہتے تھے
 محترم عابد علی خان صاحب اور محترم محبوب بین جگر صاحب بھی غلام صادق
 الدین کی اردو خدمات کے معترف تھے خاص طور پر پرانے شہر کے چار سوا
 اور اردو مسائل کے سلسلے میں ان سے تعاون حاصل کرتے تھے سیاست
 اخبار سے ان کا قدیم رشتہ ہے اخبار سیاست سے انہیں دلی ربط ہے
 سیاست کی بہتری کے لئے ہر خلوص جذبہ رکھتے ہیں جناب زاہد علی خان
 بھی غلام صادق الدین صاحب کی فلاحی اور اردو کانف کے لئے کئے جانے
 والے کاموں کی قدر کرتے ہیں غلام صادق الدین کو اردو شاعری سے
 بے حد لگاؤ ہے۔ حیدر آباد کے گنگا جمنی ماحولی کو باقی رکھنے اور اس کو

بڑھاوا دینے کے سلسلے میں ایسے لوگ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ میرے
 ہم خیال تمام شعراء بھی غلام صادق الدین صاحب کے جدیدہ خیر سگالی کے
 دل و جان سے قائل ہیں۔ غلام صادق الدین بہترین مقرر بھی ہیں
 سماں کے ہر مسئلہ پر جامع اور کھل کر تفسیر کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں اور
 ان کی تفسیر اس لئے بھی دلچسپ اور پراثر ہوتی ہے کہ وہ سبھی بات کہتے ہیں
 اور بے خوف و خطر کہتے ہیں۔ ان کی گفتگو اور ان کے رویے میں
 یکسانیت ہے۔ برصغرت سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ جو باتیں حقائق
 پر مبنی ہوتی ہیں ان کے اظہار میں قطعی نال نہیں کرتے۔ میں تو یہ
 کہتا ہوں کہ غلام صادق الدین جیسے محبانِ اُردو اور انسانیت دوستوں
 کے سبب ہی ہمارے شہر کی اعلیٰ روایات کی برقراری میں بڑی مدد
 مل رہی ہے۔ ایسے لوگ جو اپنے لئے کم اور دوسروں کے لئے زیادہ
 وقت دیتے ہیں وہ ہمیشہ مطمئن زندگی گزارتے ہیں۔ ایک سال
 پہلے تک بیت اللہ کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے شہیدانِ شانِ پیمانیہ نے پوچھنا شروع کیا کہ ان کی
 عوامی و فلاحی خدمات کے اعتراف کے سلسلے میں عظیم الشان پیمانے پر
 جلسہ ہوا۔ انہیں سیکوں میں ٹولا گیا۔
 میری دعا ہے کہ خدا ان کے مراتب میں اور اضافہ کرے۔

خواجہ معین الدین

(یا سلاجیت افسیر - خوش نصیب انسان)

پیر در دگار عالم جن لوگوں کو بھی دنیاوی آسائشوں سے نوازتا
چاہتا ہے تو اس کی تولا رشتوں کا سلسلہ لامتناہی قیاس آرائیوں کی
حد سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ وہ لوگ جن پر ہر مہر و برکت
ہے ان کا وجود بہ ذات خود ایک سیارہ نور کی طرح ہمارے ماحول
کو اپنی برکتوں سے سرفراز کرتا رہتا ہے۔ خدا کے خاص بندے وہ ہر ذلہ
کی بھلائی اور ان کی زندگی کو سنوارنے کے لیے وہ سب کچھ کر جاتے ہیں
جو ان کے بس میں رہتا ہے۔ ذاتی مشرقت و محنت شاق ایمان
داری اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے والے لوگ ہمارے
معاشرہ میں مل تو جاتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہوتی ہے کسی
طرح کے لوگوں کی سوچ اور فکر کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ وہ
اس فکر میں رہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں تقویٰ کتنے رہیں۔

انسانی شرافت و رواداری ہر مناسب مقام پر اپنا اثر چھوڑ جاتی ہے
 اتھا انسان دوسروں کی بہتری کے لیے سوچتا رہتا ہے۔ اس طرح کی
 مختلف النوع خوبوں کی حامل شخصیت خواجہ معین الدین صاحب کی
 بھی ہے۔ سچ شہر کا نفرت بیاہر مہذب شہری جو حیدر آبادی تہذیب سے
 جڑا ہوا ہے وہ خواجہ معین الدین صاحب سے واقف ہے۔ کون نہیں
 جانتا کہ انہوں نے چیف منسٹر حکومت آندھرا پردیش جناب ٹی ایچ
 کے پریوٹ سیکریٹری کی حیثیت سے کس قدر نمایاں خدمات انجام دیں
 معین صاحب نہ صرف سیاسی معاملات کی سرخ روشی کے لیے ہی کار آمد
 ثابت ہوئے بلکہ ضرورت مند حیدر آبادیوں کا بھی ہر مشکل مقام پر
 ساتھ دیا اور ان کے جائز مسائل کو کامیابی و کامرانی کی منزلوں تک
 پہنچایا۔ یہ بات شہرت رکھتی ہے کہ خواجہ معین الدین صاحب انتہائی
 با اعتماد عہدہ دار، بہترین دوست اور اچھے مشیر کی حیثیت سے چیف منسٹر
 صاحب کے معاون رہے۔ انجا صاحب کے سارے فیصلے معین صاحب
 کی صلاحیت رائے کا نتیجہ ہوا کرتے تھے۔ خواجہ معین الدین صاحب ۱۹۵۲ء
 سے ترقی کی موڑ لیں طے کرنے ہوئے اسٹنٹ سیکریٹری حکمہ سٹرائپورٹ
 کے عہدہ پر فائز رہے۔ جب میرا تقریرہ حیثیت ایل۔ ڈی۔ سی۔ ڈاکٹر گریٹ
 کمیونیٹی پروجیکٹ ٹیپارٹمنٹ میں ملا تو خواجہ معین الدین صاحب وہاں
 ڈائریکٹ کی حیثیت سے کار گزار تھے۔ کمیونٹی پروجیکٹ آفس میں
 خواجہ بہاؤ الدین، خواجہ معین الدین، علیم الدین، علی نواز خان، بی این واکھر

نرسہار دیہی، افضل حسین اور صلاح الدین تیرہم خیال سا ننھی ہی بہنیں
تھے بلکہ آپس میں بہترین دوست بھی تھے۔ معین صاحب ہم سب میں
نسبتاً سب سے بڑے تھے۔ جب ہمارا حکم لسانی بنیاد پر ریاستوں کی
تقسیم کے بعد ۱۹۵۶ء میں پلاننگ ڈیپارٹمنٹ (سکرٹریٹ) میں ہم
مہو گیا تو ہم سب ساتھ ساتھ رہے۔ پلاننگ ڈیپارٹمنٹ سے
دائستگی کے بعد خواجہ معین الدین ٹائپسٹ سے اسٹیٹنگ آفیسر بن گئے خواجہ
بہار الدین، علیم الدین اور میرے دیگر ساتھیوں کو یو۔ ڈی سی (یعنی
اسٹنٹ سکشن آفیسر) کے عہدہ پر ترقی ہوئی۔ کچھ عرصہ کے بعد معین
صاحب مسٹرٹی ایجیا چیف منسٹر کے پی اے بن گئے۔ معین صاحب کی ترقی کا
آغاز آسازمان سے ہونے لگا۔ جب ٹی ایجیا ایم پی، مرکزی حکومت میں سب
منسٹر ہوئے تو انہوں نے خواجہ معین الدین صاحب کو پی اے بنا کر
اپنے ساتھ ہی رکھا۔ جب ایجیا صاحب کی مرکز میں وزارت ختم ہوئی تو وہ
ریاست آندھرا پردیش کے چیف منسٹر بنے۔ یہاں بھی معین صاحب
ایجیا صاحب کے پی اے رہے۔ جب ایجیا صاحب کی چیف منسٹری ختم
ہوئی تو معین صاحب ٹرانسپورٹ ڈیپارٹمنٹ میں اسٹنٹ سکرٹری
کی حیثیت سے کار گزار رہے۔ پھر وہ ڈپٹی سکرٹری ہوئے اور ۱۹۹۳ء
میں بحیثیت جو اینٹ سکرٹری حکم ٹرانسپورٹ و پبلک سروسز پر
سنبھالے ہوئے۔ معین صاحب نے سکرٹریٹ کی ملازمت کے
دوران بے شمار لوگوں کی مدد کی۔ انہوں نے مسٹر ڈن (میں)

بھی بے شمار تھے افراد کے ساتھ تعاون کیا جبکہ وہ حیرین مٹاؤں تھے
 ان دنوں وہ بحرم جاہ شریف میں سکریٹری کی حیثیت سے خدمات
 انجام دے رہے ہیں۔ خواجہ معین الدین اور ہم تمام ساتھی اپنی ابتدائی
 ملازمت کے زمانے میں بہت سے تہذیبی پیر و گرام سے دُسی رکھتے
 تھے خواجہ معین الدین کی شادی کی تقریب بہت شاندار بیٹھانے
 پر ہوئی۔ ان کے والد محترم محمد سلیم صاحب گورنمنٹ اسکول
 میں صدر مدرس تھے جو تادم تربیت نیکی و شرافت کی روشن
 مثال رہے۔ نہایت پُر وقار و وضع دار، حیدر آبادی تہذیب
 بھی نمائندہ شخصیت تھے۔ معین صاحب کا مکان محلہ عثمان شاہی
 میں واقع تھا۔ اسی مکان میں خواجہ معین الدین صاحب کی
 شادی کی رات نکلی تھی۔ ان کے خسر محترم سلیم سلطان شہر
 کی ممتاز شخصیت تھے جن کے والد محترم محمد سلطان صاحب بانی
 وزیر سلطان ٹو باکو (V.S.T) تھے۔ معین صاحب نے اپنی ملازمت
 کے زمانے میں اپنے تمام بھائیوں، بہنوں کی بہنری اور ان کی
 کامیاب زندگی کے لیے بہت کچھ کیا۔ آج وہ تمام کے تمام خوشحال
 اور مطمئن زندگی گزار رہے ہیں۔ میں نے خواجہ معین الدین
 کی شادی کے موقع پر ایک نہایتی نظم (سہرا) لکھی تھی۔ اُس
 نظم کا ایک شعر آج بھی یاد ہے جس کو خواجہ بہاء الدین جب بھی
 اچھے موڈ میں رہتے ہیں تو دہرانے رہتے ہیں۔

وہاں کھولی گئی ہے زلف شاید
تبھی خوشبو یہاں ٹک آ رہی ہے

وہ زمانہ بہت اچھا زمانہ تھا ہم تمام دوست آج بھی
نہ صرف بہترین دوستوں کی طرح ملتے ہیں بلکہ بھائیوں جیسا
ہمارا آپسی رشتہ ہے۔ ہمارے ساتھیوں میں نسبتاً خواجہ
بہاء الدین، خواجہ معین الدین کے بہت قریبی دوست ہیں۔ خواجہ
معین الدین غیر معمولی خوبوں کے مالک ہیں جب وہ بیبر منسٹر
کے پی ایس تھے تو انہوں نے علیم الدین سکشن آفیسر کو یہ حیثیت
ایمپل مینٹ آفیسر تعینات کروایا۔ جب وہ چیف منسٹر صاحب
کے پرائیویٹ سکریٹری تھے تو اپنے آفس کے دوستوں بل۔ این
واگھرے اور نرسہمارٹی (سکشن آفیسر) کو اپنے سناٹھ
چیف منسٹر صاحب کی پیشی میں رکھا۔ یہ دونوں حکمہ نیپائین لاج
ڈپارٹمنٹ سے تعلق رکھتے تھے۔ معین صاحب نے اپنے ساتھیوں
کی ہر ممکن مدد کی۔ اپنے دوستوں کی ہر جائزہ کامیاب سفارش
کی۔ خواجہ معین الدین سکریٹریٹ اردو انسٹیٹیوشن سے بھی وابستہ
وہے لیکن وہ اپنی سرکاری مصروفیات کی وجہ سے ہماری محفلوں
میں بہت کم شریک ہوتے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنا اخلاقی رشتہ
اسوسی ایشن سے برقرار رکھا۔ معین صاحب کے دوستوں کا بہت
بڑا حلقہ ہے۔ ہر قسم کے لوگ چاہے وہ سیاسی ہوں کہ غیر سیاسی

اُن سے دوستانہ مراسم رکھتے ہیں۔ معین صاحب نے اپنی اہم سرکاری کمزیشن کے باوجود اپنی طبیعت کی انکساری میں فرق آنے نہیں دیا۔ ابتدائی ملازمت کے زمانے کے دوستوں سے خاص طور پر اپنا تہذیبی و بشری فائدہ رشتہ برقرار رکھا ہے۔ خواجہ معین الدین تہاںیت قابل و لائق انسان ہیں۔ معین صاحب کی شرافت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے انجیا صاحب کی حریف منٹری ختم ہونے کے بعد ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ ان کے گھریلو اور بنی کاروبار میں ان کے سارے خاندان کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ انجیا صاحب کے انتقال کے بعد بھی معین صاحب نے اُس خاندان سے اپنا تعلق خاطر برقرار رکھا۔ چاہے وہ لیبر منٹری کا دور ہو کہ حریف منٹری کا دور ہو، انجیا صاحب خواجہ معین الدین کی ہر بات ماننے لگے اور ان کی ہر جائز سفارش کی پیروی کرتے لگے۔ انجیا صاحب کے پیر ایجوٹ سکریٹری کی حیثیت سے معین صاحب نے اردو زبان و اردو تعلیم کے مسائل کے سلسلہ میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ انجیا صاحب کے زمانے میں ممتاز شعراء و جہتوں کی صاحبزادہ شمعہ کے اعزاز سے نوازا گیا۔ ہندی اکادمی قائم کی گئی۔ اس کے علاوہ بہت سے تعلیمی و فلاحی کام انجیا صاحب کے دور میں انجام پائے۔ معین صاحب اُن اعلیٰ افسروں میں سے ایک رہے جن کا دامن ہمیشہ پاک و صاف رہا۔ ساری

ملازمت کے دوران وہ مستحق لوگوں کی دعائیں لیتے رہے۔ نہایت شریف النفس، سادگی پسند، بامروت، اعلیٰ صفات رکھنے والے انسان ہیں جن سے مل کر ہر ملاقاتی خوشی محسوس کرتا ہے۔ معین صاحب کی گھر کی ہر تفریب میں اُن کے قدیم دوست لازماً مدعو رہتے ہیں ان کے گھر کی مختلف تقاریب کے سلسلے میں اُن کی خواہش پر ہمیں بس نے کئی اشعار لکھے ہیں۔ معین صاحب کا سارا گھرانہ تعالیم یافتہ ہے۔ ان کے ۴ بیٹے ہیں اور ایک بیٹی ہے۔ بڑا بیٹا محمد نظام الدین ڈاکٹر ہے جو امریکہ میں مقیم ہے۔ دوسرا اور تیسرا بیٹا انجینیر ہے یہ دونوں بھی امریکہ میں رہتے ہیں۔ چوتھا بیٹا جدہ میں ہے۔ ان کی بیٹی بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ خواجہ معین الدین، دنیا کی ساری نعمتوں سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ فیض یابی کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

میں اُن دوستوں کو خاص طور پر یاد رکھتا ہوں جو اپنی ابتدائی زندگی اور دوستی کے زمانے کو یاد کرتے ہوئے ہمیں دوستی کی خوشبو سے اپنے دل و دماغ کو ہلکاتے رہتے ہیں۔ خواجہ معین الدین میرے ایسے ہی دوست ہیں جن سے مل کر دل و دماغ میں مسرت و انبساط کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ان کا مسکراتا ہوا چہرہ میری بینائی بڑھاتا ہے۔

خواجہ معین الدین (الہیال)

(منکسر المزاج - خاموش طبع انسان)

حیدر آباد کے یہ قید حیات شرفاء کی جب بھی فہرت مرتب کا جائسگی تو اس فہرت میں خواجہ معین الدین صاحب (الہیال) کا نام بھی نمایاں رہے گا۔ ہمارے معاشرہ میں بہت سے ایسے لوگ بھی ملیں گے جو دوسروں کے حالات جاننے اور ان کی روزمرہ کی مصروفیات سے دلچسپی رکھتے ہوں مگر اسی سوسائٹی میں کچھ ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جو صرف اپنے کام سے کام رکھتے ہیں دوسروں کے معاملات سے انہیں کسی قسم کی دلچسپی نہیں لگتی۔ خواجہ معین الدین صاحب کو میں گذشتہ نین دہائیوں سے جانتا ہوں۔ میں نے انہیں ہمیشہ کھر استحقاق پاک کے صاف اور شائستگی کا مظہر انسان پایا ہے۔ خواجہ معین الدین کی ملازمت کا تعلق نظامت زراعت سے تھا جہاں وہ مستطعم کی حیثیت سے خوشگوار ماحولی میں گزار گئے۔ مطابق وزیر داخلہ حکومت آندھرا پردیش

کا شاعری کے دلدادہ ہیں۔ ان کے ہاں نامور شاعروں کی غزل کے کمبیس کے علاوہ ممتاز مکتو کاروں کے کمبیس بھی موجود ہیں ہر نئی کتاب کے وہ مندرجہ نشی رہتے ہیں۔ مجھ سے میری اور میرے دوستوں کی کتابوں کے لیے فرمائش کرتے رہتے ہیں۔ خواجہ صاحب کے دل میں میری بڑی وقعت ہے اکثر ملاقاتوں میں میری شاعری و ادبی سرگرمیوں کا دل کھول کر تذکرہ کرتے ہیں خواجہ صاحب کے ہاتھ میں ہمیشہ ایک بریف کیس رہتا ہے۔ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب جب تک زندہ تھے خواجہ صاحب دفتر سیاست زیادہ آتے تھے اب بھی وہ آتے ہیں لیکن بہت کم۔ زاہد علی خان صاحب بھی خواجہ صاحب سے خلوص رکھتے ہیں زاہد علی خان صاحب کے گھر کے تمام افراد خواجہ صاحب کی عزت کرتے ہیں خواجہ صاحب نے عابد منزل سے اپنی دبیر بنہ رفاقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سابقہ روایت کو باقی رکھا ہے زاہد علی خان صاحب کے گھر میں ہونے والی نجی محفلوں میں بھی خواجہ صاحب مدعو رہتے ہیں ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کے سلسلے میں خواجہ صاحب کا تعاون حاصل رہتا ہے مہمان شعراء کے خیر مقدم کے لیے وہ ریلوے اسٹیشن پہنچ جاتے ہیں شعراء کی میزبانی میں بھی پیش پیش رہتے ہیں ملک بھر کے شاعری خواجہ صاحب کے مراسم ہیں۔ سبکی اتنا ہی سے انہیں گہری دلچسپی ہے جب تک مہمان شعراء حیدر آباد میں رہتے ہیں خواجہ صاحب ان سے ہر ممکنہ تعاون کرتے ہیں۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعرہ کی فائیل میرے پاس رہتی ہے اس لیے وہ مجھ سے مشاعرہ کے دوران ربط رکھتے ہیں۔ وہ جانتا چاہتے

ہیں کہ کوئی شاعر کب آئے گا اور اُس کی واپسی کب ہوگی؟ میرے پاس
 ساری تفصیل رہتی تھی وہ نوٹ کر لیا کرتے تھے یہاں شعرا کے آمد و رفت کی
 تفصیل جاننے کے بعد اُن کے قیام اور اُن کی واپسی کا ذمہ داری کو بھی سنبھالنے سے
 بھگتاتے رہے۔ بعض یہاں شعرا کی نازیداریاں بھی سنبھالنے تھے مگر آف نہ
 کرتے تھے۔ خواجہ صاحب نہایت سنجیدہ اور عارف دل انسان ہیں انتظامِ
 مشاعرہ میں اگر کوئی الجھن ہوتی تو وہ عذرگی کے ساتھ نیپٹا بیٹھے۔ یہاں شعرا کی
 آمد پر ہی میں ریلوے اسٹیشن چڑھا جاتا اُن کے آنے کے بعد کوئی خاص مشرک ہو
 تو اُن سے مل لیتا۔ جس زمانے میں جناب عابد علی خان صاحب شکرچی میموریل
 سوسائٹی کے مشاعروں کے نگرار رہتے تھے خواجہ صاحب یہاں شعرا کی آمد و
 رفت کے سلسلے میں معاون رہتے تھے۔ خواجہ صاحب شہر کی تقریباً اہم ادبی
 جلسوں و مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ خواجہ صاحب کے پاس
 ادبی ٹرسٹ اور شکرچی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں میں شرکت کرنے والے
 بیہتر شعروں کے خطوط موجود ہیں خواجہ صاحب کی میزبانی سے متاثر ہو کر
 یہاں شعراء اہمیتیں خطوط لکھا کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب جیسے وضعِ الہام جو
 حیدر آباد کی پیرانی تہذیب و افکار کی پاسداری کرتے ہیں کم رہ گئے ہیں لیکن
 جتنے بھی رہ گئے ہیں اُن کی فہم کی جانی چلے بیٹھے۔ خواجہ صاحب کو میں سیاست
 سے ان کے جذباتی لگاؤ کی وجہ سے بھی پسند کرتا ہوں ایک شریف آدمی سمجھتا
 اپنے محرم فرماؤں کو یاد کرتا ہے۔ خواجہ صاحب ہی ان لوگوں میں سے ایک ہیں
 جو اپنے محسنوں کو دل و جان سے یاد کرتے ہیں۔ جب کبھی مجھ سے خواجہ صاحب

کی ملاقات ہوئی تھی۔ یہی صاحبہ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کی
 یاد آجاتی ہے اور میں اپنے ان دو محترم شخصیتوں کی یاد میں کافی دیر
 تک کھوجتا ہوں۔ خواجہ صاحب ہماری تہذیبی رشتوں کا ایک تسلسل
 ہیں۔ جن کی عزت کی جانی رہے گی۔ —

جی۔ ایکم خان

(تہذیبی رشتوں کے پاسدار، بااثر واقعہ بامروت شخصیت)

انسانی اور تہذیبی رشتوں کی پاسداری کہنے والے لوگ جب اپنی علمی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ان کی ہر حرکت ان کے اعلیٰ و ارفع اسلاف کے بہنہ بین کردار کا اعلیٰ نمونہ ہے اس طرح کے لوگ جب اپنی زندگی کے سفر کا آغاز کرتے ہیں تو ان کے راستوں کے تمام پیچ و خم، حالات کی مری و مگر، دھوپ، چھاؤں کی تمازت اور ٹھنڈک ان کے ہم رکاب ہوتی ہے اور وہ نسیم صبح کی بھیبتی بھیبتی خوشبو کی طرح اسنے دل و دماغ کو نرت و نارت کی بخشش ہوئے فرقت آگئیں ہی نہیں کیف سم و تلحات سے بھی بالوس ہو جاتے ہیں اور ان کا ہر عمل ان کے تہذیبی مستقبل کی نشاندہی کرتا رہتا ہے۔ فکر و نظر کی باہدگی، ذہن و خیال کی تازگی، فہم و ادراک کے تمام دروازے کھول دیتی ہے اور معاشقہ کے بہتر نواز

اسی پائس کے ماحول کو چمکانے رستہ ہیں۔ زندگی میں کچھ بننے اور کچھ کر دکھانے
 کی زمر میں لہریں مارنے جسم میں خون رواں کی طرح ایسا شر چھوڑا ہی جاتی ہیں
 اس طرح کی کیفیات سے گزرنے کے دوران زندگی کے ہر مرحلہ پر کامرانی و
 کامیابی کے ساتھ رواں دواں رہتے ہوئے کھلے آسمان تلے راحت کی سانس
 لیتے ہیں۔ اسو با سے کامیابی اور اس جو تباہی کے زندگی رکھنے کا نہیں چلتے
 رہتے کا نام ہے۔ ایک نثری بہیر شخص اپنے سر پر سوز کی طاقت کو برعکس
 ہوئے اونچی اڑان بھرنے لگتا ہے۔ آسمان کی بلندیوں تک پہنچنے کا
 آرزو مند رہتا ہے۔ جو شخص اپنی علی زندگی کا حوصلہ مسافر پر اس کے
 قدم حالات چاہتے کسی بھی طرح کے ہوں رکھتے نہیں۔ وہ خوب سے خوب تر
 کی تلاش میں سرگرم عمل رہتا ہے اس طرح کے مجموعی تاثرات سے
 فیض یاب کامیاب و کامرات زندگی گزارنے والی شخصیت غلام محمد خان
 کی بھی ہے جو دل و دماغ پر چھائے ہوئے دو کتنوں میں سے ایک ہیں
 جنہیں میں اردو فیڈول (جشن اردو) ۶۰-۱۹۵۹ء کے حوالے سے اپنے
 ذہن و فکر کے چھوٹے اور لہرائے ہوئے گوشوں میں پاتا ہوں۔ اور میں
 اپنے میں ذاتی و خانہ دانی شرافت کی خوشبو سے مسح و رہنے والے یا اخلاق
 و باہر و نفع نغیس انسان کی ہلک آج بھی محسوس کر رہا ہوں۔ جی۔ ایم
 خان کو میں نے پہلی دفعہ شیعہ اردو جامعہ عثمانیہ کے کمرے نمبر ۵ کے قریب
 دیکھا تھا ان کے مشترکہ دوست احمد اللہ قادری صاحبی اللہ قادری
 تحفہ المیزان اور کچھ اور طلباء ان کے ساتھ تھے۔ میں اس وقت کسی ادبی

نفرتیں ہیں شرکت کے لیے جامعہ عثمانیہ آجاتھا۔ جی۔ ایم۔ خان سے میری
 ملاقات اُس دور ۱۹۵۹ء میں مختلف کالجوں اور جامعہ عثمانیہ
 کے ادبی جلسوں اور مشاعروں کے علاوہ اردو ہال، ادارہ ادبیات اردو
 میں ہونے والے مشاعروں کے موقع پر ہوا کرتی تھی۔ انہیں میں نے
 کبھی تنہا نہیں دیکھا وہ اپنے احباب صفی اللہ قادری، احمد اللہ قادری
 اور دیگر طلباء کے ساتھ رہتے تھے مشاعروں سے لطف اندوز
 ہوتے اور خوب منفرد و رکھ شاعروں کو میوٹ کرتے تھے اُس زمانے
 میں صفی اللہ قادری خاص طور پر مشاعروں میں اپنی زندہ دلی کا کچھ زیادہ
 ہی مظاہرہ کرتے تھے۔ یہ گروپ اردو ہال اور ادارہ ادبیات اردو کے علاوہ
 شہر میں متعدد اہم اہم مشاعروں میں بھی موجود رہتا تھا جی۔ ایم۔ خان اپنے
 تمام ساتھیوں میں کمجیدہ طبیعت انسان تھے ایسے مزاج کی شناسائی،
 طبیعت کی نفاسات اور روشن ذہن و فکر کی وجہ سے ادبی غفلوں کے لیے
 کبھی بار نہیں بنے رہے۔ اپنے تمام اساتذہ کی تعظیم کرتے تھے۔ تمام طلباء و
 ساتھیوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنے تھے۔ میں نے جب بھی جہاں بھی
 انہیں دیکھا ہے ان کے چہرہ پر خوشگوار مسکراہٹ کھلتاں، کچھ قی نظر آتی
 رہتا۔ ان کا گفتگو سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ میں کبک نسبت یافتہ کسی
 خاندانی نوجوان سے محو گفتگو ہوں۔ اردو فیوٹلڈ کے بہترین دوستوں
 میں خاص طور پر ہاشم حسن سعید، مسعود متین (مسعود عیسیٰ اردو فیوٹلڈ)
 اور جی۔ ایم۔ خان کو بھی میں اپنے بہت قریب محسوس کرتا۔ یہاں بعض لوگوں

کی شخصیت اتنی جاذب نظر اور جادو اثر ہوتی ہے کہ اُن کی جیسے ملاحظت
 ادران کے بھولے بچے خوشبو تاجیات جسم و جاں کو ہر کافور رہتی ہے۔ یہ
 ضروری نہیں ہے کہ ہر روز یا اکثر و بیشتر ملنے والے احباب ہی دل کی گہرائیوں
 میں آخر حباب میں بند ایسے لوگ بھی رگ چاں کے قریب رہتے ہیں کہ جن
 سے بہت کم ملاقات رہتی ہے۔ میں جب اردو فیصلہ کی ہمدردی کی کیفیت
 سے گذرنا رہتا ہوں تو مجھے اُس وقت کی تمام سرگرمیاں اُس وقت کی تمام
 مصروفیات اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں اور جب میں اپنی بزم خیال کا دار فستگی
 کے ساتھ ایک اجماع جمعہ میں جاتا ہوں تو اُس خوشگوار دور کے ایک ایک لمحہ
 میں غمور ہو کر رہ جاتا ہوں۔ اردو فیصلہ کے سلسلہ کی شعری و ادبی سرگرمیوں
 کی بے ساختہ یاد آجاتی ہے۔ دل و دماغ پر اُس دور کی کچھ شاہکار شخصیتیں
 بھرے ہوئے تالاب کی طرح دکھائی دیتے ہیں کچھ بھرتی ہوئی ندی کی طرح
 یادوں کے ساحل سے نکلنے والی ہوئی گزر جاتی ہیں اور کچھ لہریں ساحل کے وجود میں
 کچھ اس طرح صدمہ ہو جاتی ہیں کہ نہ تو ساحل ہی باقی رہتا ہے اور نہ ہی لہریں۔
 یادیں ہر شخص کی زندگی کا ایک اہم و محفل ہوتی ہیں۔ اگر یادیں زندگی کی
 ہم رکاب نہ رہیں تو انسان کا سارا وجود بے معنی و بے مطلب ہو کر رہ
 جاتا ہے۔ جی ایم خان کو اردو شعروادب سے کافی دلچسپی ہے محفلِ موسیقی و
 تہذیبی تقاریر سے بھی وہ دلچسپی رکھتے ہیں جی ایم خان اپنی طالب علمی کے
 زمانے میں اپنے بہترین مستقبل کے لیے مسلسل کوشاں رہے۔ غلام محمد خان
 کی تاریخِ سب سے پیش رو ۱۶ اگست ۱۹۳۸ء عثمانیہ یونیورسٹی سے بی کام

کیا۔ ابتدائی تعلیم گوشہ محل ہائی اسکول میں ہوئی۔ جناب ذوالفقار علی خان
 صدر مدرس تھے۔ ۱۹۵۶ء میں میٹرک پاس کیا پیری یونیورسٹی کو رس کے
 تکمیل کے لئے ۱۹۵۷ء میں چادر گھاٹ کالج کے طالب علم رہے۔ ڈاکٹر مسد
 بنی اندین قادری ذور پرنسپل کالج تھے جناب ڈاکٹر حمید الدین شاہ اردو
 کے کچھ رہے۔ چادر گھاٹ کالج کے سالانہ میگزین "فکر نو" میں مضامین
 شائع ہوتے تھے۔ ایوننگ کالج کے "شب تاب" میں بھی مختصر سرائے شائع
 ہوتی تھیں۔ ۱۹۵۸-۶۱ء جامعہ عثمانیہ میں رہے جہاں سے بی کام کی ڈگری
 حاصل کی۔ جوائنٹ سکریٹری بزم اردو رہے۔ بزم اردو آرٹس کالج کے
 تحت ایک پرچہ "سفر" شائع ہوا تھا جس میں ان کے مضامین شائع ہوتے
 تھے جامعہ عثمانیہ کے خاص بزم جس کے مدیر ہاشم حسن سمیع تھے جی ایم خان کا
 مضمون شامل ہے اُس وقت آرٹس کالج جامعہ عثمانیہ کے پرنسپل عبدالقادر
 صاحب تھے۔ ۱۹۶۱ء میں گراجویٹیشن کی تکمیل کے بعد ملازمت کا سلسلہ
 شروع ہوا۔ ابتدا میں بہ حیثیت میڈیکل اسٹور (خارجی بی ایٹمیٹیوٹ
 لارم نمایر تقرر ہوا۔ پھر نرقی پیرڈاٹر کڑ میڈیکل سروس میں بہ حیثیت
 گراجویٹ پوزیشن دی گئی یہ سلسلہ ۱۹۷۶ء تک جاری رہا۔ اگست ۱۹۷۶ء
 میں وہ جبکہ اسٹائیکل اسٹنٹ کے عہدہ پر فائز تھے۔ ملازمت کو خیر باد کہہ دیا
 اور جدہ کے لیے روانہ ہوئے۔ سعودی ابراہیم لائسنس ہیڈ آفس جدہ پر یہ حیثیت
 آڈینر اکاؤنٹ تقرر ہوا۔ یہ سلسلہ ۲۱ برس تک جاری رہا (مئی ۱۹۷۶ء تا ۱۹۹۷ء)
 ریٹائرمنٹ کے بعد جدہ آباد واپس ہوئے۔ یہ وہ دور تھا کہ انہیں تمام تر

سہولتیں حاصل نہیں جتنا پنجہ دوران ملازمت مع فہمی دنیا کے بیشتر ممالک سما
دورہ کیا۔ جن میں قابل ذکر امریکہ، لندن، سوئٹزرلینڈ، فرانکفرٹ اور
کیسٹل ہیں۔ یٹرا بیٹا غلام محمود خان ٹیکل کی۔ اسی کی تکمیل کرتے ہوئے امریکہ
روئے ہوا اور آج ایم ایس کی تکمیل کرتے ہوئے انتہائی اطمینان بخش
زندگی گزار رہا ہے۔ دوسرا بیٹا حیدر آباد میں ہے ان کی بیٹی نصر اسکول کی
طالبہ ہے جامو کے دوستوں میں احمد جلیس رحوم بھی اُن کے قریب ترین
دوست ہے۔ جی۔ ایم خان حیدر مسلسل اور بہترین لمحوں کی تلاش و جستجو
میں سرگرواں رہتے تھے۔ کالج اور یونیورسٹیز سے ڈگریاں لینے کے بعد جب
طلباء اپنی علمی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو ان کے لیے کئی راستے کھلے ہوئے
ملنے میں اور بند بھی۔ لیکن ایک کامیاب انسان اپنی پوری صلاحیتوں اور
توانائیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہرے پورے نوگوں کی صفوں
کو چیر کر آگے نکل جاتا ہے۔ جی۔ ایم۔ خان نے کبھی جی جستجو کی راہوں میں
نخن محسوس نہیں کی۔ ایک لمبے عرصے کے بعد جب جدہ میں منعقد ہوا
۱۰ سالہ جشن حیدر آباد تقاریب کے سلسلے میں جی۔ ایم۔ خان سے ملاقات
ہوئی تو مجھے بے حد مسرت ہوئی۔ میں نے ایک شاعر کی حیثیت سے اس
تقریب میں شرکت کی تھی اُس ملاقات کے بعد جی۔ ایم۔ خان جب کبھی
حیدر آباد آنے لگے نہ کہیں اُن سے ملاقات ہوجاتی تھی۔ میں جب طے پل
میں قیام پذیر رہا تو اُن سے ملاقات کچھ زیادہ ہی ہوئی رہی۔ طے پل میں
اُن کے سسرال کا مکان ہے جو ہاشم حسن سعید کے مکان کے قریب ہے۔

بی۔ ایم۔ خان سے عموماً سیارست آفس سے ملنے ہوئے ملے پلے میں ملاقات ہوا جاتا تھی۔ کچھ دن پہلے مسعود متین اور ہاشم حسن سعید میرے گھر آئے تھے کافی دیر تک اپنے قدیم دوستوں کا تذکرہ اچلتا رہا۔ اردو فیصلوں کی سرگرمیاں بھی زیرِ گفتگو رہیں۔ اُس ملاقات میں بھی جی۔ ایم۔ خان کا ذکر آگیا۔ ہاشم نے بتایا کہ جی۔ ایم۔ خان بھی اُن خوش نصیب لوگوں میں سے ایک ہیں جن کو خدا نے دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان کا گھرانہ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہے۔ پھر یہ طے پایا کہ کہیں نہ جی۔ ایم۔ خان سے ایک ملاقات کی جائے ایک دن میں اور ہاشم ان کے دولت خانہ واقع (نور خاں بازار) پر پہنچے۔ جیسے ہی ہم نے کالی بل دی وہ فوراً باہر آئے۔ ہمارا پیر بتناک خیر مقدم کیا۔ اپنے بہترین آراستہ و پیراستہ ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ ہماری خاطر تواضع کی۔ سوچیاہوں کیا کہنے ایسے دوست و احباب رہ گئے ہیں جن کی زندگی آئینہ مثالی ہے۔ کہتے ایسے دوست ہیں جو بے غرض دوستی کے اعلیٰ نمونہ ہیں۔ میں تو سی چاہوں گا کہ خدا سے برتر میرے تمام دوستوں کو دین و دنیا کی برکتوں سے سرفراز کرے۔ میں ہاشم حسن سعید کے لیے ہمیشہ دعا گو رہوں گا کہ اُن شخص نے ایک بہترین ویلے لوٹ دوست کی طرح مجھ سے اپنے مراحم استوار رکھے ہیں۔ ہاشم حسن سعید جو کچھ لوگوں اور بعض دوستوں کی وجہ سے بھی ہمیشہ میرے دل کے قریب ہیں۔ ہاشم کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ

ہیں۔ آعظم صاحب کو شیخ عبداللہ حقیق منتر جموں و کشمیر کے
 ہاتھوں ہندو مسلم یونیورسٹی ایوارڈ مل چکا ہے وہ اسٹنڈ ڈائریکٹر اگر بنگلہ
 ڈیپارٹمنٹ رہ چکے ہیں عابد علی خان میجور ریل ٹرسٹ کے رکن بھی ہیں
 آعظم صاحب کے یقیناً بہت سے دوست ہوں گے اور ہر طرح
 کے دوست زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ہوتے
 ہیں یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک شاعر کی صرف کسی شاعر سے ہی دوستی
 ہو یا کسی ادیب و صحافی کی کسی ادیب و صحافی سے ہی دوستی ہو۔ حقیقی
 دوستی کے لیے کسی خاص پیشے کے سبب ایک دوسرے سے وابستگی ضروری
 نہیں ہے۔ دوستی کسی بھی انسان سے ہو سکتی ہے کسی بھی ہو سکتی ہے
 ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ دو دوست ایک دوسرے کے سبب
 سے قطعی تعلق نہیں رکھتے۔ میں یہاں محمد آعظم اور جناب زاہد علی خان
 صاحب کی دوستی کی مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جناب زاہد علی خان صاحب
 ایک بہت بڑے اخبار سیاست کے ایڈیٹر ہیں اور محمد آعظم نہ تو کوئی
 صحافی ہیں نہ ہی شاعر و ادیب بلکہ وہ زاہد علی خان صاحب کے دوست
 ہیں صرف دوست۔ ان دونوں کا رشتہ صرف دوستی کی اساس کا
 سر ہون منت ہے۔ محمد آعظم، زاہد علی خان صاحب کے بہت ہی اچھے
 دوست ہیں۔ دونوں ہم خیال ہیں دونوں میں بڑے نکلنے سے اور دونوں
 کی دوستی مثالی ہے زاہد علی خان صاحب کی طرح محمد آعظم بہ ذات خود ایک
 نفیس اور شریف النفس انسان ہیں۔ آعظم صاحب سے میرے بھی

مرا سم ہیں لیکن ایسے نہیں کہ جو ایک شاعر کے دوسرے شاعر یا ایک ادیب کے دوسرے ادیب کے ساتھ ہوتے ہیں۔ آعظم صاحب کو میں اُنس وقت سے جانتا ہوں جب وہ عابد علی خان صاحب کے گھر کی تقریباً تمام تقریبات میں مصروف رہا کرتے تھے۔ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب آعظم صاحب کو بہت چاہتے تھے جگر صاحب تو دس بیٹے تو کہتے تھے کہ آعظم صاحب سیاست کے بی آؤ ہیں آعظم صاحب عابد علی خان صاحب کے گھر کے ایک فرد کی طرح گھریلو تقاریب میں برہ چہرہ کر حصہ لیتے رہے ہیں۔ عابد علی خان صاحب کے گھر کے تمام چھوٹے بڑے لوگ آعظم صاحب کو اپنے ہی گھر کا ایک فرد سمجھتے ہیں حیدر آباد کی یا ضلع کی علمی و ادبی محفلوں میں جب کبھی زاہد علی خان صاحب شرکت کرتے ہیں تو عموماً آعظم صاحب اُن کے ساتھ رہتے ہیں۔ زاہد علی خان صاحب آعظم صاحب کو آعظم کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور آعظم صاحب زاہد علی خان صاحب کو نواب کہہ کر۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ آعظم صاحب تہابیت خود دار، یا اصول اور بے لوث انسان ہیں۔ محمد آعظم صاحب کو ہیں نواب شاہ عالم صاحب کے حوالے سے بھی جانتا ہوں۔ خاص طور سے نواب شاہ عالم کی ایک تقریب کے حوالے سے میں زیادہ واقف ہوں جو سالانہ گلابوں کے چھوٹوں کی ٹائٹل کے موقع پر ہوتی ہے جس کے نواب شاہ عالم صاحب سربراہ رہتے ہیں اور محمد آعظم صاحب ان کے معاون۔ محمد آعظم صاحب کو میں نے اخبار سیارہ کے حوالے میں کسی بھی حیثیت سے

حائل ہوتے ہیں دیکھا۔ آءِ اعظم صاحب زاہد علی خان صاحب سے وابستہ
خاص خاص محفل شعر و نغمہ میں بھی دلچسپی لیتے رہتے ہیں آءِ اعظم صاحب
حیدر آباد روز سوسائٹی کے رکن بھی ہیں۔ ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں میں
بھی آءِ اعظم صاحب قلم لے کر کرتے رہتے ہیں بیکان الہوند نے بہت کم عمل
حصہ لیا ہے البتہ اوہ دو سال قبل عبد علی خان آئی ہا سپیل کی رقم
اعانت کے لیے منعقدہ ادبی ٹرسٹ کے مشاعرہ میں کافی سرگرم رہے۔
خاص طور پر انہوں نے جہان شعراء کے انتخاب اور حیدر آباد میں ان
کی میزبانی کے سلسلے میں بہت زیادہ حصہ لیا۔ محمد آءِ اعظم صاحب نمائش
سوسائٹی سے بھی تعلق رکھتے ہیں شنکرجی میموریل سوسائٹی کے بھی وابستہ ہیں
سوسائٹی کے ایک مقبول رکن ہیں نمائش سوسائٹی سے متعلق تہذیبی پروگرام
سے بھی تعلق خاطر رکھتے ہیں نمائش سوسائٹی کے مختلف شعبوں سے کسی
نہ کسی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں آءِ اعظم صاحب شنکرجی میموریل سوسائٹی
کے مشاعروں میں گذشتہ ۲، ۳ سال سے کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہے
ہیں شنکرجی میموریل سوسائٹی کے مشاعروں کے روبرو ان جناب جی الیگز
جیلانی تھے۔ آءِ اعظم جب بھی مجھ سے ملتے ہیں تو بے حد خلوص کا مظاہرہ
کرتے ہیں ان کے لبوں پر "نیر بھائی، نیر بھائی کے الفاظ
رقص کناں رہتے ہیں۔ بے حد پُر خلوص شخصیت کے حامل ہیں۔ تین
سال پہلے جبکہ وہ نمائش کلب کے پروگرامس سکریٹری تھے صنعتی نمائش
کے موقع پر نمائش سوسائٹی کے زیر اہتمام منعقدہ مشاعرہ میں وہ بیرونی

شعراء کو مدعو کرنا چاہتے تھے۔ ان دنوں کئی دفعہ غریب خان صاحب مشورہ کیا کرتے تھے۔ میں ہر ممکن تعاون کرتا رہا۔ جب بھی وہ سیاست میں زائد علی خان صاحب سے ملے، آغوش میں تو مجھ سے بھی مل لیتے ہیں۔ وہ سیاست اخبار سے میری برسوں کی وابستگی سے واقف ہیں۔ سیاست سے میرے اٹوٹ رشتہ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ آغوش صاحب باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں ہمیشہ مسکراتے ہوئے گفتگو کرتے ہیں۔ ان کے رکھ رکھاؤ اور ان کے انداز گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مہذب معاشرہ کی ایک پاک و صاف شخصیت ہیں نظام کلب کی سرگرمیوں سے بھی واسطہ رکھتے ہیں نظام کلب کے زیر اہتمام ہونے والے ہر تہذیبی پروگرام میں سیرے چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ آغوش صاحب اپنی ملازمت کے زمانے میں بھی تمام اعلیٰ عہدہ داروں کے منظرِ نظر رہتے۔ اپنے ساتھیوں اور اپنے ماتحتین کے ساتھ ان کا دوستانہ و برادرانہ سلوک رہا۔ ساری ملازمت انہوں نے باوقار انداز میں گزاری۔ آغوش صاحب کو شعر شاعری اور موسیقی کی محفلوں سے بھی وابستگی ہے خاص طور پر محفل موسیقی کے انعقاد میں اپنی پوری صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہیں آج بھی کئی (اعلیٰ عہدہ دار) ان کے دوست ہیں آغوش صاحب کے مراسم بے ثلوث و ادب کا آئینہ دار ہونے میں آغوش صاحب کے خلوص کا انداز اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ ان کی زندگی کا سفر بھی اجالوں کے سفر کی طرح جاری رہے گا پوری شگفتگی و شائستگی کے ساتھ۔ آغوش صاحب

مشرقی ماحول کے پروردہ ہیں نبی ہی تو وہ آداب گفتگو اور آداب
نشست و درخواست سے پوری طرح واقف ہیں نہایت فراخ دل
خوش مزاج اور ہلکتی جھومٹی شخصیت ہیں۔ ان کے گھر کا سارا ماحول
علمی اور دینی ہے۔ اعظم صاحب پابند صوم و صلوات ہیں۔ جس ادارہ یا
یجن سے بھی وہ وابستہ رہتے ہیں تو اپنی پوری توانائی ادارہ یا یجن
کے لیے صرف کرتے ہیں۔ نہایت محنتی انسان ہیں۔ سماجی و قلمی
کاموں سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں ہر ممکنہ طور پر خدمات انجام دیتے ہیں
باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں ہمیشہ ان کے چہرہ پر شگفتگی
نظر آتی ہے خوش مزاج اور دوستی کے قابل انسان ہیں منکسر المزاج
ان کی فطرت کا ایک خاص وصف ہے ہر شخص سے ہندہ پیشانی گے
ساتھ ملاقات کرتے ہیں۔ صاف دل، پاک و صاف اور متاثر کن
شخصیت ہیں۔ جس محفل میں بھی یا جن لوگوں کے ساتھ بھی اعظم صاحب
رہتے ہیں یقیناً وہاں کا ماحول عطر و عذرا بن جاتا ہے۔

بصیر افضل

(اچھے شاعر۔ منکسر المزاج، فرض شناس عہدہ دار)

محکمہ بلدیہ کے اعلیٰ افسروں میں جناب نریندر لوتھر اور جناب جنت حسن جیسی شخصیتوں کی اعلیٰ کارکردگی اور مقبولیت کو ہمیشہ سراہا جاتا رہے گا۔ محکمہ بلدیہ کے بعض فرض شناس عہدہ داروں میں عباس ہاشمی ڈپٹی کمشنر کے ساتھ ساتھ بصیر افضل صاحب اسٹیشننگ سٹی پلاننگ سکند آباد دیو پور کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ محکمہ بلدیہ کے سیر خدمت عہدہ داروں میں میرے شاعر دوست بصیر افضل کی کارکردگی بھی محکمہ بلدیہ کے اعلیٰ افسروں اور دیگر اسٹاف کی نظروں میں قابل قدر سمجھی جاتی ہے جنھوں نے اپنی خوش اخلاقی کے سبب سارے محکمہ میں اپنی منفرد پہچان بنائی ہے۔ یقیناً ہر محکمہ میں کچھ آفیسر اور ملازمین جیسے ہوتے ہیں جو اپنی اعلیٰ صلاحیتوں، عمدہ کارکردگی اور فرض شناسی کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ میں نے بصیر افضل صاحب کے بارے میں یہ بھی

سنا ہے کہ وہ اپنے آفس کے تمام ساتھیوں میں بشمول خدیوہ امان پندیہ
 نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ اہل عرض حضرات بھی اُن کے حسن سلوک کے
 محترف ہیں اور اُن کے تعاون سے مطمئن رہا کرتے ہیں۔ بصیر افضل صاحب
 کی تازہ ترقی پیدائش ۱۹۴۸ء میں ۱۱ مئی پر سربانی اسکول یا پتو
 جماعت تک تعلیم پائی۔ گورنمنٹ ہائی ٹیکنک ماں صاحب ٹینک سے ایس
 سی۔ ای دیپول انجینئرنگ (ڈیگرم) کیا۔ ۱۹۷۱ء میں محکمہ لایہ میں اپنی ملازمت
 کا آغاز کیا۔ بصیر افضل صاحب وہ ساتویں جماعت کے طالب علم تھے شعر کہنا شروع
 کیا۔ افسانے بھی لکھا کرتے تھے ان کے دو ناول ”پیاسے پتھر“ اور ”بھگاد کت
 شائع ہو چکے ہیں۔ پہلے ناول ”پیاسے پتھر“ کی رسم اجرا جناب ایم باگا ریڈی
 وزیر بھاری مصنوعات کے بافقوں انجام پائی۔ جو ۱۹۸۲ء کو سہری
 مارش انٹیٹیوٹ میں منعقد ہوئی تھی ریاست خاؤنیر قانون جناب آصف پاشا
 نہانِ خصوصی تھے۔ بصیر افضل سے میری دلچسپی ایک شاعر دوست کی حیثیت
 سے ہے۔ انھیں شاعر برادری میں کم آئین شاعروں کے زمرے میں شامل
 کیا جاتا ہے شاعروں میں بہت کم شرکت کرتے ہیں لیکن وہ شعر گوئی سے
 اچھی خاصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ مختلف اصنافِ سخن میں شعر کہتے ہیں لیکن
 غزل ان کے مزاج سے ہم آہنگ ہے اُن سے میری پہلی ملاقات دفتر سیٹ
 میں ہوئی۔ وہ مجھ سے ملنے کے لیے آئے تھے۔ مجھے وہ پہلی ملاقات میں ہی بعد
 شریف النفس، شائستہ مزاج، نفیس انسان معلوم ہوئے۔ اُن کا انداز
 گفتگو اور شائستہ لب و لہجہ اپنی پوری شناخت کے ساتھ مجھے متاثر کرتا رہا۔

انہوں نے دوران گفتگو یہ بھی کہا کہ وہ استاد سخن الملک الشعر اور یعقوب
 رحوم کے شاگرد رہے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ میر سے استاد معانی ہونے میں
 فیض اور نفع یعقوبی کا بھی حصہ ہے۔ جدید سند استاد سخن سے شرف تلمذ رہا ہے
 دج یعقوبی صاحب کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے میں ان
 سے ہر قسم کے شاگردوں سے واقف ہوں۔ حیدر آباد کے بہ قید حیات
 استاد سخن ہیں ڈاکٹر علی احمد جلیل اور خواجہ شوق ان کے قریب ترین شاعر
 یستوں میں شامل رہے ہیں۔ بصیر افضل صاحب کے شاعر دوستوں میں
 راستہ ندیم اور شاذ تمکنت بھی تھے۔ بصیر افضل صاحب کے کلام کے مطالعہ
 سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا کلام بلا سبکی اقدار سے گہرا رشتہ رکھتا ہے
 یا نہیں ہے کہ بصیر افضل صاحب کا کلام گل و بلبل کے مضامین کی حد تک
 محدود ہے۔ بلکہ ان کے کلام میں عصر حاضر کا وہ کرب و درد شامل ہے
 انسانی اقدار کی شکست و ریخت کا ایک سلسلہ لا منہا ہی ہے۔ ان کی
 تہ کم غزلیں میری نظروں سے گزری ہیں کبھی کبھی سیاست اور مصطفیٰ
 ، ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے اگر بصیر افضل کچھ وقت شعری ادب
 جیسے بھی نکالیں تو ممکن ہے کہ ان کا شمار حیدر آباد کے مشہور شاعروں
 میں ہو جائے۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ بصیر افضل مشاعروں کی
 انجمن سے بہت دور رہنا چاہتے ہیں۔ اپنے آفس کی ذمہ داریوں
 بہت ہی محنت کی ساتھ عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ بصیر افضل کے
 متنوں میں ابنا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر دوستوں کی تندرست کم ہے

اس کی اصل وجہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ شعری و ادبی
 مخلوق سے کم کم تعلق رکھتے ہیں۔ شاعروں میں بہت کم شریک ہونے
 ہیں۔ اگر وہ شعری و ادبی مخلوق میں شرکت کرتے رہیں تو ظاہر ہے کہ شعاع
 اور ادب کے ساتھ ان کے مراسم بڑھیں گے۔ اگرچہ بصیرت و عقل کا
 تنا حال عمومی مجموعہ کلام شائع نہیں ہوا ہے لیکن ان کے ہاں اتنا کلام
 موجود ہے کہ وہ ایک مجموعہ کلام شائع کر سکتے ہیں۔ ایک ملاقات میں
 انہوں نے مجھ سے کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں تعاون کی خواہش کی تھی
 مجھے اُس وقت بے حد سرت ہوتی ہے جب کوئی قلم کار اپنی شاعری اور
 اپنی تحریروں کو کتابی شکل دینا چاہتا ہے۔ ہمارے شہر میں اب بھی
 بہت سے ایسے قلم کار موجود ہیں جن کے ہاں کافی شعری و ادبی ذخیرہ
 موجود ہے لیکن وہ ان کی اشاعت پر توجہ نہیں دیتے۔ میرے خیال
 میں اس کی شاید دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک نوات کی افتادِ طبع
 اور سادگی اور دوسری وجہ وسائل کی کمی اور کمزور مالی موقف و بصرہ
 میں سے یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض قلم کار پوری تن دہی کے ساتھ اپنی تخلیقات
 کو کتابی شکل دینے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ ایسی کئی مثالیں ہمارے سامنے
 موجود ہیں۔ رفاکار ادب کا تجزیہ تو ہوتا ہی رہتا ہے اس مسئلہ پر
 غور کیجئے بغیر عملی اقدام ضروری ہے۔ میں خود اپنے کئی شاعر و ادیب
 دوستوں کو کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں توجہ دلاتا رہتا ہوں
 اردو اکادمی کی رقمی اعانت سے بھی اداہر ۲۰۲۲ برسوں میں

سینکڑوں کتابیں ہمارے شہر کے شاعروں اور ادیبوں نے شائع کی ہیں۔ جن میں سے بعض کتابیں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بعیر افضل کے مجموعہ کلام کی اشاعت سے شعبے خدمت ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ بہت جلد ان کا مجموعہ کلام منظر عام پر آجائے گا بعیر افضل ایک بہترین دوست، اچھے شاعر، خوش اخلاق اور مہذب شہری ہیں۔ میں اپنے دوست بعیر افضل سے کنارہ بننا ہوں کہ شعری و ادبی محفلوں میں کم کم ہی کسی شرکت کرنے رہیں تاکہ اچھی اچھی شاعری اور عمدہ عمدہ مضامین سے استفادہ کرتے رہیں۔

میری یہ خواہش ہے کہ بعیر افضل کا شعری سفر جاری رہے چاہے اس سفر کی رفتار دھیمی ہی کیوں نہ ہو، ان کے دل میں جو شمع ادب جل رہی ہے اس کی روشنی میں اصنافِ بیوزنار سپہ

خواجہ بہاء الدین

(بہترین حوینفار بے مثال دوست و خفیہ کامی)

مراسم کی بنیاد پر ہر سو ساتھی میں کچھ لوگ ایک دوسرے کی افادیت کے لئے کچھ ایسے کام بھی کر جاتے ہیں جو دوستی کا اقدار میں سرخروی کا باعث بن جاتے ہیں جب کسی کو دوست مان لیا جاتا ہے تو دوستی کی آبرو باقی رکھنے کا خیال دلی میں جاگزیں ہو جاتا ہے خواجہ بہاء الدین بھی میرے ایسے ہی دوستوں میں شامل ہیں جن کی دوستی میں کوئی موقوفی ٹکات کی سر ہوں منت نہیں رہی۔ بہاء الدین سے میری دوستی کی بنیاد اوّل ۱۹۵۵ء سے تقریباً ۱۴ سال سے ہم ایک دوسرے کے بہترین دو با اعتماد دوست ہیں۔ خواجہ بہاء الدین میرے افس کے ساتھی ہیں ۱۹۵۵ء میں جب میرا تقرر حکم کمپنی سے ریٹائر ہو گیا تھا تو وہاں بہت سے ایسے اچھے لوگ فحوض سے دوستی کرنے کو ہی چاہتا تھا۔ مجھ سے پہلے علیم الدین پر بھا کر اوائل اسٹیشن اور این واگھے چلے جیسے قابل اور جوانوں کا تقرر ہو چکا تھا۔

میرے بعد خواجہ بہار الدین کشپاکرن اور ارجمند راؤ کا تقرر ہوا۔ اس وقت
 مسٹر کروسووانی محکمہ کمیونٹی پروجکٹ کے ڈائریکٹر تھے۔ آفس کے منتظمین
 کی حیثیت سے محمد عمر صاحب اور محمد سعید صاحب اور محمود نواز خان کام کرتے
 تھے۔ مسلم اسٹاف کچھ زیادہ ہی تھا۔ ان دنوں بہار الدین سے میرے کچھ
 زیادہ مراسم نہیں رہے۔ پھر ہمارا محکمہ تشکیل آندھ پردیش کے وقت
 سکریٹریٹ کے پلاننگ / پیمنٹس راج ڈپارٹمنٹ میں ضم ہو گیا۔ یہ
 بات ۱۹۵۶ء کی ہے۔ سکریٹریٹ میں جگہ کی قلت کی وجہ سے ہمارے محکمہ کے
 اسٹاف کو کچھ مہینوں کے لئے سکریٹریٹ کے روپر دو واقع عمارت شاہ پور
 وارڈی میں کام کرنا پڑا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد جب ہمارا محکمہ پوری طرح سکریٹریٹ
 سے واپس ہو گیا اور جب ہم سکریٹریٹ میں تھے تو ہمارے محکمہ کے سکریٹری سی
 نر سم تھے جو بہت ہی محنت گیر آدمی تھے۔ محکمہ پلاننگ کے علاوہ آندھرا اور
 علاقہ تلنگانہ کے مشترکہ اسٹاف کا ملا جلا حکم بن گیا۔ میری پوسٹنگ پہلے
 I. P. O. میں ہوئی جو انتظامیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ خواجہ بہار الدین بھی کسی
 اور سیکشن میں تھے۔ ہندو ترقی ہم میں دو تہی بڑھتی گئی۔ تلنگانہ کے کالی ملازمین
 ان دنوں سکریٹریٹ میں تھے۔ ہم ملازمین کی تعداد بھی لیجی غاصبی تھی۔
 آپس میں اتحاد تھا۔ ہم لوگ آپس میں ملتے رہتے۔ لیکن ہماری دوستی
 پروان نہیں چڑھ سکی۔ پتہ نہیں چلا کہ ہم ۱۹۵۷ سال کس طرح گزر گئے۔
 سکریٹریٹ میں ان دنوں تمام ملازمین سکریٹریٹ کی ایک تہذیبی بن
 آندھرا پردیش سکریٹریٹ پبلک اسوسیایشن کے نام سے کام کرتی تھی۔ اس تقریب

کچھ دوران جو ایک ہفتہ جاری رہی تھی ہم لوگ جو اردو زبان سے دلچسپی رکھتے تھے، گلو کے ماحول میں کبھی کبھی اردو پروگرام پیش کرتے تھے، دن میں صرف ایک گھنٹہ دیا جاتا تھا ایک دفعہ ایک مشاعرہ بھی میرے مشورہ سے منعقد ہوا۔ خواجہ بہاء الدین، علیم الدین، افضل حسین، شکیل احمد، عباس ہاشمی، محمد حسین خان اور قادر علی بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ ڈرامے میں خواجہ بہاء الدین، افضل حسین اور سکریٹریٹ کے کچھ اور لوگ حصہ لیا کرتے تھے۔ پھر ایک ایسا موقع آیا کہ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا جس کا میں بانی سکریٹری ہوں۔ اس وقت کے پہلے صدر اسوکا ایشن بھارت چند کلمہ سکریٹری گورنر آندھرا پردیش نائب صدور کی حیثیت سے غلام احمد اسٹنٹ سکریٹری مسٹر جی راجو جوائنٹ سکریٹری اور رشیہ پدیشی اسٹنٹ سکریٹری شامل تھے جب انہیں تشکیلاتی نوٹس میں نے صدر اسوکا ایشن بھارت چند کلمہ کے مشورہ سے خواجہ بہاء الدین کو شعبہ موسیقی کا انچارج بنایا اور آج بھی وہ سکریٹریٹ کے پروگرامس میں حصہ لیا کرتے ہیں سکریٹریٹ اسوکا ایشن کے زیر اہتمام بہاء الدین نے بے شمار تہذیبی پروگرام کامیابی کے ساتھ پیش کئے۔ خواجہ بہاء الدین کے ہم خیال دوستوں میں عباس ہاشمی اور شکیل احمد تھے جنہوں نے خواجہ بہاء الدین کے ساتھ مکمل تعاون کیا۔ قافلہ بڑھتا گیا۔ نئے نئے مسافر شامل ہوتے گئے پھر شکیل احمد آئے۔ غفار تنویر آئے کرشنا کمار اور جیتی بھی آئیں۔ مرد گلوکاروں میں محمد حسین خان، قادر علی اور عباس ہاشمی

بہارِ گرام میں شامل رہنے لگے۔ بہارِ الدین نے کسی محفل میں بھی نغمہ سرای نہیں کی تمام
 گلوکار بہارِ الدین کی موسیقی کی دھنوں پر گایا کرتے تھے۔ خواجہ بہارِ الدین
 نے اگرچہ کسی موسیقی کے اسکول یا کالج سے موسیقی کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی
 لیکن خداداد صلاحیت کی وجہ سے وہ مکمل موسیقار بن گئے۔ خواجہ بہارِ الدین
 کی موسیقی کی دھنیں مثالی ہوتی تھیں۔ ان کی شہرت کا یہ عام ہے کہ دور
 درشن سے اب انہی کی زیرِ نگرانی موسیقی کے اکثر دیگر اس پیش کیے جاتے ہیں
 موسیقی کی محفلوں کے ذریعہ خواجہ بہارِ الدین نے اردو کی بڑی خدمت کی ہے
 سکریٹریٹ میں ایک خوشگوار ماحول بنایا۔ خواجہ بہارِ الدین سکشن آفیسر
 کی حیثیت سے ریٹائر ہو کر فرائض شام اور ذمہ دار ملازم سرکل کی طرح
 ساری ملازمت ٹیک نامی کے ساتھ گزاری۔ موسیقی کے حوالے سے شہر کے
 تمام گلوکاروں اور موسیقی کے کئی سربراہوں سے ان کے مراسم ہیں سکریٹریٹ
 اردو اسکی ایشن کے توسط سے پردہ گرام پیش کیے جانے کی وجہ سے ان کی
 شہرت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ انہوں نے غیر اردو داں مرد و خواتین
 گلوکاروں کی سرپرستی کی۔ آج بھی یہ خدمات انجام دے رہے ہیں خواجہ
 بہارِ الدین ایک بہترین دوست اور اعلیٰ کردار کے حامل انسان ہیں۔
 ہماری دوستی کا معیار، ہماری دوستی کی بنیاد بے لوث ہے ہم نے سکریٹریٹ
 میں شعر و ادب اور موسیقی کی محفلوں کے لئے خوشگوار ماحول بنایا۔
 سکریٹریٹ اردو اسکی ایشن کی وجہ سے سکریٹریٹ کے اعلیٰ عہدہ داروں
 سے ہمارے مراسم بڑھے اور ہم نے زبان و ادب کے ساتھ ساتھ موسیقی کی

سبھی خدمت کی۔ خواجہ بہار الدین کے لیے شمار شاگرد ہیں اُن کے دولت خانے
 واقع کالا ڈیرہ کالونی (ملک پیٹ) میں گلوکاروں کا کفر تیار ہوا روز
 بمبھٹا رہنما ہے اور جب کوٹا غام پیر و گرام پیش کرنا ہو تو رہبر سل
 کی نشستیں بٹھا کرتی ہیں خواجہ بہار الدین سکریٹریٹ کی مقبول شخصیت
 ہے ہیں۔ مسلم اسٹاف میں کچھ ملازمین ایسے بھی تھے جنہوں نے شعر و
 ادب اور موسیقی کی بدولت کافی شہرت حاصل کی اور جنہوں نے نہ صرف
 زبان و ادب و موسیقی کی خدمت کی بلکہ حیدر آباد کی تہذیبی روایات کو بھی باقی
 رکھا اور اپنے رکھ رکھاؤ سے آندھرا کے ملازمین کو یہ بتایا کہ حیدر آباد کے
 لوگ اس طرح کے ہوتے ہیں ان کی تہذیب اس طرح کی ہوتی ہے۔ ہم
 نے سکریٹریٹ میں نہایت خوشگوار ماحول برقرار رکھا۔ ہمارے محکمہ کے
 آندھرائی ساتھیوں میں مسٹر وینکٹ رمننا۔ جی پرمبھو۔ محمد لطیف۔ شیش گری
 کے نام قابل ذکر ہیں جو ہماری محفلوں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ شریک ہوتے
 تھے۔ سکریٹریٹ کے ملتے جلتے والے دوستوں میں نرسہاراؤ، خواجہ بہار
 الدین، خواجہ حسین الدین، افضل حسین، کننیا کرن، پربھا کراؤ، ارجن راؤ
 اور نرسہارائی، جی پرمبھو، محمد حسین، قادری، عباس ہاشمی، شکیل احمد
 وغیرہ قابل ذکر دوستوں میں شامل ہیں جنہوں نے ہمیشہ اردو زبان
 سے دلچسپی لی۔ سکریٹریٹ کی ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ خواجہ بہار
 الدین کی شخصیت قابل قدر و لائق تحسین ہے بہترین انسان ہیں
 سطا ف گھڑنے میں ماہر ہیں خوش مزاجی ان کا وصف ہے بد کہ سنی ان کے

مزارع میں رچ بس گئی ہے۔ سکریٹریٹ کے اعلیٰ عہدہ داروں میں خاص طور پر اپنے محکمہ کی حد تک پس منظر سے ہمارے بے تکلفانہ مراسم تھے وہ ہمارے محکمہ میں ڈپٹی سکریٹری / جوائنٹ سکریٹری تھے ان کے زمانے میں ہم نے بے شمار اہل غرض حضرات کی مدد کی ہے سکریٹریٹ کے اپنے محکمہ کے سٹاف میں کی جاسکے۔ پس اے عزیز جی اے ڈی میں ڈپٹی سکریٹری تھے ان سے بھی ہمارے دوستانہ مراسم تھے ان عہدہ داروں نے آپس میں کبھی تفریق نہیں پیدا کی کہ ہم سگشن آفیسر ہیں اور وہ ڈپٹی سکریٹری جوائنٹ سکریٹری ہیں سکریٹریٹ کے آفیسر میں غلام احمد صاحب کے علاوہ ترازب الحسن ^{صاحب} تھے بھی ہم لوگ بہت قریب تھے خواجہ بہار الدین نے میری مشاعری کے ابتدائی زمانے میں میری بہت سی غزلیں ریڈیو سے پیش کیں۔ سکریٹریٹ کے سپرد گرامس میں بھی میری غزلیں پیش کیں۔ کورس لگایا جاتا رہا۔ دور درشن سے میرا کلام پیش کر چکے ہیں۔ اکثر گلوکاروں کے ذریعہ خواجہ بہار الدین نے میری غزلیں گوائیں۔ جن میں قابل ذکر گلوکارہ دیوی رمنامورنی، امیر محمد خان، مالا سرارانیہ، غفار تنویر، صابر حبیب وغیرہ ہیں۔ سکریٹریٹ میں غیر اردو والے گلوکار شامتنا صدیقی، مس جیتی اور کرشناکاری جن کی آواز کوئل کی طرح ہے۔ بہار الدین کی دھنوں پر غزلیں گائی رہیں۔ آل انڈیا ریڈیو کی ڈیوٹی آفیسر نے مئی نے بھی بہار الدین کی دھنوں پر غزلیں گوائیں۔ خاص طور پر انہوں نے پہلی دفعہ جب ریڈیو سے میری یہ غزل

گالٹی تھی میری پلکیں بھیگ گئی تھیں۔ غ۔

یہ سوچا بھی نہ تھا اک دن بچھڑ جائیں گے ہم دونوں
خواجہ بہاء الدین دوستی کے قابل انسان ہیں ہم دونوں کے مراسم
انتہائی دوستانہ ہیں ہماری دوستی کی عمر تقریباً زائد از ۴۰ برس کی
ہے لیکن آج تک ہم میں کسی بات پر بھی اختلاف نہیں ہوا بلکہ
ہماری دوستی جیسے جیسے دن بڑھتے جا رہے ہیں پختہ ہوتی جا رہی ہے
وہ ایک یار باش، زندہ دل انسان ہیں۔ پاک و صاف ذہن و
فکر کے مالک ہیں۔ ہمدرد ہیں، روادار ہیں حیدر آبادی مزاج کے
عامل ہیں۔ خواجہ بہاء الدین کا خاندانی پس منظر بھی اہم رہا ہے ان
کے والد محترم احمد خان ایڈووکیٹ اپنے دور کے بہت مشہور وکیل
رہ چکے ہیں۔ اچھے انہیں دیکھنے کی سعادت حاصل رہی۔ بہاء الدین صاحب
پہلے اپنے والدین، بھائیوں کے ساتھ ایک بڑے مکان میں رہتے تھے جو
بائسٹ کھیت میں واقع تھا وہاں ان سے ملاقات ہوتی تھی ان دنوں
مغل موسیقی کے بہت سے پروگرامس ہوتے تھے جن میں میری غزلیں
گائی جاتی تھیں اب ایسی ساری باتیں، ساری سرگرمیاں منقطع ہوتی
جا رہی ہیں۔ سکریٹریٹ میں ہم لوگوں نے ملازمت کی اور شازار ملازمت
کی۔ ہمارا وجود ایک بے تاج بادشاہ کی طرح رہا۔ ہم نے سکریٹریٹ میں
میشہ اپنے کچے حیدر آبادی ہونے کا ثبوت دیا۔ باوقار انداز میں ہم اپنا کام
کرتے تھے۔ کسی سے بھی مرعوب نہیں تھے۔ اپنی صلاحیت پر بھروسہ تھا اور

اپنی دیانت داری پر یقین۔ سکریٹریٹ میں اردو کا ماحول بنانا ہمارے لئے
 مشکل تھا آذھر والوں نے بھی اردو سپر ڈیگراس اور اردو زبان کے خلاف
 کوئی کام نہیں کیا بلکہ بعض آذھر والی اخبارات نے ہمیشہ تنہا ان کی اسکرپٹ
 اردو اسوسی ایشن نے سرکاری محکموں کی تاریخ میں اپنا اونچا نام کمایا ہے
 اُس زمانے میں جب اسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا تھا سو اُسے لے۔ جی
 آفس کے کسی بھی محکمہ میں اردو اسوسی ایشن نہیں تھی۔ ہم نے شاندار
 پیمانے پر اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اردو سے دلچسپی رکھنے والے خجانب
 اردو دانشوران، شعروادب، سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی سرگرمیوں
 سے ہمیشہ متاثر رہے۔

خواجہ بہاء الدین ریٹائرمنٹ کے بعد بھی موسیقی کے ذریعہ اردو
 کی خدمت انجام دے رہے ہیں میرے بہت ہی اچھے اور چاہنے والے
 دوستوں میں سے ایک ہیں جنہیں میں ہمیشہ یاد رکھتا ہوں۔ بہاء الدین
 سے اکثر فون پر گفتگو ہوتی ہے۔ وہی انداز، وہی لب و لہجہ۔ بڑے
 دلچسپ اور زندہ دل انسان ہیں۔

اللہ انہیں ہمیشہ پُر مسرت رکھے۔

محمد سلیم الدین

سکرٹریٹ کے سفید پوش۔ نیک سیرت انسان

معاشرہ کے نیش و قرار اور حالات کے مد و جزر کے درمیان،
رو شب کے تذکروں، لمحوں اور ساعتوں کے آس پاس جن لوگوں کا
برہنہ ہوتا ہے اُن کی نیکیوں، اُن کے حسن سلوک اور ان کی شرافت و
مروت کی وجہ سے کچھ نام ذہن کے گوشوں میں اس طرح ابھرتے ہیں کہ جیسے
وہ کسی آبشار گنگو لپڑی پر بہنے کی کیفیت سے ہم کنار ہوں۔

پتہ نہیں کیوں جب کبھی میں سکرٹریٹ کے نیک فاضلت اور
بہت زیادہ شریف انسان علیم الدین صاحب کو یاد کرتا ہوں تو وہ ایک
جسم شرافت، انتہائی با اخلاق، مروت شناس، وفا پیکر، انسانیت
کے علمبردار اور نیکیوں کے سرچشمہ کی حیثیت سے میری نگاہوں کے سامنے
چلوہ افروز ہو جاتے ہیں۔ میں نے اپنی ملازمت کے تقریباً ۳۵ برس
کے دوران بے شمار ملازمین سکرٹریٹ کو دیکھ لیے۔ اُن سے گفتگو کی ہے

ان سے روشنی کی ہے لیکن علیم الدین صاحب جیسا سب سے الگ، منفرد
 انسان نہیں ملا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے علیم الدین صاحب کو صرف
 اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ ضرورت مندوں کو، اہل غرض حضرات کی مدد
 کرتے رہیں۔ علیم الدین صاحب بھی ان خوش نصیب طائفت میں
 سکریٹریٹ میں سے ایک ہیں جو کلرک سے ڈپٹی سکریٹری کے عہدہ
 تک پہنچ گئے تھے۔ علیم الدین صاحب اور میرا بنیادی رشتہ سلسلہ خلافت
 ڈاکٹر کریمینوٹی پراجکٹ آفس سے استوار ہوا۔ اس محکمہ میں میرے تقرر
 سے پہلے علیم الدین صاحب کا تقرر بہ حیثیت کلرک ہو چکا تھا۔ ان کے تقرر
 کے ۳، ۴ ماہ بعد میرا بھی تقرر بہ حیثیت کلرک ہوا۔ اس محکمہ میں ہم نوجوانوں
 کا ایک اچھا خاصا حلقہ تھا علیم الدین، خواجہ بہاؤ الدین، خواجہ معین الدین،
 افضل حسین، صلاح الدین تیر، علی نواز خاں، نست نارائن، سرسہارائی
 سوشل کارما تھر، بی این واگھے، ارین راؤ اور کشن کر۔ مجھ سے سینئر
 لوگوں میں محمد افضل، رحیم الدین غوری، محمد علی عابدی، شانتی کارا اور عبد الرحیم سید
 تھے۔ ہم نے اپنے محکمہ میں بھائیوں اور دوستوں کی طرح اپنی ملازمت کی مدت
 نہایت خوشگوار انداز میں گزاری۔ مسلم عہدہ داروں میں بہ حیثیت منتظم
 محمد عمر اور سعید جی تھے۔ گرو سوامی ڈاکٹر کریمینوٹی پراجکٹ ڈپٹی سکریٹری اور
 ظہیر احمد کمشنر تھے۔

۱۹۵۶ء جب آندھرا پردیش کی ٹیکس عمل میں آئی تو ہمارا محکمہ
 سکریٹریٹ کے محکمہ پلاننگ میں ضم ہو گیا۔ پلاننگ ڈیپارٹمنٹ، ہند میں پچاس

راج ڈیپارٹمنٹ کی شکل اختیار کر گیا۔

پلاننگ ڈیپارٹمنٹ کے سکریٹری مسز سی نرہم تھے جو ایک نہایت معزود، سست گیر آفیسر تھے۔ اُس زمانے میں ہمارے محکمہ میں خواجہ حمید احمد اسٹنٹ سکریٹری تھے۔ گزشتہ آفیسر کی حیثیت سے انہوں نے ہماری سفارش پر بے شمار لوگوں کے متعلقہ فارمز پر دستخط کئے۔ ان کا یہ طریقہ تھا کہ بسم اللہ کہہ کر دستخط کرتے تھے۔ ہمارے محکمہ میں لکشی نارائن اسٹنٹ سکریٹری ایک نہایت ذمہ دار شخص تھا جو O.P.I. II کا انچارج تھا۔ برخلاف اس کے آندھرا کے اکاؤنٹس آفیسر نارائن راؤ اور راماجوکاراؤ نہایت شریف النفس انسانیت دوست آفیسر تھے سکریٹریٹ کے ماحول پر اُس وقت آندھرا پودیش کے ملازمین چھاپے ہوئے تھے۔ علیم الدین صاحب سکریٹریٹ کے اہم اہم شعبوں میں کام کرنے رہے۔ پہلے وہ ہمارے محکمہ O.P.I سکشن میں تھے پھر وہ اکاؤنٹس سکشن میں بھی رہے۔ علیم صاحب ہمارے محکمہ میں سکشن آفیسر کے عہدہ تک رہے پھر وہ اکاؤنٹس آفیسر بن کر G.O.A.D چلے گئے وہیں وہ اسٹنٹ سکریٹری بھی رہے اور ڈپٹی سکریٹری بھی۔ کچھ عرصہ کے لئے ایمپلائمنٹ آفیسر بھی رہے۔ انہوں نے سیکٹروں اہل عرض اصحاب کی مدد کی۔ ان کے ایمپلائمنٹ آفیسری کا دور بھی نہایت کامیاب رہا۔ انہوں نے بے شمار لوگوں کو بلا تفریق مذہب و ملت فیض پہنچایا۔ سکریٹریٹ کے کسی بھی محکمہ کا کام کیوں نہ ہو اہل عرض حضرات کی مدد کے لئے تیار رہتے۔ اور متعلقہ سکشن پہنچ جاتے۔

انہیں حج بیت اللہ شریف کا بھی شرف حاصل رہا۔ عظیم صاحب ابوبکر بن
 شمالی دو سنوں میں ایک ہیں۔ کبھی کبھی وہ میرے گھر تشریف لاتے ہیں
 فون پر بھی گفتگو ہوتی رہتی ہے عظیم صاحب کا ادبی ذوق نکھر اُسٹھرا ہے
 وہ بھی سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے بانیوں میں سے ہیں۔ ہم تمام
 ساتھی ہمیشہ ہم خیال رہے۔ اردو اسوسی ایشن کے لئے ہم سب مل کر
 بے لوث خدمات انجام دیتے رہے۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ کے سبزہ زار پر
 ہم تمام ایک ساتھ لپٹ کر تھے۔ ہم نے اپنی ساری ملازمت کے دوران اپنی
 بہترین دوستی کا منظر ہوا۔ عظیم الدین صاحب سکریٹریٹ کے تمام ادبی
 شعری و تہذیبی پروگرامس میں شریک رہا کرتے تھے۔ ہمارے ساتھیوں
 میں سب سے زیادہ زندہ دل انسان، خواجہ بہاء الدین سکریٹریٹ اللہ
 اسوسی ایشن کے شعبہ موسیقی کے انچارج تھے۔ اب بھی وہ اپنے شاگردوں
 سے ہمیں سرشار کرتے رہتے ہیں۔ خواجہ بہاء الدین سکریٹریٹ کے شعبہ
 موسیقی کے انچارج کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری کو سلیف سے نبھاتے رہے
 سکریٹریٹ کے موسیقی و تہذیبی پروگرامس کی وجہ سے ان کی بہت شہرت ہوئی
 وہ اپنے سخیروں جو نیر ساتھیوں محمد حسین خاں، قذافی، عباس ہاشمی، شکیل احمد
 کے تعاون سے موسیقی کے بہترین بہترین پروگرام پیش کیا کرتے تھے۔ ۱۹۵۰ء
 کی دہائیوں کی شہرہ کاری اور جتنی نے بھی اردو اسوسی ایشن کی بڑی خدمت
 کی۔ پروگرامس میں عملی کے ساتھ غزلیں، گیت، کورس گائی ریمے آج بھی وہ
 سکریٹریٹ کے پروگرامس میں حصہ لیتی ہیں۔ نمائش سوسائٹی کے زیر اہتمام

صحنی نمائش کے موقع پر ہر سال موسیقی پر وگرام پیش کیا جاتا ہے۔ علیم الدین
 ایک نیک دل، فہم شناس، دیانت دار، صریح رہنے والا اور آفیسر بھی
 رہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ان سے ملنے کے لئے کوئی نہ کوئی شخص تقویٰ تیار
 روز سکریٹری آتا تھا۔ علیم صاحب ان کے کام کی یکسوئی کے لئے متعلقہ
 محکموں سے رابطہ پیدا کرتے اور کامیابی کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ انہوں
 نے کسی بھی حاجت مند کو بے نیل و مرام نہیں ٹھایا۔ علیم صاحب ایک وسیع دار
 یار ہنسی اور دوستی کے قابل انسان ہیں۔ ان کی خوبیل کی ایک طویل فہرست
 ہے۔ علیم صاحب کو میں نے ہر مرحلے میں ایک باکردار، شرافت پسند انسان
 کی حیثیت سے پایا ہے۔ تقویٰ تیار ہم برس کا ہمارا قریبی رشتہ دوستی ہے ان
 برسوں میں بے شمار خوشگوار لمحوں سے ہم گزر رہے ہیں۔ کن کن بانوں
 کا ذکر کیا جاوے۔ ہماری دوستی کا ایک لمحہ یادگار ہے جو لوگ پاک
 طبیعت، ایماندار، بے غرض اور اعلیٰ خصوصیات و بہترین کردار کے حامل
 ہوتے ہیں، انہیں بہت زیادہ یاد رکھا جاتا ہے۔ علیم الدین صاحب کو
 میں نے سکریٹری میں سبقت پیش شخص کی حیثیت سے ہمیشہ سفید شیر والی
 میں دیکھا ہے۔ سفید شیر والی ان پر خوب سمجھتی تھی۔ آفیسروں کی نظروں میں
 علیم الدین صاحب کی بڑی عزت تھی۔ آفیسر ان پر بہت اعتماد کرتے تھے
 ہمارے تمام ساتھی اپنی ملازمت کے آخری دنوں تک ایک دوسرے سے
 اپنے خوشگوار تعلقات کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔ ایسے دوستوں
 میں خواجہ سعید الدین، خواجہ بہاء الدین، علیم الدین، افضل حسین، پریم کر راؤ

نہ ہمارے بڑے بکشتیگر، رحمن و قابل ذکر ہیں۔ اُن میں سے ایک۔
 داکٹر بھی تھے جو اب ہم نہیں رہے۔ جو تمام دنیا میں چکے ہیں۔
 جب بھی اُن سے ملاقات ہو جاتی ہے تو میں اپنے ماضی میں کھو جاتا ہوں
 وہ بھی کھو جاتے ہیں اور ہم لوگ اپنے ماضی کے اوراق اُلٹتے رہتے ہیں
 اور یہ دیکھتے ہیں کہ ماضی کے اُن اوراق میں ہمارا کہاں کہاں کس کس
 حیثیت سے نام لکھا ہوا ہے۔ یادداشت خدا کا بہت بڑا عطیہ ہے
 یادیں انسان کو زندہ رکھتی ہیں۔ اور خاص طور پر تنہا بچوں کے لمحات میں
 یادیں انسان کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہوتی ہیں۔ اگر انسان سے اس
 کی یادیں چھین جائیں تو اس کی زندگی بے مطلب ہو کر رہ جاتی ہے۔
 علیم الدین صاحب اُن لمحات کی یادگار ہیں جن لمحوں میں اُجالوں کی
 تقسیم ہوتی تھی جن میں خوشیوں کی فہک سے ہم سرشار رہتے تھے۔ ہماری
 ایسی خواہش ہے کہ ہم اپنی باقی زندگی بھی ایسے خوشگوار لمحوں کی یاد
 میں گزاریں جن میں دوستی بھی ہو اور رفاقت بھی ہو۔ نیکی بھی ہو اور
 کئی ختم نہ ہونے والی مشرافت بھی ہو۔

عباس ہاشمی

(سکرٹریٹ کی ایک باغ و بہار شخصیت۔ نیک صفت انسان)

آئندہ ابرار دیش سکرٹریٹ میں اپنی ملازمت کے دوران میں نے
 بے شمار ملازمین سکرٹریٹ کو دیکھا ہے بے شمار ملازمین سے صاحب
 سلامت رہا ہے لیکن ان میں کچھ ہی ایسے لوگ تھے جو اپنی خصوصی
 پہچان کے ساتھ نمایاں تھے۔ ان کے کام کرنے کا طریقہ اپنے فرائض
 منصبی کو پیشہ و زندگی کے ساتھ انجام دینے کا انداز اپنے ساتھیوں
 سے بہترین مراعہ رکھنے کا پتہ سب سے فراخ دلی کے ساتھ اپنے روابط
 کو اپنی رکھنے کا سبق آپسی یکجہالت کا حلائے مظاہرہ کرنا اور اس
 طریق پر ہمتی و جہوں کے ساتھ پرسکون انداز میں اپنی زندگی کا
 سفر جاری رکھنا۔ ان کے ایک خصوصی موقف کی نشاندہی کرتا رہا ہے
 سکرٹریٹ میں بلا تفریق مذہب و ملت بلا تفریق آئندہ و ملک کا
 کچھ لوگ ایسے ہی تھے جو ہر امت و ملت کی دیانت داری اور خوش طوبی
 کے ساتھ سکرٹریٹ کے ہمہ رخ ماحول میں اپنے آپ کو جذب کر چکے تھے

اس طرح کی سکرٹریٹ کی مفعول نثرین شہسبزیوں میں عباس ہاشمی
 بھی شامل تھے۔ ہمارے مراسم و دوستی کا آغاز سکرٹریٹ میں شہری
 ادبی و تہذیبی سرگرمیوں سے ہوا۔ عباس ہاشمی اپنے محکمہ کے ایک
 بہانہ خود دار ملازم ہونے کے علاوہ سکرٹریٹ کے تمام محکومات سے
 تعلق رکھنے والے بہت سے لوگوں سے واقف تھے۔ سکرٹریٹ اردو
 اسوسی ایشن کے قیام سے قبل آندھرا پرنش کالج اسوسی ایشن سرگرم
 عمل تھی جس کی سالانہ تقاریب ہر سال ماہ دسمبر میں سلسلہ ہوتا تھا
 کرتی تھیں۔ ہم ملازمین تلنگانہ بھی اس اسوسی ایشن سے وابستہ تھے
 کالج کالج اسوسی ایشن سکرٹریٹ کے تمام ناانگوٹھیں ملازمین سے
 تعلق رکھتی تھی۔ پیر و گرامس کے ان ۷ دھنوں میں ہتھوڑا، ایک ان اردو
 پیر و گرامس کے لئے حاصل کرتے تھے جس میں خاص طور پر ڈرائے یا موسیقی
 پیر و گرامس ہوتے تھے۔ ایک دفعہ نوجوانے مشاعرے کا بھی اہتمام کیا
 تھا جس میں شہر کے نمائندہ شاعروں نے شرکت کی تھی۔ یہ اس
 مشاعرہ کا نمونہ تھا۔ سکرٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے قیام ۱۹۶۹ء
 کے بعد عباسی ہاشمی سے میرے رذابط میں اغافہ ہوتا گیا۔ میں نے
 انھیں ہر مرحلہ پر اپنا ہم خیال پایا۔ عباسی ہاشمی بھی ہانیان سکرٹریٹ
 اردو اسوسی ایشن میں سے ایک ہیں۔ چونکہ انھیں موسیقی سے دلچسپی
 تھی اس لئے عہدہ داران اسوسی ایشن نے انھیں شعبہ موسیقی سے
 وابستہ کیا۔ اور وہ اپنا راج شعبہ موسیقی جناب خواجہ پھارادین کی قیادت

میں سرگرم عمل رہے ان کے بہترین معاون ثابت ہوئے۔ عباس ہاشمی
 نے سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے بے شمار سپردگرمیوں میں حصہ لیا۔
 آل انڈیا ریلوے جیلڈ آباد سے ہونے والے سپردگرمی میں بھی انہوں
 نے ساز سپرٹز لیں سنائیں۔ کورس میں تھے لیا۔ بعض سپردگرمیوں کے
 وہ انچارج بھی رہے۔ خواجہ بہار الدین کے دست راست کی حیثیت سے
 ان کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ عباس ہاشمی نے اپنے محکمہ تعلیمات سے وابستگان
 علاوہ بہت سے اہل عرض حضرات کی مدد کی۔ سکریٹریٹ کی مشہور ترین
 شخصیتوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے
 تمام سپردگرمیوں میں انتہائی خلوص و قیاس کے ساتھ حصہ لیا کرتے تھے۔
 سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کا وجہ سے سکریٹریٹ کے مختلف محکموں
 کے اعلیٰ عہدہ داروں سے بھی ان کے مراسم تھے جن سے انہوں نے بہت
 سے اہل عرض نوگوں کی مختلف محکمہ باقی کارروائیوں کے سلسلے میں تعاون حاصل
 کیا۔ سکریٹریٹ کے اعلیٰ عہدہ داروں میں جو سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن سے
 وابستہ تھے جن میں قابل ذکر ہیں اے فار (چیف سکریٹری) رائے بکھ
 بہاری لال، چیف سکریٹری، بھارت چند کھنہ، سید ہاشم علی اختر، غلام احمد
 رشید قریشی، ایس اے واسح، صادق احمد، تراب الحسن ہیں عباس
 ہاشمی کا سکریٹریٹ کے محکمہ تعلیمات میں بہ حیثیت کلرک تعزیر ہوا
 کئی برسوں تک محکمہ تعلیمات سے وابستہ رہے بعد میں اسٹنٹ سکشن
 آفیسر اور ایکٹنگ آفیسر ہوئے۔ جب وہ اسٹنٹ سکشن آفیسر تھے تو

حکمہ بلدیہ سے وابستہ ہو گئے۔ پہلے وہ میونسپل کمشنر کی حیثیت سے منیچرل
پر رہے۔ پھر منیچل پران کا تدارک ہوا تھا۔ منیچل سے ٹھہرا بار پور ایڈمنسٹریشن
آفیسر کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ ٹھہرا بار پور کے بعد میونسپل کمشنر مجدیہ
کے عہدے پر مامور رہے۔ ۱۹۹۱ء میں گریڈ I و ایجوکیشن آفیسر
ہوئے۔ پھر میونسپل کمشنر کٹر پورہ پر خدمت انجام دی، پھر کاشم خٹک۔
پھر حکمہ بلدیہ کے مین آفس و ایچ یونک بینڈ پر پی آر اڈ ہوئے۔
اس کے بعد ڈپٹی کمشنر میونسپل کالپوریشن ہوئے۔ اسپیشل گریڈ میونسپل
کمشنر کے عہدہ سے مئی ۱۹۹۸ء کو بہ حسن خدمت ملازمت سے سبکدوش
ہوئے۔ ۱۹۹۶ء میں موہلیہ جج اکبر کی سعادت حاصل کی۔

سکرٹریٹ کے خوبصورت، وجہ پُرکشش نوجوانوں میں
عباس ہاشمی بھی شامل تھے۔ اپنے آفس کی ذمہ داریوں کو نہایت ہی
فرض شناسی کے ساتھ نبھاتے رہے۔ اپنے حکمہ میں بے حد مقبول
اور دل عزیز تھے۔ متعلقہ افسروں سے بھی ان کے اچھے خاصے مراسم
تھے۔ شہر کے علماء و معزز مشائخین کے خاندان سے عباس ہاشمی صاحب کا
تعلق ہے۔ ان کے بزرگ شہر کے نامور شخصیتوں میں شمار کیے جاتے ہیں
عباس ہاشمی نے سکرٹریٹ کے علاوہ حکمہ بلدیہ میں بھی بہت سے اہل عرض
لوگوں کے ساتھ ہر ممکنہ تعاون کیا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے محترم بوریٹ ہیں
انہیں اپنی طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر و ادب و موسیقی سے رشتہ
رہا۔ سکرٹریٹ اردو اسکی ایشن کے زیر اہتمام ہونے والی تقریباً تمام

سرگزینوں میں حصہ لیتے، بہت ہی شریف النفس، مہذب و پُر وقار
 پاک طینت، پاک باطن، باکردار انسان ہیں۔ سکریٹریٹ کے ماتحت
 میں اپنی بہترین صلاحیتوں، اپنے رکھ رکھاؤ اور اپنی محنت و رواداری
 کی وجہ سے بھی لوگوں کی نگاہوں میں رہے۔ دوران ملازمت جہاں
 بھی رہے وہاں کے اسٹاف اور عوام نے ان کی شخصیت کا التزام
 کیا۔ بلا تخصیص مذہب و ملت، بلا کسی ذہنی تحفظات کے اپنے
 عہدہ کا صحیح استعمال کیا۔ عباس ہاشمی سے جب کبھی ملاقات ہوتی ہے تو
 طبیعتِ جمال ہو جاتی ہے۔ ان کی بزمِ مزاح گفتگو لطف دے جاتی ہے، ہنسنے
 اور قہقہہ لگانے ہوئے اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ
 اپنی نیک نیتی، نیک نامی اور اپنی نیک فطرت کے سبب تاحیات خوش
 رہیں گے۔ کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں جو شخص دوسروں کی مسرتوں
 کو فخرِ پیش کرنا ہوتا ہے وہ خود بھی مسرتوں سے ہم کنار رہتا ہے۔
 سکریٹریٹ میں کام کرتے والی لڑکیوں / خواتین کی نظروں میں عباس
 ہاشمی چشمہٴ نور بنے رہے۔ انہوں نے خاص طور پر سکریٹریٹ اور دو
 اسوی ایشن کے موسیقی کے پروگرامس کے سلسلے میں سکریٹریٹ کی خاتون
 گلوکاروں کی حوصلہ افزائی میں مکمل تعاون کیا۔ مس جینتی اور کرشناکار
 سکریٹریٹ کی بہت ہی اچھی گلوکارہ ہیں۔ ان لڑکیوں / خواتین کو
 اردو غزل سے مانوس کروانے میں خواجہ بہاؤ الدین کی طرح عباس
 ہاشمی کی دلچسپی کو بھی بڑا دخل رہا۔ عباس ہاشمی کا ایک اور کارنامہ یہ

کہہ سکتے ہیں ان کی پڑوسی موجودہ پروگرام آگے یکیشو آئی انڈیا ریڈیو شرمیتی
 وٹے مٹی کو سکریٹریٹ آرڈو اسکی ایشن کے رسالہ سے شہرت دلوائی
 جو ایک غیر معمولی صلاحیت کی گلوکارہ ہیں۔ سکریٹریٹ کے مرد گلوکاروں
 میں محمد حسن، نثار علی، شکیل احمد کی گائیکی کو سراہتے ہوئے ان کے لئے
 بہترین پروگرامس کی پیش کش کے لئے مواقع فراہم کرتے رہے۔
 سکریٹریٹ کے ان کے دوست و احباب آج بھی ان کی یاد کی دوستی
 پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔ سکریٹریٹ
 کے ہم خیال دوستوں میں خواجہ بہاء الدین صاحب ان کا بار بار فانی
 رشک ہے۔ جن کے پر غلوں دوستانہ مراسم آج بھی خوشگوار انداز
 میں باقی ہیں۔

عابد محمد الدین

ایک مخلص سماجی کارکن۔ کامیاب تاجر، دین دار شخصیت

معاشرہ میں انسانیت، دوستی، رواداری، ہمدردی، شائستہ قدر و
 اور تہذیبی رشتوں کی پاسداری کرنے والے بہترین مسلم قوم و ملت
 ہر زبان و ادب سے دلچسپی رکھنے والے کچھ لوگ مختلف گوشوں میں
 بیٹے ہوئے۔ اپنے کے باوجود اپنی فطری صلاحیتوں، ذاتی خوبیوں اور
 اعلیٰ تہذیبی روایتوں کی روشنی میں بہت ہی کم عرصہ میں اپنی ایک مخصوص
 پہچان بنا لیتے ہیں جب وہ فلاحی، قوی و تعمیری سرگرمیوں میں رہیں
 لیسا شریعہ کرنے لگیں، تو محالہ ان خود بہ خود ان کے ہم رکاب ہو جاتے
 ہیں۔ ہند معاشرہ انہیں پوری عزت و اعزاز کے ساتھ قبول کرتا
 ہے۔ انسان میں کتنی ہی صلاحیتیں ہوں نہ ہوں اس سے بہترین رہنمائی
 کی ہی انہیں بہترین سہاویہ کی بھی ضرورت ہوتا ہے جس کی بنیاد و
 رہنمائی میں وہ اپنی خداوندی کا سفر خوش اسلوبی کے ساتھ جاری رکھ سکتا

ہے مگر ایسے شخص کو کسی کی بہترین رہنمائی حاصل ہو تو وہ جو کچھ بھی کر دے کھڑا ہوتا ہے اس کے خیالات میں ہی تروتازگی نہیں بلکہ اس کے دل و دماغ میں تشگفتگی در آتی ہے ہمارے معاشرہ میں بے شمار ایسے مسائل ہیں جو معاشرہ کے نبض شناسوں اور اصلاح پسندوں کے لئے سوالیہ نشان بنے ہوئے ہیں مسائل کو سمجھنا اور صحیح سمت پر اپنے قدم بڑھانا ایک اہم ذمہ داری سمجھی جاتی ہے ایسے لوگ جو بہترین ماحول کے سبب کبھی فضاؤں میں آسمانوں کی وسعتوں کو نا پینے اور دنیا کو زیادہ سے زیادہ روشنی سے سرفراز کرنے کے لئے میدانِ عمل میں قدم رکھتے ہیں وہ ہر مرحلہ پر کامیاب و کامران رہتے ہیں اس طرح کے پس منظر میں معاشرہ کے آفاق پر ایک اصلاح نوجوان عابدی الدین کی بھی تصویر ابھر رہی ہے جن سے نوجوان کی جا سکتی ہے کہ وہ قوم و ملت کی فلاح و بہبود کے لئے بہتر سے بہتر کام انجام دیں گے۔ میرے یقین کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہیں غلام صادق الدین جیسے فعال اور سرگرم عمل شخصیت کی سرپرستی و رہنمائی حاصل ہے۔ ۷۶ برس پہلے عابدی الدین سے میری ملاقات اپنے بہترین دوست غلام صادق الدین کی معرفت ہوئی۔ عابدی الدین ایک مجلس سماجی کارکن اور ایک کامیاب تاجر ہیں جو اپنی تیار ملیوساتشکی حالتیں دوکان مخدوم برادر س کے لوفیرواں اور سربراہ ہیں آئے دن ان کی ترقی کے اسباب قابِ رشک مدح بننے جا رہے ہیں۔ ابتداء میں انہیں میں صرف ایک تاجر کی حیثیت سے ہی جانتا تھا لیکن مجھے معلوم ہوا کہ وہ خدائی

خدا سے بھی دُعا کر رہے ہیں۔ ۲۰۔ ۲۲ برس پہلے ہم کچھ شاعر (پیشہ) ناصہر کرونلی وغیرہ کی مدینہ ہوٹل کے ایڈوکیٹ ہال میں ۹ بجے شنبت ۱۱ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ میں ایک نشست منعقد کیا کرتی تھی۔ یہ ہمارا روز کا معمول تھا ایک ادب دوست شخصیت عابدی الدین صاحب سے کبھی کبھی مدینہ ہوٹل کے ایڈوکیٹ ہال میں ملاقات ہوتی تھی۔ ہوٹل کے باہر بھی ان سے ملاقات ہوتی تھی۔ عابدی الدین صاحب کو شعر و شاعری سے کافی دلچسپی ہے میں نے عابدی الدین سے ان کے بارے میں بتایا تو کہنے لگے کہ وہ میرے والد محترم ہیں۔

عابدی الدین صاحب دینی و ملی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے ہیں پنہ ہی نہیں چلتا کہ وہ کس کس ضرورت مند کی کس کس انداز سے مدد کرتے ہیں۔ کامیاب بزنس مین ہونے کے علاوہ ایک کامیاب عوامی خدمت گزار بھی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غلام صادق الدین جیسے بالغ نظر انسانیت دوست شخصیت کے زیر اثر وہ اپنی شخصیت کو بنانے اور سنوارنے میں مصروف ہیں۔ عابدی الدین بہترین دوست بہترین شہری اور بہترین انسان ہیں وہ اپنے خاندان کے فلاح و ترقی کے لیے تمام بھائیوں کی بھلائی اور ان کی ترقی کے لئے ہمراہ تھا وں کیا کرتے ہیں اپنے والد محترم کا یہی صلہ احترام کرتے ہیں۔ ایک سعادت مند اولاد کی طرح اپنے والد کی ہر بات کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں ان کے والد کی سرپرستی اور رہنمائی نے بھی ان کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کی منازل طے کرتے جا رہے ہیں اپنے والد بزرگوار سے بے حد محبت کرتے ہیں

اپنے بھائیوں کے ساتھ بھی مشفق غلام سلوک نہوار کھتے ہیں۔ گھر بھر مساعیات
 ہیں اپنے بزرگوں کے زیر سایہ سکون قلب کے ساتھ اپنی زندگی کا سفر جاری
 رکھے ہوئے ہیں۔ عابدی الدین اولڈسٹی پیس اینڈ وینفیر کیٹی کے سرگرم
 کارکن ہیں۔ اولڈسٹی ٹریڈرس کے سربراہ بھی ہیں۔ ضرورت مندوں اور
 سہلج کے قابل توجہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں ان کے دوستوں کا علاج کافی بڑا
 ہے حکومت کے سربراہوں سے ان کے روابط ہیں جو بھی ان کے غرض ان کے پاس
 آئے ہیں ان کے کام کی تکجین تک چین سے نہیں بیٹھتے۔ عابدی الدین تجارتی
 معاملات میں بھی نہایت کھرے انسان ہیں تجارتی مطلقوں میں بھی کافی مقبول ہیں
 انہیں اردو شاعری سے بھی کافی دلچسپی ہے۔ کبھی کبھی اپنے دوست فاضل شاعروں
 کا ہتمام کرتے ہیں۔ عابدی الدین نہایت سنجیدہ و رعبہ خلیق انسان ہیں۔ ان
 کا انداز گفتگو سنجھا ہوا رہنمائی شگفتگی انداز کے راج کا ایک اہم حصہ ہے۔
 شکر لے کر دے ان کا گفتگو کرنا اچھا لگتا ہے۔ بشور انسان ہیں۔
 عابدی الدین کو اپنی زندگی کا ایک لمبا سفر طے کرنا ہے۔ میرا نیک
 تمناؤں ان کے ساتھ ہیں۔

اظہارِ تشکر

● میری اس کتاب میں جن دوستوں پر میرے ناشراتی مفاد میں شامل ہیں ان میں سے مجھے بعض گرامر قراؤں کا تعاون حاصل رہا ہے۔ خاص طور پر میرے اردو فیٹول (۱۹۶۰ء) کے ساتھی درویش عیاض الدین، مسعود عین اور جی ایم خان کے علاوہ میرے دوست بصیر افضل نے بھی اپنی ضرورت کے مطابق کتاب میں محفوظ کروائی ہیں۔ میں اس تعاون کے لیے ان دوستوں کا ممنون ہوں۔

● صدر نشین اردو اکیڈمی آندھرا پردیش جناب سید شاہ نواز الحق قادری اور اپنے سکریٹریٹ کے دیرینہ ساتھی، سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے سابقہ رکن موجودہ ڈائریکٹر سکریٹری اردو اکیڈمی آندھرا پردیش جناب ایم اے نعیم کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اس دستاویزی کتاب کی اہمیت و افادیت کو محسوس کرنے میں بڑے حسبِ گنجائش اشاعت کے سلسلے میں رنجی اعانت کی، بروقت کتابت کے لیے جناب نواز احمد کامنوپور میں ان تمام دوست و احباب کا بھی شکریہ گزار رہا ہوں جو میرے شعری و ادبی مصروفیات کے سلسلے میں اپنی نیک نیتوں سے نوازا کرتے ہیں۔

صلاح الدین تبّر

انتساب

انہی ماں کی اُس خوشبو کے
 نام جو میرے جہنم و جہاں میں
 پیوستہ ہے۔

سلاح الدین نصیر

نام: صلاح الدین سبیر

تاریخ پیدائش: ۲۵ جنوری ۱۹۳۵ء
سکونت: حیدرآباد (آندھرا پردیش)
تحلیم: پورٹ گزٹ کیویٹ (جامعہ عثمانیہ)

صلاح الدین سبیر کی کتابیں — مجموعہ کلام

گل نازہ (۱۹۶۵ء) • زخموں کے گلاب (۱۹۷۲ء) • منم تراش (۱۹۷۸ء)
شکن در شکن (۱۹۷۹ء) • خوشبو کا سفر (۱۹۸۳ء) • رشتوں کی ہلکائی (۱۹۸۶ء)
سفر جاری ہے (۱۹۸۸ء) • یہ کیا رشتہ (۱۹۹۰ء) • کیا کیا جائے (۱۹۹۴ء)
نثری مطبوعات: • گلشن (۱۹۹۹ء) • نیلم و ریشاں (۲۰۰۰ء)

سلسلہ چھوٹوں کا (خودنوشت سوانح (۱۹۹۲ء) • پھر وہی پرچھائیاں (مثنویں
فلک، سفر نامے، تبصرے (۱۹۹۳ء) • قافلے یادوں کے (المیہ تحریریں ۱۹۹۳ء)

کبکشاں (۱۹۹۶ء) • سائبان (مجموعہ حسین جگر ۱۹۹۸ء)
خوشبو پہاراں (۲۰۰۱ء) • عین سو گئے، ارستاں کچھ کہتے (۲۰۰۱ء) • روشنی خوشبو بہکائی (۲۰۰۲ء)

تالیف: عظمت عبدالقیوم: فن اور شخصیت (۱۹۸۸ء)

عظمت خیاباں: عظمت عبدالقیوم مضامین، افلاں، شاعری (۱۹۸۹ء)

فیمنان رسول (۱۹۹۵ء) • صانع الطاف: فن اور شخصیت (۲۰۰۱ء)

صلاح الدین سبیر سے متعلق کتابیں

قافلہ چلتی ہے گا (صلاح الدین سبیر فن اور شخصیت (۱۹۹۲ء) از صالح الطاف — ڈاکٹر

نابیرہ سعید • تبصرہ گینا لو (۱۹۶۵ء) گل نازہ کی منتخب غزلوں کا منظوم ترجمہ —
مترجم: شمس الدین محمودی — ترجمین کار: سیر اللال موریا

صلاح الدین سبیر: فن اور شخصیت ۱۹۹۴ء

ثواب میرزا محمد علی خاں صاحب کے پرنسپل اسٹنٹ رہے۔ ۱۹۸۱ء
 میں آپریشن ڈسٹریکٹو آفیسر محکمہ زراعت و ٹھیکہ پرنسپل
 تھے۔ خواجہ صاحب کو ثواب میرزا محمد علی خاں صاحب سے بہت زیادہ
 قربت حاصل تھی خواجہ صاحب کو اردو شعر و ادب سے کافی دلچسپی ہے ان
 کے ہاں قدیم و جدید اردو کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ خواجہ
 معین الدین صاحب سے میری رسم و راہ سیارت کی معرفت ہوئی۔
 خواجہ صاحب جناب عابد علی خاں صاحب اور جناب محبوب حسین جگر صاحب
 کے دو سنوں میں تھے۔ خواجہ صاحب دفتر سیاست آنے رہتے تھے۔
 اور خاص طور پر اس وقت ضرور موجود رہتے تھے جب عابد علی خاں صاحب
 اور جناب محبوب حسین جگر صاحب کے ہمراہ کسی علمی و ادبی جلسے میں شرکت
 کرنی ہوتی تھی۔ خواجہ صاحب عابد منزل میں منعقد ہونے والی اکثر
 دعوتوں میں موجود رہتے تھے۔ نہایت با اخلاق، مخلص انسان ہیں
 ان کا مخصوص لباس مشرٹ اور پینٹ ہے ٹائی لارڈا ان کے لباس کا حصہ
 بنی رہتی ہے کبھی کبھی شردانی میں بھی بلبوس رہتے ہیں بلے پٹی میں
 سکونت پذیر ہیں گھر سے بہت کم باہر نکلتے ہیں محلہ کے بعض اصحاب
 سے ان کے اچھے خاصے مراسم ہیں حسن اتفاق سے میں خود بھی بلے پٹی میں
 ایئر زانی کان میں رہتا ہوں لیکن محلہ میں ان سے ملاقات نہیں ہوتی
 خواجہ صاحب سے یا تو سیاست میں ملاقات ہوتی ہے یا ادبی جلسوں
 یا پھر مشاعروں میں۔ خواجہ صاحب کا شعری ذوق کھرا سھرا ہے۔ وہ غزل

غلام صادق صاحب دینی الدین بہت زیادہ سرگرم عملی ہے۔ غلام صادق
 الدین نام و نوید کی خواہش اور کسی عہدہ پر نظر رکھے بغیر اردو کے ایک
 "فنی کارکن" کی طرح اردو کا کام کرتے رہتے (کہہ رہے) ہیں اردو
 عہدہ کا علم ثبوت دینے کے لئے انہوں نے گوکندہ میں
 اردو ماڈل اسکول قائم کیا۔ اردو ذریعہ تعلیم کا یہ منفرد اسکول آج
 ہائی اسکول کی درجہ حاصل کر چکا ہے۔ اس اسکول کے نتائج بہت ہی
 حوصلہ افزاء رہتے ہیں۔ اس اسکول کے قیام کے سلسلے میں خواجہ میر
 احمد علی خان صاحب کی شخصی دلچسپی کو بڑا دخل رہا ہے اس اسکول
 کے سلسلے میں جناب عابد علی خان صاحب اور جناب محبوب حسن بنگر
 صاحب کی سرپرستی بھی انہیں حاصل رہی۔ اسکول کے بعض جلسوں میں
 ان دونوں محترم شخصیتوں کو مدعو کیا جاتا رہا ہے گوکندہ میں
 ان کے بہترین سینئر دوستوں میں منظور ظفر ان کے لئے اہم شخصیت
 کے حامل ہیں جو اسکول کی تقریباً ہر تقریب میں شریک رہتے ہیں
 غلام صادق الدین کے زیر انتظام جہاں کہیں جی سیکی و غیر سیکی
 جلسے ہوتے ہیں ان میں مشاعرہ لازماً ہوتا ہے۔ مشاعرے کے
 سلسلے میں مجھ سے تعاون حاصل کرتے ہیں اور میری وساطت سے
 شہر کے منتخب نمائندہ شعراء ان کی محفلوں میں اپنا کلام سناتے ہیں
 یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور ۲۰۲۲ برسوں میں غلام صادق الدین
 نے بے شمار جلسوں میں شعراء کو مدعو کیا ہے شعراء کے انتخاب کی پوری